احوال و آثار

حضرت بہاءُ الدّین زکریّا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت بہاءُ الدّین زکریا مُلتانی رحمۃ اللہ علیہ کا مُستند تذکرہ

تصوّف فاؤنڈیشن
۱۴۱۹ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۔ (القرآن ۶۲:۲)

تزکیۂ نفس اور کتاب و حکمت کی تعلیم

بعثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقاصد عظیمہ تھے۔

ان ہی مقاصد کے لیے "تصوف فاؤنڈیشن" وقف ہے۔

يزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة

تصوف فاؤنڈیشن

۱۴۱۹ھ

بانی: ابونجیب حاجی محمد ارشد قریشی

فون ۰۴۲-۷۵۹۹۵۴۳

احوال و آثار

حضرت بہاءُ الدّین زکریّا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت بہاءُ الدّین زکریا مُلتانی رحمۃ اللہ علیہ کا مُستند تذکرہ

مصنّف و مؤلّف

حمید اللہ شاہ ہاشمی

مدیر و ناشر

ارشد قریشی، بانی تصوّف فاؤنڈیشن

○

تصوُّف فاؤنڈیشن

لائبریری ○ تحقیق و تصنیف و تالیف و ترجمہ ○ مطبوعات

۲۴۹ ر این سمن آباد ــ لاہور ــ پاکستان

شوروم : المعارف ○ گنج بخش رحؒ روڈ ○ لاہور

یکے از مطبوعات تصوّف فاؤنڈیشن

ناشر	:	ابونجیب حاجی محمّد ارشد قریشی بانی تصوّف فاؤنڈیشن۔لاہور
طابع	:	زاہد بشیر پرنٹرز ۔ لاہور
سال اشاعت	:	۱۴۲۰ھ ـــ ۲۰۰۰ء
قیمت	:	۱۵۰؍ روپے
تعداد	:	پانچ سو
واحد تقسیم کار	:	المعارف۔گنج بخش روڈ۔لاہور۔پاکستان

آئی ایس بی این — ۹۶۹ — ۵۰۶ — ۰۳۴-X

تصوّف فاؤنڈیشن ابونجیب حاجی محمّد ارشد قریشی اور ان کی اہلیہّ نے اَپنے مرحوم والدین اور لختِ جگر کو ایصال ثواب کے لِئے بطور صدقہ جاریہ اور یادگار یکم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ کو قائم کیا جو کتاب و سُنّت اور سلف صالحین و بزرگانِ دین کی تعلیمات کے مُطابق تبلیغ دین اور تحقیق و اشاعت کُتب تصوّف کے لیے وقف ہے۔

فہرست

○

پیش لفظ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کا سہرا بزرگان دین اور صوفیائے کرام کے سر ہے۔ اولیائے کرام اور مشائخ عظام نے ہر دور میں گراں قدر دینی خدمات انجام دی ہیں۔ اولیاء اللہ جو قناعت کے پتلے، تسلیم و رضا کے بندے اور محبت و محبوبیت کے مجسّمے تھے، نے بلاشبہ برصغیر میں ایک ایسی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی خدمت انجام دی ہے جسے کسی طرح بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے اعلیٰ اخلاق، بلند کردار اور روحانی کمالات نے یہاں کے لوگوں کو اتنا متاثر کیا کہ وہ خود بخود حلقہ بگوش اسلام ہوتے چلے گئے۔ برصغیر میں اسلام ان برگزیدہ ہستیوں کی بدولت ہی پھلا پھولا۔ ان مشائخ عظام نے بت کدۂ ہند میں اسلام کا ڈنکا بجایا کہ آج بھی ان بابرکت نفوس کی تعلیمات طالبان حق کیلئے خضرراہ کا کام دیتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں جن برگزیدہ ہستیوں کے طفیل اسلام کا نور چہار سو پھیلا ان میں شیخ الاسلام حضرت غوث بہاالدین زکریا ملتانیؒ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

مشائخ عالی مقام میں شیخ الاسلام حضرت غوث بہاؤالدین زکریا سہروردی ملتانیؒ بلند مرتبے کے حامل ہیں۔ ان کو اپنے عہد کے صاحب جلالت و کرامت اصحاب طریقت اور عظیم المرتبت ارباب حقیقت میں ایک انتہائی منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے۔ آپ نے اپنے مرشد کامل حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی ہدایت پر جنوبی ایشیاء میں اسلام کی جو شمع روشن کی تھی بلاشبہ اس کی روشنی سے برصغیر پاک و ہند ہی کے نہیں بلکہ ایشیاء کے اطراف و اکناف آج بھی منور ہیں۔ آپ جنوبی ایشیاء میں سلسلہ جنید یہ سہروردیہ کے بانی اور ایک عظیم المرتبت روحانی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسے فقید المثال فلاح کار اور معلم اخلاق بھی تھے جنہوں نے ملتان کی سرزمین میں علم و دانش، سعی و عمل سے اخلاق حسنہ کے ایسے ان گنت چراغ روشن کیے کہ پورا ایشیاء ان سے جگمگا اٹھا۔ آپ نے دین اور روحانیت کی ترویج و ترقی کیلئے گرانقدر خدمات ہی انجام نہیں دیں بلکہ معاشرتی تعمیر و تطہیر،

امت مسلمہ کی بقا و ارتقاء عامۃ الناس کی اصلاح و فلاح اور کاشتکاروں تاجروں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ترقی و خوشحالی کے لیے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ متعلقہ شعبوں میں ہمارے لیے مشعل راہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی تعلیمات ہونے کی حیثیت سے ہمارا انتہائی قیمتی اثاثہ ہیں۔

برصغیر میں سہروردی سلسلہ کے بزرگوں نے دین کی ٹھوس تبلیغ و اشاعت کی جو کوششیں کیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے ملتان میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ اس کتاب میں حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتانی کے حالات اور ان کی تعلیمات، ان کے ملفوظات، مکتوبات، وصایا اور تصانیف کی مدد سے پیش کیے گئے ہیں۔ ہم نے واقعات کی کڑی جوڑنے اور حالات کے سلسلے ملانے میں مقدور بھر کوشش کی ہے کہ آپ کی جیتی جاگتی تصویر ابھر کر قارئین کی نظروں کے سامنے آ جائے۔

میں ان تمام احباب اور معاونین کا احسان مند ہوں جن کی مخلصانہ اعانت سے مجھے یہ کتاب پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ فرض ناشناسی ہو گی اگر میں خصوصیت سے جناب حاجی محمد ارشد قریشی کے لیے اظہار احسان مندی نہ کروں جنھوں نے کتاب کی تیاری میں دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ مفید مشوروں سے نوازا اور میرے شوق کو مزید جلا بخشی وہ اس مادی دور میں بھی عشق و معرفت اور بزرگان دین کے ارشادت و حالات شائع کر کے علمی و روحانی تشنگی کو بجھانے کا سامان مہیا کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو اجر عظیم عنایت فرمائے۔ آمین

حمید اللہ شاہ ہاشمی

ایم۔ اے (تاریخ)، ایم۔ اے (اردو)
ایم۔ اے (اسلامیات) ایم۔ اے (پنجابی)
۷۹ اقبال نگر ٹوبہ ٹیک سنگھ

○

پہلا باب

الشیخ الکبیر،(۱) شیخ الاسلام(۲) بہاء الدین ابو محمد زکریا ملتانیؒ

شیخ المشائخ، قطب زماں، غوث جہاں، زبدۃ الاتقیاء، قدوۃ الاصفیاء، خلاصۃ الاولیاء، عارف ربانی حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ (المعروف بہ بدر المشائخ غوث بہاء الحق والدین زکریاؒ) برصغیر پاک و ہند کا اکابر اولیاء میں سے ہیں۔ بیک وقت حافظ، قاری، مفسر، محدث، فقیہہ، عارف، ولی، عالم، فاضل اور سیاح سب کچھ تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ نہ صرف پاک و ہند بلکہ آپ ایشیاء بھر کے اعاظم اولیاء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ پورے براعظم میں آپ کے کمالات و کرامات کا شہرہ تھا۔ آپ کا خاندان ایک عرصہ دراز تک برصغیر پاک و ہند میں مہتمم بالشان تبلیغی خدمات انجام دیتا رہا۔

ملتان کے صوفیاء میں سب سے زیادہ شہرت حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کو حاصل ہوئی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے مریدوں اور ہدایت یافتہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ دوسرے اس لئے کہ ان کو سیاسی طور پر اقتدار حاصل رہا اور ان کے تعلقات بادشاہوں اور حکمرانوں کے ساتھ رہے۔(۳) یعنی آپ ان بزرگوں میں سے تھے جو مذہب اور سیاست کے ملاپ کے لیے حکمرانوں سے تعلقات قائم کئے رہے۔ اس طرح ایک طرف تو وہ حکمرانوں کو مذہب کی اعانت دیتے رہے۔ دوسری طرف خود بھی سیاسی طور پر مقتدر رہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ بطور صوفی بھی ملتان میں ان کی ولائت قائم رہی۔ مختلف صوفیاء نے ان کی

سربراہی اور ولایت کو قبول کیا۔

ضیاء الدین برنی کے مطابق "شیخ بہاء الدین زکریا کو سالکوں اور خدا طلبوں میں "سفید باز" کہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بھی ان کے بازوؤں سے خود کو باندھ لیا وہ خدا تک پہنچ گیا۔"(۴)

حسب و نسب

تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس سرہ' نسبا" قریشی ہیں۔ مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت شیخ کے نامور خلیفہ مخدوم سید جلال بخاریؒ نے اس امر پر بڑے فخرو مباہات کا اظہار کیا ہے کہ "میرے مرشد کے آباء و اجداد عرب کے رؤسا اور شرفاء میں سے تھے۔ اور حسب و نسب کے اعتبار سے لوگوں میں ممتاز اور منفرد تھے کیونکہ قریشی النسل تھے۔ اور ان کا نسب حضرت رسول خدا ﷺ کے نسب مبارک کے ساتھ جناب قصی بن کلاب سے مل جاتا ہے۔"(۵)

"شیخ الاسلام غوث العالم حضرت بہاء الدینؒ زکریا بن حضرت مولانا شیخ وجیہ الدینؒ المقلب بہ شیخ محمد غوثؒ بن سلطان ابابکرؒ(٦) بن سلطان جلال الدینؒ بن سلطان علی قاضیؒ بن سلطان حسینؒ بن سلطان عبداللہؒ بن سلطان مطرفہؒ بن سلطان خذیمہ بن امیر ہازم بن امیر تاج الدینؒ بن عبدالرحمٰنؒ بن عبدالرحیمؒ بن امیر مہارؒ بن اسد بن ہاشم بن عبدناف۔"

نسب نامہ بالا سے واضح ہو گا کہ حضرت غوث العالم قریشی اسدی ہاشمی ہیں اور جن کا نسب حضرت سرور کائنات ﷺ کے ساتھ سولھویں پشت یعنی حضرت ہاشم میں ملتا ہے۔"(۷)

یہ قدیمی نسب نامہ سجادہ نشینوں کے خاندان میں پشت در پشت چلا آ رہا ہے جس کی تصدیق اکثر کتب معتبرہ قدیمہ سے اور بزرگوں سے ہوتی چلی آئی ہے۔ بعض کتابوں میں درج ہے: "آپ کا سلسلہ نسب اسد قریشی تک پہنچتا ہے اور امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ' آپ کے جد مادری ہیں۔"(۸) یعنی

"آپ ہاشمی ہیں اور آپ کے ہاشمی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔"(۹)

"پنجاب چیف اور پنجاب گزیٹیر (ملتان ڈسٹرکٹ) اور کننگھم کی رپورٹ میں حضرت بہاء الحق کو اسدی الہاشمی ظاہر کیا گیا ہے۔ محمد شاہ اور نادر شاہ کے ایک مشترکہ اعلانیہ میں جس پر ۱۱۵۷ھ کی تاریخ ثبت ہے اس میں بھی آپ کو اسدی الہاشمی تسلیم کیا گیا ہے۔"(۱۰)

پروفیسر مولوی محمد شفیع مرحوم سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے اپنے مقالہ (۱۱) "الشیخ الکبیر بہاء الدین زکریاؒ ملتانی" میں بھی آپ اسدی ہاشمی تسلیم کیا ہے۔

"خلاصتہ العارفین"(۱۲) میں ہے کہ شیخ جلال الدین بخاریؒ جو چالیس سال تک شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کی خدمت میں رہے آپ کا شجرہ نسب بشرح ذیل بیان کرتے ہیں:

"غوث عالم شیخ بہاء الدین زکریا بہاء الحق بن شیخ محمد غوث بن شیخ ابوبکر بن شیخ سلطان جلال الدین بن سلطان علی قاضی بن شمس الدین محمد بن الحسین بن عبداللہ بن الحسن بن المطرب بن خزیمہ بن خازم بن محمد بن المطرف بن عبدالرحیم بن ہبار بن الاسد بن المطلب بن اسد بن عبدالعزی بن قصی۔"

"خلاصتہ العارفین" اصل میں تین ملفوظات کا مجموعہ ہے اس کے مولف کا علم نہیں کہ کون ہے؟ اس میں اکثر روایتیں دیو مالائی نوعیت کی ہیں۔ اس کے مختلف علمی نسخے پائے جاتے ہیں اور ان میں مرضی کے مطابق تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ مثلاً شجرہ نسب کے سلسلہ میں بعض نسخوں میں امیر مہیار بعض میں ہبار، کسی میں عیاض اور کسی میں عیار لکھا گیا ہے۔"(۱۳)

پیرزادہ محمد حسین کتاب "عجائب الاسفار" (ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ) کے صفحہ ۷ میں رقم طراز ہیں کہ "ملتانی قریشی اپنا نسب اس طرح بیان کرتے ہیں۔ مہیار بن اسد بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔ لیکن اس میں کلام ہے کیونکہ اسد بن ہاشم کے فقط ایک بیٹا حنین(۱۴) اور ایک دختر فاطمہ تھی جو حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ حنین کی نسل نہیں چلی۔ آپ ہاشم کے چچا عبدالعزیٰ کے فرزند اسد کی نسل

سے ہیں۔" ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "المعارف" میں لکھا ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد کے سوا دنیا میں کوئی ہاشمی نہیں۔ عبدالمطلب بن ہاشم سے ہاشمی نسل چلی۔ ہاشم کے باقی بیٹے مقطوع النسل تھے۔ یہی نظریہ "تاریخ الخمیس" اور "روضتہ الاحباب" کا بھی ہے۔

صاحب "انوار غوثیہ" (ص ۱۴، ۱۵) رقم طراز ہیں: "بعض مورخین نے اس میں غلطیاں کی ہیں۔ چنانچہ شیخ عین الدین بیجاپوری نے اس طرح لکھا ہے کہ مہیار بن اسود بن عبدالمطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ بیجاپوری صاحب کا یہ خیال بیجا ہے۔ کیونکہ بہت قدیمی نسب نامہ جو اس خاندان میں چلے آتے ہیں ان کی تصدیق اکثر کتب معتبرہ قدیمہ سے اور بزرگوں سے پشت بہ پشت ہوتی چلی آئی ہے۔ ان میں اسی طرح درج ہے جیسا کہ خاندانی نسب نامہ میں دکھلایا گیا یعنی مہیار بن اسد بن ہاشم بن عبدمناف۔ ایک جلد کتاب "خلاصتہ العارفین" کی قلمی زمانہ قدیم سے مولف کے خاندان میں تبرکات قدیمہ میں موجود ہے۔ اس کے تمام اندراجات کی تصدیق قبل و بعد کی کتابوں سے اور اقوال مشہور عامہ سے جو یہاں کے لوگ پشت بہ پشت سنتے آئے ہیں ہو چکی ہے اور اس کے صحیح ہونے میں کبھی کسی کو کلام نہیں ہوا۔ یہ پہلی دفعہ ہے کہ مولف نے یہ لفظ سنا کہ یہ خاندان بنی ہاشم نہیں۔ چنانچہ کتاب مذکور کی پہلی جلد میں لکھا ہے کہ جب والد بزرگوار حضرت غوث العالم کے شہر ماہ میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں حضرت شیخ عیسیٰ علیہ الرحمتہ نے جو حضرت غوث الاعظم شاہ عبدالقادر گیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ اپنی دختر نیک اختر کے رشتے کیلئے کہا تھا اور حضرت نے سکوت اختیار کیا تو شیخ موصوف نے بہ صفائی باطن معلوم کر لیا اور فرمایا کہ تم بھی بنی ہاشم ہو اور ہم بھی بنی ہاشم ہیں۔ مختلف قبائل کا ہونا کوئی امر مانع نہیں۔ اس پیوند کو منظور کرو۔ حضرت شیخ عیسیٰ علیہ الرحمتہ ایسے بزرگ عالم باخبر کوئی بات بے ثبوت زبان سے نہیں نکال سکتے۔ اسناد قدیمہ جو زمانہ سلف سے بہ ثبت مواہیر اکابر اعظم بطور تبرکات بزرگوں سے دست بدست چلے آتے ہیں۔ وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتے۔ بزرگان دین غلط بیانی سے مبرا ہوئے ہیں۔ ان کو کیا ضرورت واقع ہو سکتی تھی۔ کہ اگر بنی ہاشم نہ ہوتے تو اپنے آپ کو

بنی ہاشم میں داخل کرتے اور تھوڑی سی بات کے واسطے اس قدر الزام اٹھاتے۔ قریش کا عالی نسب ہونا اور انساب کا جناب سرورؐ کائنات صلعم سے پیوست ہونا تو خود انہیں کی تحریرات سے ثابت ہے۔ جن کو ہمارے خاندان کے بنی ہاشم ہونے میں کلام ہے۔ اگر یہ سلسلہ چوتھی پشت یعنی حضرت ہاشم تک بقول ان کے نہیں تو ایک دو پشت اور اوپر تو انہیں کے قول سے بھی ثابت ہے۔ اس فرق کے واسطے بزرگان دین غلط تحریرات چھوڑ جاتے۔ معاذ اللہ۔ ہرگز نہیں۔ حضرت غوث العالم کا خاندان لاریب بنی ہاشم ہے۔ مورخوں اور سیاحوں کا کیا اعتبار ہے۔ ان میں سے کوئی تو ایک امر کی بات کچھ بیان کر دیتا ہے۔ دوسرا اس کی بابت اس سے مختلف روایت کرتا ہے۔ چنانچہ کتب تواریخ کو مقابلہ کرنے سے ایسی نظریں بہت پائی جاتی ہیں جس سے باخبر لوگ اور صاحبان مطالعہ بخوبی واقف ہیں۔ اور ایسی غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں جیسی کہ ابن بطوطہ نے حضرت شیخ رکن الدینؒ کو شیخ صدر الدینؒ لکھا ہے۔ حالانکہ یہ شخص بڑا محقق اور نہایت صحیح لکھنے والا سمجھا جاتا ہے۔ پس دیگر مورخین و سیاحاں بھی آخر انسان تھے۔ اگر انہوں نے بھی اس قسم کی غلطیاں کی ہوں تو کیا عجب ہے۔ ان کی تحریر میں ایسا قطعی ثبوت نہیں ہو سکتا کہ شائبہ شک سے مطلق مبرا ہو۔ نہ ان کے کلام کو بزرگان دین کے کلام پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔" مزید برآں رسول اکرمؐ کی یہ حدیث مبارک ہی کافی ہے "جس شخص نے اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے شخص کو جان بوجھ کر اپنا باپ ظاہر کیا اس پر جنت حرام ہے۔" (سنن ابی داؤد ص ۶۹۷)

برصغیر میں آمد

تمام تذکرہ نگار (جن میں فرشتہ، جمالی، مفتی غلام سرور لاہوری بھی شامل ہیں) تسلیم کرتے ہیں کہ "حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے جد بزرگوار کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم میں آئے اور وہاں سے شہر ملتان میں جو اس وقت "قبۃ الاسلام" مشہور تھا، تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار کی۔"

صاحب "منبع البرکات" (بحوالہ ملفوظ شیخ شمس الدین) کا یہ خیال ہے کہ

امیر تاج الدین المطرف کو بنوامیہ کے آخری حکمران مروان الحکم (المتوفی ۱۳۲ھ) نے بیعت پر مجبور کیا مگر آپ عباسی دعوت میں امام ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس عم رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ آپ پہلے تو مروان کے حکم کو ٹالتے رہے۔ مگر جب اس نے زیادہ تقاضا کیا اور حالات بگڑنے شروع ہوئے تو آپ معہ اہل و عیال ہجرت کر کے الجبال جواب خوارزم کہلاتا ہے' مکہ معظمہ سے آکر اقامت پذیر ہو گئے۔ امیر تاج الدین المطرف اور ان کی اولاد پانچویں صدی ہجری تک ایک آزاد امیر کی حیثیت سے یہاں متصرف و اقامت گزیں رہے۔"

چھٹی صدی ہجری میں تاتاری حملوں کی وجہ سے ترکستان خراسان اور ایران سے بہت علماء' صلحاء اور صوفیا پنجاب میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ کے دادا حضرت کمال الدین شاہ ابوبکر بھی خوارزم سے آکر کوٹ کروڑ میں قیام پذیر ہوئے پھر کچھ عرصہ کے بعد ملتان آکر قیام پذیر ہوئے۔ ابن بطوطہ نے شیخ بہاء الدین "کے پوتے شیخ رکن الدین" شیخ رکن الدین بن شیخ شمس الدین بن شیخ بہاء الحق سے سنا تھا کہ یہ خاندان عرب سے محمد بن قاسم کے ہمراہ سندھ آیا تھا اور فتح کے بعد سندھ ہی میں بس گیا۔ اس خاندان کے کچھ افراد سندھ سے حجاز کو واپس ہوئے۔(۱۵) "انوار غوثیہ" (ص ۱۶) میں لکھا گیا ہے۔ "اس میں شک نہیں کہ ہمارے اجداد میں سے چند بزرگ محمد بن قاسم کے ہمراہ تھے۔ مگر سندھ میں رہ جانا ابن بطوطہ کی غلطی ہے۔" فرشتہ نے لکھا ہے کہ بہاء الدین کے دادا کمال الدین قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم میں آئے اور وہاں سے ملتان میں آئے۔

مولانا سید ابو ظفر ندوی کی کتاب "تاریخ سندھ" (ص ۳۵۸) میں مولانا سید سلیمان ندوی کی مشہور کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" کے حوالے سے لکھتے ہیں: "ایک اور خاندان اہل علم کا الور (ارور) میں آباد تھا۔ جن کے نفوس قدسیہ سے آج تک لوگ فیضیاب ہو رہے ہیں' یہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا قبیلہ ہے' جو دوسری صدی ہجری میں سندھ آکر آباد ہو گیا۔ آپ کا قبیلہ ہباری اسدی (قریشی) ہے۔ غالباً" کچھ دنوں کے بعد سکھر کے علاقہ میں محمد تور نامی قصبہ میں جا بسا اور پھر

پانچویں صدی کی ابتداء مین وہاں سے منتقل ہو کر ملتان چلا آیا۔" تاریخ طاہری کے مصنف نے بتایا کہ شیخ بہاء الدین سندھی تھے اور سمہ قوم نے پہلے محمد تور کے تباہ ہونے کے بعد سکور (موجودہ سکھر) کے پرگنہ میں جو محمد تور نے آباد کیا تھا وہ وہیں کے رہنے والے تھے۔"

"انوار غوثیہ" (ص ۲۸۹۔ ۲۲۸) میں ہی تحریر ہے: "یہ خاندان ابتدا میں زمانہ سلف سے مکہ معظمہ کا متوطن تھا۔ اس میں سے ایک بزرگ امیر تاج الدین قریب خوارزم ملک ترکستان جواب خیوا کے نام سے مشہور ہے۔ ہجرت کر گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ یہ خاندان زمانہ سلف سے ہمیشہ معزز اور مقتدر رہا ہے۔ کیونکہ شجاعت اور سخاوت اور فضل و کمال میں اس خاندان کے بزرگ بےعدیل ہوتے تھے۔ چنانچہ خوارزم میں بھی امیر تاج الدین کی اولاد بڑھی۔ اور اکابر خاندان نے وہاں ہر طرح سے نام پیدا کیا۔ امنیت قائم رکھنے اور ملک میں دین اسلام پھیلانے میں خلق اور سلاطین وقت کی امداد کرنے سے جاگیرات اور منصب حاصل کیے۔ اور ہر ایک عہد میں سلطنت کے کاروبار میں ارکان اعظم رہے۔ چنانچہ امیر تاج الدین سے سلطان ابابکر تک ملک کے والیان ریاست میں سے شمار ہوتے تھے۔ اور خلفاء اور شاہان وقت کی طرف سے خطابات امیر و سلطان پاتے تھے۔ اور جو بزرگ علم دین کی طرف توجہ فرماتے تھے علماء اور مشائخ کبار کے درجے کے ہوتے تھے۔ ان بزرگوں کے دونوں قسم کے کارنامے اور قصص بہت طویل ہیں۔

امیر تاج الدین کی اولاد میں سے ایک بزرگ سلطان حسینؒ نام جو معاونین و رفقاء سلطان محمود و سبکتگین غزنوی میں سے تھے۔ اس کے تیسرے حملے کے وقت اس کے ہمراہ ہند میں تشریف لائے۔ اور بعد کے حملوں اور غزوات میں بھی شریک رہے۔ جبکہ سلطان محمود نے سرحد پر جا بجا اپنے قلعے اور چھاونیاں قائم کیں تو از انجملہ ایک قلعہ کوٹ کہروڑ(۱۶) کو بھی قرار دیا۔ اور اس کی حکومت شیخ حسین الملقب بہ سلطان حسین رحمتہ اللہ علیہ کو دی اور جناب موصوف وہاں اپنے بھائیوں اور رفیقوں سمیت متوطن ہوئے۔ اسی وقت سے وہاں ان کی اولاد آس پاس کے قصبات میں پھیلتی رہی اور بعض بزرگ ملتان میں بھی آ بسے۔"

"ملتان اور سندھ چوتھی صدی ہجری کے آخر میں قرملیوں کا روز تھا۔ محمود غزنوی نے ملتان فتح کر کے اپنی سلطنت میں ملا لیا اور غالباً" اسی کے ہاتھوں سندھ کے قرملی حکام کا خاتمہ ہوا۔ انہوں نے پھر سر اٹھایا تو محمد غوری نے ۵۷۱ھ (۱۱۷۵ء) میں پھر سندھ اور ملتان ان سے چھینا مگر حکومت چھن جانے کے باوجود ان کا ہمہ گیر اثر موجود تھا۔ لوگوں کے عقائد کی تصحیح کا کام ابھی باقی تھا۔ یہ وہ کام تھا جو جناب شیخ الاسلام اور شیخ فریدالدین جیسے بزرگوں کے ہاتھوں انجام پایا۔"(۱۷)

ملتان اس زمانے میں اسلامی علوم و فنون کا مرکز تھا۔ باشندگان ملتان نے حضرت کمال الدین علی شاہ قریشی کے زہد اتقا اور کمالات باطنی کو دیکھ کر آپ کا نہایت اعزاز و اکرام سے استقبال کیا اور سلسلہ بیعت میں داخل ہونا شروع کیا۔ یہاں ان کے فرزند وجیہ الدین محمد تولد ہوئے جو نیک نفس اور فرشتہ خصلت جوان تھے ان کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی لڑکی بی بی فاطمہ سے ہوئی۔ حسام الدین ترمذی اپنے مکارم اخلاق اور علم و فضل کے اعتبار سے ایک ممتاز فرد سمجھے جاتے تھے اور چنگیز خان کی تاخت و تاج سے وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ ملتان کے قریب قلعہ کوٹ کروڑ (جس کو سلطان محمود غزنوی نے فتح کیا تھا) میں اقامت گزیں تھے۔ مولانا وجیہہ الدین بھی خسر کے ساتھ قلعہ ہی میں رہنے لگے۔ یہیں حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

"منبع البرکات" اور صاحب "انوار غوثیہ" "خلاصتہ العارفین" کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی والدہ ماجدہ بی بی فاطمہ، حضرت شیخ عیسیٰ (جو حضرت غوث الاعظم پیران پیر محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے) کی دختر نیک اختر تھیں۔

"خلاصتہ العارفین" (قلمی) (مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ان کا شجرہ اس طرح ہے۔ فاطمہ بنت عیسیٰ بن عبداللطیف بن محمد بن عبداللہ بن احمد بن جعفر بن محمد بن عبدالقادر جیلانیؒ۔ اس روایت کی تصدیق نہیں ہو سکی بلکہ زیادہ مورخین نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ سید عبدالقادر جیلانیؒ کے بیٹوں میں سے عبدالجبار، عیسیٰ، محمد، یحییٰ اور موسیٰ عمر بھر مجرد رہ کر فوت ہوئے۔

جب انہوں نے شادیاں ہی نہیں کیں تو اولاد کہاں سے آئی؟ جدید تحقیق سے دریافت ہوا ہے کہ عیسیٰ، یحییٰ نے شادیاں کیں اور اولاد بھی ہوئی۔(۱۸)

خزینۃ الاصفیاء، تاریخ فرشتہ، سیرالعارفین، حدیقۃ الاسرار، اور مراۃ الاسرار کا بیان ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ کی والدہ ماجدہ بی بی فاطمہ، مولانا حسام الدین ترمذی کی صاحبزادی تھیں۔ یہ تحریر کرتے ہیں کہ کمال الدین علی شاہ نے اپنے صاحبزادے وجیہ الدین محمد غوث کی شادی قلعہ کروڑ کے معزز شخص مولانا حسام الدین ترمذی کی صاحبزادی سے کر دی۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے مندرجہ ذیل اشعار(۱۹) ان کے والد، والدہ اور ننھال کی جانب صاف وضاحت کرتے ہیں:

شاہ محمد غوثؒ پدرم فاطمہؒ مادر مرا
شاہ جیلان است جدم از طرف مادر مرا

اس شعر میں انہوں نے لکھا ہے کہ ان کے والد محترم کا نام شاہ محمد غوث اور والدہ محترمہ کا نام فاطمہ ہے اور ننہال کا تعلق شاہ عبدالقادر جیلانی ہے۔ لیکن اس بات کا واضح ثبوت نہیں مل سکا کہ یہ اشعار واقعی انہیں کے ہیں یا ان سے منسوب کیے گئے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ آپ کے آبا و اجداد کا تعلق قریش مکہ کے معزز قبیلہ "القریش الاسدی ہاشمی" سے تھا۔ آپ کے دادا حضرت کمال الدین علی شاہؒ مکہ معظمہ سے خوارزم تشریف لائے اور پھر وہاں سے ملتان تشریف لائے۔ حضرت کمال الدین علی شاہ نے ملتان میں اپنے صاحبزادے حضرت وجیہ الدین کی شادی قلعہ کوٹ کروڑ میں کر دی۔ تاتاریوں کے حملہ کی وجہ سے یہ خاندان کوٹ کروڑ میں مقیم ہو گیا۔ یہیں بہاء الدین زکریاءؒ پیدا ہوئے۔ ہمیں اختلاف میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بہرحال آپ سادات قریش میں سے ہیں۔ اور آپ کی ذاتی بزرگی مسلّم ہے۔ آپ اسلام اور مسلمین کے لیے باعث فخر ہیں۔ نسب میں رخنے ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ بزرگوں کا ذاتی تقدس قابل احترام ہے۔

○

حواشی

۱،۲۔ آپ کے مریدوں میں سے فخرالدین عراقی ان کو قطب زمان، غوث حق، شیخ ربانی، بہاء الحق والدین لکھتے ہیں اور امیر حسینی ہروی نے "شیخ ہفت اقلیم قطب اولیاء" اور مفخر ملت بہای شرع و دین" لکھا ہے۔ ازروی "اخبار الاخیار" دہلی ۱۳۰۹ھ ص ۲۶، "اذکار ابرار" (آگرہ ۱۳۲۶ھ) ص ۵۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت گنج شکرؒ نے خط میں آپ کو "شیخ الاسلام" لکھا۔ ازروی دیباچہ "الاوراد" میں آپ کے نام کے ساتھ "الشیخ الکبیر" تحریر ہے۔

۳۔ ڈاکٹر شمیم زیدی لکھتی ہیں "حضرت شیخ بہاء الدین زکریا دربار کے ساتھ رابطہ استوار رکھتے اور امراء و حکام کے ساتھ ان کی آمدورفت تھی (ہو سکتا ہے کہ حضرت خود بھی تشریف لے جاتے ہوں) (احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین" ص ۳۸، مطبوعہ انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۱۹۷۴ء۔

۴۔ تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ) مترجم ڈاکٹر سید معین الحق ص ۵۰۸ مرکزی اردو بورڈ لاہور بار اول اکتوبر ۱۹۶۹ء۔

۵۔ (i) انوار غوثیہ از مخدوم حسن بخش، ص ۱۴، محمد خیرالدین صابر تاجر کتب ملتان ۱۹۰۹ء۔

(ii) احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی۔ خلاصۃ العارفین از ڈاکٹر شمیم زیدی ص ۱۲۷۔

۶۔ بعض کے نزدیک کمال الدین علی شاہ ہی ابوبکر ہیں۔ (مقالات مولوی محمد شفیع جلد پنجم ص ۱۳۸۔ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۱ء)

۷۔ انوار غوثیہ۔ از حسن بخش ص ۱۴، کتب خانہ صابر ملتان ۱۹۰۹ء

۸۔ اخبار الصالحین (حصہ اول)، عالی جناب نواب معشوق یار جنگ بہادر، ص ۲۹۸، اعظم سٹیم پریس حیدر آباد دکن ۱۳۵۲ھ۔ تکملہ سیرالاولیاء (فارسی) ص ۳۸۔

۹۔ مسالک السالکین جلد دوم ص ۵۰۹ بحوالہ خم خانہ تصوف، از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، ص ۴۳، صابری دارالکتب لاہور ۱۹۸۰ء۔

۱۰۔ مقالات مولوی محمد شفیع۔ جلد پنجم مرتب احمد ربانی ص ۱۹۴، مجلس ترقی ادب لاہور

۱۹۸۱ء۔

۱۱۔ ایضاً"۔

۱۲۔ خلاصتہ العارفین، ایڈٹ ڈاکٹر شمیم زیدی ص ۱۲۷، ۱۲۸، انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران پاکستان ۱۹۷۴ء۔

۱۳۔ تمام کتابوں میں وہی شجرہ نسب درج کیا گیا جو "خلاصتہ العارفین" میں لکھا گیا ہے، حالانکہ اس کتاب کا مصنف یا مولف کا پتہ نہیں کون ہے؟ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یہ شجرہ نسب درست نہیں ہے۔ تمام مورخین اور مولفین نے اسی شجرہ نسب کو بنیاد بنایا ہے۔ اس کو اس لئے بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ جس کتاب کا مصنف ہی کوئی نہ ہو اس کے بیان کی صحت کا کون ضامن ہو سکتا ہے۔

۱۴۔ جمهرة انساب العرب از ابی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی (مطبوعہ دارالمعارف قاہرہ ۱۹۸۲ء) ص ۱۴۰ میں حنین کے بیٹے کا نام عبداللہ درج ہے (عبداللہ بن حنین بن اسد بن ہاشم)

۱۵۔ عجائب الاسفار (سفرنامہ ابن بطوطہ ترجمہ مولوی محمد حسین دہلی ۱۹۱۸ء)

۱۶۔ اس قصبے کا نام پہلے والئی ملک کے نام پر دیپال تھا مگر جب سلطان محمود غزنوی نے اسے فتح کر لیا تو اس جہاد میں ان کے ساتھ آنے والے ایک بزرگ شیخ حسین نے جنہیں سلطان نے یہاں کا حاکم مقرر کیا تھا، اس جگہ سورت مزمل ایک کروڑ بار ورد کی۔ جس کی وجہ سے اس کا نام ہی کوٹ کہروڑ پڑ گیا۔ (روزنامہ امروز، ۱۳ دسمبر ۱۹۸۰ء مضمون: پروفیسر بشیر احمد ملک)

۱۷۔ مقالات (دینی و علمی) حصہ اول از مولوی محمد شفیع ص ۲۶۸۔

۱۸۔ الشیخ عبدالقادر گیلانی (حیات۔ آثار) تالیف یونس الشیخ ابراہیم السامرانی۔ (مطبوعہ بغداد) میں (ص ۶۱ میں) تحریر ہے کہ عیسیٰ بن الشیخ عبدالقادر الگیلانی نے شادی کی اور اولاد بھی ہوئی۔

۱۹۔ انوار غوثیہ از مخدوم حسن بخش ص ۱۲۰، ملتان ۱۹۰۹ء۔

○

دوسرا باب

حضرت بہاء الدین زکریا کی ابتدائی زندگی

پیدائش

آپ کے سن ولادت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (۱) تذکرۂ بہاء الدین زکریا ملتانی از نور احمد فریدی ص ۴۰۔ (۲) سیرالعارفین ص ۱۱۴۔ (۳) اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم ص ۱۴۔ (۴) تواریخ ملتان از حکیم چند، ص ۷۳۔ (۵) نزہت الخواطر، ص ۲۳۲۔ (۶) تذکرہ اولیائے ہند از مولوی عبدالرحمٰن چشتی، ص ۱۳۱، مطبوعہ نو لکشور ۱۹۱۴۔ (۷) خلاصتہ الاحباب (قلمی) ص ۷۴۔ (۸) سفینۃ الاولیاء (قلمی نسخہ) ص ۱۷۶ مرقومہ یار محمد مرید حضرت خواجہ حافظ غلام حسن شہید ۳۰ رمضان المبارک ۱۲۸۰ھ --- ان سب کتابوں کے مطابق آپ کا سن پیدائش ۲۷ رمضان ۵۶۶ھ ہے جبکہ مرات الاسرار (جلد دوم) ص ۱۳۱، مرقع ملتان از اولاد علی گیلانی، ص ۲۱۲۔ اور آئین اکبری ازابوالفضل، ص ۲۰۷ (مطبوعہ نو لکشور لکھنؤ ۱۸۸۲ء) کے مطابق ۵۶۵ھ، اخبار الاخیار، ص ۶۶۲ کے مطابق ۵۶۰ھ اور تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی، ص ۳۵۶۔ حدیقت الاولیاء ص ۴۹، تحفتہ الابرار از نواب مرزا آفتاب بیگ ص ۸ (مطبع رخوی دہلی ۱۳۲۳ھ) اور منبع البرکات (اردو ترجمہ از مخدوم عبدالرشید حقانی) ص ۶۹ (مطبوع صادق الانوار بہاولپور ۱۹۱۵ء) کے مطابق ۵۷۸ھ ہے اور حدیقت الاسرار فی اخبار الابرار، ص ۱۹۰ کے مطابق ۵۴۴ھ درج ہے تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ، ص ۴۰ کے مطابق ۵۸۴ھ ہے۔ لیکن اکثریت نے ۵۶۶ھ ہی کو قبول کیا ہے۔

آپ کی تاریخ ولادت، ۲۷ رمضان المبارک ۵۶۶ھ کو بروز جمعہ صبح کے وقت بمقام کوٹ کروڑ (ضلع مظفر گڑھ) بتائی جاتی ہے۔ آپ کا نام بہاء الدین، کنیت ابو محمد ہے بعض نے آپ کی کنیت ابوالبرکات بھی لکھی(۱) ہے۔ مفتی محمود عالم ہاشمی "آپ کا نام زکریا، کنیت ابو محمد لقب بہاء الدین اور خطاب شیخ الاسلام بتاتے

ہیں۔"(۲)

ابتدائی زندگی

ایام رضاعت ہی میں آپ کی لوح پیشانی ہی سے ولایت اور غوثیت کے آثار و امکان ہویدا تھے۔ یا یوں کہئے کہ آپ مادر زاد ولی تھے۔ چونکہ آپ کی پیدائش ماہ رمضان میں ہوئی۔ اسلیے جب تک شوال کا چاند نظر نہ آیا۔ حضرت نے دودھ نہ پیا۔ جب آپ کے والد محترم کلام پاک کی تلاوت کرتے تو آپ دودھ چھوڑ کر نہایت توجہ سے سنتے تھے۔ یہ عالم دیکھ کر آپ کے گھر والے حیران رہ جاتے۔ بچپن سے ہی آپ میں آثار بزرگی نمایاں تھے۔ آپ کے سنجیدہ اطوار نے بچپن کے ساتھیوں میں بھی آپ کو نمایاں کر دیا تھا۔ ابھی آپ مکتب ہی میں پڑھتے تھے کہ ایک دن آپ نے فرمایا: "حق تبارک و تعالٰی نے جب الست بربکم (ترجمہ: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) فرمایا تھا' اس وقت سے اب تک کے واقعات مجھے اس طرح معلوم ہیں جیسے میری آنکھوں کے سامنے ہوئے ہیں۔"(۳)

آپ کی تعلیم و تربیت پر آپ کے والدین نے کافی توجہ دی۔ آپ کی تعلیم چھوٹی عمر سے شروع ہوئی۔ "ابھی حضرت بہت چھوٹے ہی تھے کہ شیخ محمد غوثؒ نے آپ کو مولانا نصیرالدین بلخیؒ کے پاس پڑھنے بٹھایا۔"(۴) آپ کی طبع رسا اور ذہن خداداد کا یہ عالم تھا کہ سات سال کی عمر میں ساتوں قراتوں کے ساتھ کلام اللہ شریف حفظ کر کے قاری مشہور ہو گئے تھے۔ جب آپ کی عمر بارہ سال ہوئی تو آپ کے والد محترم کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ "کچھ عرصہ آپ نے ملتان میں گذارہ اور یہاں کے علماء اور مشائخ کے آگے زانوئے ادب تہ کیا۔ مرور زمانہ نے ان حضرات کا کوئی نشان باقی نہ رکھا۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ خوش نصیب اساتذہ کون تھے؟ اور کہاں جا کر پیوند خاک بنے؟ محلہ کڑہ (ملتان) کے اندر ایک مسجد کے جنوبی حجرۂ میں مولانا عبدالرشید کرمانیؒ کا مقبرہ زیارت گہ خلائق ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ بزرگوار حضرت شیخ الاسلامؒ کے استاد تھے۔(۵) مروجہ علوم کی تکمیل کی غرض سے خراسان' بخارا' مدینہ منورہ اور فلسطین کے بڑے بڑے علمی مرکزوں کا سفر کیا۔

آپ کی سوانح حیات اور دوران سیاحت سفر و حضر کے واقعات کے پیش نظریہ بات پورے اعتماد اور اور مکمل یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ آپ گود سے لے کر گور (قبر) تک حصول علم کے لیے سرگرم عمل رہے۔ اگر آپ کی کتاب زندگی کے اوراق کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے خراسان' بخارا' مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' نجف اشرف' بیت المقدس' بغداد شریف اور دیگر شہروں کا کٹھن سفر محض علم اور حصول علم کے لیے کیا۔ سفر و حضر کے دوران روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔

خراسان اور بخارا کا سفر

جب ملتان کے علماء سے استفادہ کر لیا تو پھر خراسان کا رخ کیا۔ مولانا جمالی کا بیان ہے "اپنے والد کی وفات کے بعد وہ وہاں سے خراسان چلے گئے۔"(٦) وہاں پہنچ کر سات سال تک بزرگان دین سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کی۔ پھر بخارا جا کر علم کی تکمیل کی۔ علم میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ درجہ اجتہاد کو پہنچ گئے۔ مجاہدے' مشاہدے اور مکاشفے میں بہت زیادہ مشق کی۔ ان کے اوصاف پسندیدہ اور اور خصائل حمیدہ کی وجہ سے بخارا اور خراسان کے لوگ اِن کو "بہاء الدین فرشتہ" کہا کرتے تھے۔ جلد ہی آپ کی شہرت خراسان اور بخارا کے گرد و نواح سے بھی آگے نکل پہنچ گئی۔ "آپ کے اکتساب علم کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ایک استاد کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے سینے میں جس قدر علم ہوتا دو تین دن میں اس کا مکاشفہ کر لیتے۔ پھر دوسرے استاد کے پاس پہنچتے اور جس قدر علم ان کے پاس ہوتا اس کا کشف کر لیتے۔ اس طرح چار سو چوالیس باکمال اساتذہ کے آگے زانوئے تلمذتہ کر کے سند فضیلت حاصل کی۔"(۷) تحصیل علم و ادب کے زمانہ میں آپ کے پاس دو ہزار سے زائد علمی کتب جمع ہو گئیں تھیں اس زمانہ میں جبکہ طباعت کا انتظام نہیں تھا' دو ہزار کتب ایک بہت بڑا علمی خزانہ تھا۔

انہوں نے بخارا میں نہ صرف اپنی تعلیم کو مکمل کیا بلکہ ۱۵ سال تدریس اور افادۂ علوم میں بھی مصروف رہے۔(۸) چنانچہ ہر روز ستر افراد علماء و فضلاء آپ

سے استفادہ کرتے تھے۔

تزکیہ نفس

جب آپ تحصیل علم سے کسی قدر فارغ ہوئے تو مجاہدہ اور نفس کشی کی طرف توجہ کی۔ اور لگاتار بیس سال تک ایسا سخت مجاہدہ کیا کہ اس کی تفصیلات پڑھنے سے حیرت ہوتی ہے۔ صاحب "خلاصتہ العارفین" لکھتے ہیں: "ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے مجاہدہ کی بابت سوال کیا کہ کوئی واقعہ اپنے مجاہدہ کا بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے مجاہدہ اور محنت کی کیفیت بیان نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس میں غرور پایا جاتا ہے اور طالب کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس کی کمائی دریا میں داخل ہو کر برباد نہ ہو جائے۔ مگر پھر بھی آپ کی خاطر اتنا ظاہر کرنے میں تامل نہیں کرتا کہ یہ فقیر بیس سال تک ایک چھٹانک پانی اور ایک چھٹانک روٹی پر روزہ افطار کرتا رہا ہے۔ یہ ادنی سے ادنی مجاہدہ ہے کہ مبتدی لوگ طبیعت کو قابو میں رکھنے کیلئے کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد مجھے حج کعبتہ اللہ کا شوق ہوا۔ مگر ہر ایک قدم پر دوگانہ ادا کیا۔ اور پھر دوسرا قدم اٹھایا (قدم قدم پر دل نے سجدہ کیا)

ایک موقع پر کسی مقرب نے سوال کیا: "مجاہدہ کی تعریف کیا ہے؟"

آپ نے فرمایا کہ جس چیز کی نفس آرزو کرے۔ اس چیز کو بیس سال تک اسے نہ دیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے جو ابتدائی مجاہدہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ درحقیقت میرے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ فقط ابتدائی مرحلہ ہے۔ ورنہ صاحب مجاہدہ ستر سال تک نفس کو آب و دانہ سے محروم کر دیا کرتے ہیں۔ وہ البتہ صحیح تعریف مجاہدہ کی ہو سکتی ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ نفس کو عذاب میں رکھتے ہیں۔ اس فقیر نے جو کچھ کیا وہ محبت خانہ کعبہ اور اس کی عظمت کے سبب کیا۔ اور محض عنایت ایزدی و تائید غیبی سے خانہ کعبہ میں فائز المرام ہوا۔ ورنہ یہ ذرا سی تکلیف کیا تھی۔ اور بفضلہ تعالیٰ جبل عرفات پر حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ تین سال تک ان کی خدمت میں رہ کر استفادہ حاصل کرتا رہا۔ ان سے سبق حاصل کیا۔ اور اس کے بعد جدید احرام باندھ کر رسول خدا ﷺ کے روضہ

اقدس پر حاضر ہوا۔ پانچ سال (بعض نسخوں میں تین سال) یہاں رہ کر حضرت کے قدموں کی خاک پاک کی برکت سے انوار الٰہی کا ظاہری اور باطنی مشاہدہ کیا۔ اسی پاک مقام سے ارشاد ہوا کہ سلطان العارفین امام المحبوبین حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا نصیب حاصل کرو۔ چنانچہ پھر نیا احرام باندھا اور حضرت پیرو مرشد کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔"

روضہ اقدس کی زیارت اور سیاحت

بخارا میں آٹھ سال تک تحصیل علم کے بعد آپ حج کیلئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ وہاں سے روضہ اقدس کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور پانچ سال جوار رسولؐ میں زندگی بسر کی اور روضہ مطہرہ کے مجاور بن کر ذکر و فکر میں گذارے۔ اسی مدت میں حضرت مولانا شیخ کمال الدین محمد یمنیؒ سے جو اپنے دور کے جلیل القدر محدث تھے۔ اور جنہوں نے پچھلے ترپن سال تک حرم نبوی کی مجاوری کی تھی' حدیث پڑھی۔ ہر سال حج کے موقعہ پر مولانا کے ہمراہ مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے اور حج کے بعد مدینہ طیبہ واپس لوٹ آتے۔ جب حدیث کا علم ازبر کر لیا تو رسم کے مطابق مولانا سے حدیث پڑھانے کی سند حاصل کی۔ حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد روضہ اقدس کے پاس تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن کیلئے مجاہدہ شروع کیا۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران حضرت شیخ الاسلام حرم شریف میں قبہ مبارک کے دائیں جانب ایک خاص مقام پر معتکف رہا کرتے تھے جو بعد میں آپ سے منسوب ہو گیا تھا۔

مدینہ منورہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے اور انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل کی قبور کی زیارت کی۔ اس کے بعد دمشق پہنچے۔ یہاں شہر کے باہر ایک خوفناک اژدہا رہتا تھا جو بے شمار آدمیوں کو ہلاک کر چکا تھا۔ جب آپ وہاں سے گزرے تو اژدھا نے آپ پر حملہ کیا' حضرت نے اپنی چادر اس پر دے ماری۔ اژدھا مر گیا۔ اس نامراد نے بے شمار آدمیوں کی جان لی تھی جب یہ خبر شہر میں پہنچی تو لوگ جوق در جوق زیارت کو حاضر ہوئے۔ پانچ سال تک دمشق تک علماء اور

مشائخ آپ کے آگے زانوئے تلمذ اختیار کر کے استفادہ کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے سمرقند کا رخ کیا۔

ایک درویش سے ملاقات

ملفوظ حضرت سید جلال الدین" بخاری میں لکھا ہے کہ "حضرت جلال الدین" " اور حضرت غوث بہاء الحق زکریا" ایک دن بیٹھے تھے۔ اور سلوک کی حکایات ہو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں نواح سمرقند میں مقیم تھا۔ اس مقام میں ایک غار تھی۔ اس میں ایک درویش و اصلان حق میں سے دیکھا گیا جو عالم استغراق میں تھا۔ میں اس کی خدمت میں فیض حاصل کرنے کے واسطے جاتا رہا۔ پورے دو سال کے بعد وہ جوان ہوش میں آیا۔ میں آداب بجالایا۔ واصل بالا نے فرمایا "تیرا آنا مبارک ہو کہ بہت تکلیف اٹھائی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ درویشوں کی خدمت میں رہنے سے دونوں جہاں کی مرادیں ملتی ہیں" پھر فرمایا "شیخ بہاء الدین"! سنو تیس سال ہو چکے ہیں کہ یہ فقیر بحر تجلی میں مستغرق ہے اور آئندہ رونده کی کوئی خبر نہیں ہے آج تمہاری خاطر میرے دوست نے حکم دیا ہے کہ ہم کلام ہو کر اپنی حالت سے اطلاع دوں۔ اے عزیز یاد رکھ۔ کہ درویش کے واسطے صحبت مخلوق سے زیادہ اور کوئی چیز زیادہ مضر نہیں۔ جتنا کوئی مخلوق سے قریب تر ہو گا خالق سے دو تر ہو گا" یہ کہا اور جس مصلا پر بیٹھا تھا اسے میری طرف سرکایا۔ پاؤں دراز کیے اور کچھ روپیہ میرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا "زادراہ ہے۔ منزل دور کی ہے۔ اب تمہیں جانا چاہیے۔" ابھی یہ فقرہ پوری طرح سے ادا بھی نہ ہوا تھا کہ وہ درویش نظر سے غائب ہو گیا۔" (انوار غوثیہ ص ۲۸۔۲۷)

بغداد میں اور پیرو مرشد کے حضور

سمرقند سے بغداد تشریف لے آئے۔ بغداد میں حضرت پیران پیر اور دیگر اولیاء اللہ کے روضوں کی زیارت کے بعد حضرت شیخ الشیوخ ابو حفص شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے حلقہ اردات میں داخل ہو گئے۔ مرشد کی ایک ہی توجہ سے سارے حجاب ہٹ گئے اور وہ جلوہ نظر آیا جو ہزاروں برس کی عبادت سے بھی

نصیب نہیں ہوتا۔ اٹھارہ ہزار عالم بے حجاب دکھائی دینے لگے۔۔۔۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ نے دیکھتے ہی فرمایا "بہاء الدین! دس سال سے میں تیری راہ دیکھ رہا ہوں۔ بڑی انتظار کرائی تو نے۔!"

اب آپ خرقہ خلافت کے منتظر ہوئے کہ دیکھیں کب عطا ہوتا ہے۔ " حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ نے اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ روز قیام فرمایا تھا کہ ان کو پیرو دستگیر کی طرف سے ساری روحانی نعمتیں مل گئیں اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کیے گئے۔" (۹)

عطائے خرقہ کا واقعہ

کتابوں میں (۱۰) یہ واقعہ اس طرح تحریر ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے خانقاہ شیخ الشیوخ میں عالم رویا کے اندر یہ واقعہ دیکھا کہ ایک قصر عالیشان میں حضور سرور کائنات صلواۃ اللہ علیہ جلوہ افروز ہیں۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین حضور کے پائے مبارک پر سر رکھے ہوئے (بعض کتابوں میں لکھا ہے کے حضورؐ کے دائیں ہاتھ کی جانب ہاتھ باندھے کھڑے ہیں) اس گھر میں طناب درسی) پر چند خرقے لٹک رہے ہیں۔ اسی اثناء میں حضور پرنور رسالت پناہ علیہ السلام نے شیخ بہاء الدین زکریاؒ کو طلب فرمایا۔ حضرت شیخ الشیوخ نے شیخ بہاء الدین زکریاؒ کو ہاتھ سے پکڑ کر بارگاہ نبوت میں قدم بوس کرایا حضور رحمتہ اللعلمین ﷺ نے حضرت شیخ الشیوخ کو اشارہ فرمایا کہ ان فرقوں میں ایک خرقہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ پہنا دو۔ شیخ الشیوخ نے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت بہاء الدین زکریاؒ اس واقعہ کو خواب میں دیکھ کر نہایت مسرور ہوئے۔ اور خرقہ خلافت پانے کی امید آپ کے دل میں قوی تر ہو گئی۔ علی الصبح حضرت شیخ الشیوخؒ نے حضرت بہاء الدین زکریاؒ کو اندرون خانہ طلب فرمایا۔ آپ نے دیکھا کہ وہی مکان ہے اور ہر شے وہی ہے۔ جو شب کے خواب میں دیکھی تھی۔ حضرت شیخ الشیوخ مسند مبارک سے اٹھے اور وہی خرقہ جس کی طرف حضور سرور عالم نے شب کو اشارہ کیا تھا' اتار کر آپ کو پہنایا اور مبارک

سے ارشاد فرمایا "بابا بہاء الدین! یہ تمہیں آنحضرت ﷺ نے عطا فرمایا ہے میں درمیان میں صرف ایک واسطہ ہوں۔ خرقہ خلافت بغیر اذن حضور اکرم ﷺ کے کسی کو نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ گذشتہ رات تم کو خود دکھلایا گیا ہے"

خواجہ تاشوں کا رشک

جب شیخ بہاء الدین زکریاؒ کو حضرت شیخ الشیوخ نے خرقہ خلافت عطا فرمایا' تو اس پر دوسرے مریدوں میں چرچے ہوئے۔ انہوں نے شکایت کی کہ ہم ایک مدت سے خدمت میں ہیں مگر ہمیں وہ نعمت نہ ملی جو ایک ہندوستانی ایک قلیل مدت میں حاصل کر گیا۔ شیخ الشیوخ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں میں خرقہ خلافت کے متعلق رشک پیدا ہوا ہے۔ آپ نے بھری مجلس میں ارشاد فرمایا "تم لوگ تر لکڑی کی مانند ہو جس میں آگ بڑی مشکل اور دیر سے لگتی ہے۔ بہاء الدین زکریا خشک لکڑی کی طرح ہیں اور آگ خشک لکڑی کو جلد پکڑ لیتی ہے۔"(۱۱)

پھر سب کو بلا کر ایک ایک کبوتر دیا اور فرمایا۔ "اس کو ایسی جگہ پر ذبح کر کے لاؤ۔ جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔" سب مرید روانہ روانہ ہو گئے۔ حضرت شیخ بہاء الدین بھی کبوتر ہاتھ میں لے کر پیر طریقت کے مطابق مقام تلاش کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد باقی سب مرید کبوتر ذبح کر کے لے آئے۔ مگر حضرت شیخ بہاء الدینؒ اسی طرح کبوتر واپس لائے۔ ان کو دیکھ کر دوسرے درویشوں نے سمجھا کہ آج ضرور پیر طریقت ان پر ناراض ہوں گے۔ جب سب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دریافت فرمایا میاں بہاء الدینؒ! "تم نے کبوتر کو ذبح کیوں نہیں کیا؟" حضرت شیخ نے دست بستہ عرض کیا: "قبلہ! آپ نے ارشاد کیا تھا کہ ایسی جگہ ذبح کرنا جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو۔ زمین و زماں ہر ایک مکاں پر نظر کی' کوئی جگہ نہ تھی' جہاں وہ قادر مطلق نہ دیکھ رہا ہو۔ جب شرط پوری نہ ہوئی تو میں کیونکرے عمل کرتا۔" جواب سن کر شیخ دوسرے درویشوں کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور حضرت شیخ الاسلامؒ کو شاباش دی۔ سب نے سر جھکا لیے۔

چند روز کے بعد حضرت شیخ الشیوخ نے پھر درویشوں کے شک کو رفع

کرنے کے لیے حکم دیا کہ سب چلے جاؤ اور جنگل سے گھاس کا پشتارہ لے آؤ تاکہ خانقاہ کے صحن میں بچھایا جائے۔ سب درویش جنگل سے نرم نرم سبز گھاس کاٹ کر لے آئے۔ حضرت زکریاؒ خشک گھاس جمع کر کے لائے۔ درویشوں نے جب یہ دیکھا تو آپس میں کہا کہ آج ضرور پیر طریقت ان پر ناراض ہوں گے۔ کیونکہ ہم سبز گھاس لائے ہیں اور یہ بیکار خشک گھاس لے آئے ہیں۔ حضرت شیخ الشیوخ نے آپ سے پوچھا "تم ہری گھاس کیوں نہیں لائے؟" آپ نے عرض کی: "غریب نواز! جنگل میں تر گھاس تو بہت تھی مگر جس مقام پر گیا اسے یادالٰہی میں مصروف پایا۔ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ اسے یاد الٰہی سے محروم کر دوں۔ چونکہ خشک گھاس ذکر اللہ سے فارغ تھی اس لیے کاٹ لایا۔ تاکہ ارشاد حضور پر نور میں کوئی قصور سرزد نہ ہو۔ کام بھی ہو جائے اور نقصان بھی نہ ہو۔"

یہ جواب سن کر سب درویش حیران رہ گئے۔ حضرت شیخ الشیوخ نے فرمایا: "اے درویشو! اس ہندوستانی درویش پر رشک نہ کرو کہ یہ اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ گیا ہے۔ ابھی تمہیں اس کے مرتبہ تک رسائی نہیں ہے۔ تمہارے مدارج کی انتہا اس درویش کے مدارج کے ابتدا کے برابر ہے۔ (انوار غوثیہ ص ۳۴۔ ۳۳)

دین و دنیا پر قبضہ

ایک دن حضرت شیخ الشیوخ نے حضرت کو طلب فرمایا۔ ایک کٹا ہوا انار حضرت کے ہاتھ میں تھا' دے کر فرمایا کہ کھا لیجئے۔ جب شیخ الاسلام نے وہ انار لیا' اس میں سے ایک دانہ گر پڑا۔ آپ نے فوراً" اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ شیخ الشیوخ نے فرمایا "بہاء الدین! یہ دانہ دراصل دنیا تھی۔ میں نے چاہا کہ تم اس کے جھمیلے میں نہ پڑو۔ اس لیے عمداً" گرا دیا تھا۔ لیکن تم اٹھا کر کھا گئے۔ اب دین و دنیا دونوں تمہارے قبضے میں ہیں۔" (۱۲)

اس کے بعد فرمایا کہ اب تم ملتان جا کر سکونت اختیار کرو۔ اس ملک کے باشندوں کی ہدایت تمہارے سپرد کی گئی ہے۔ حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتان تشریف لے آئے۔

روانگی ملتان

"پیر و مرشد سے فیض باطن اور خرقہ خلافت حاصل کر کے اپنے پیر کی اجازت سے ملتان کیلئے روانہ ہوئے(۱۳) تو حضرت جلال الدین تبریزیؒ بھی حضرت شیخ الشیوخ سے اجازت لے کر آپ کے ہمراہ ہو گئے جب یہ بزرگ نیشاپور تشریف لائے تو وہاں حضرت فرید الدین عطارؒ کی خدمت میں ملاقات کیلئے حاضر ہوئے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے دریافت فرمایا کہ درویشی میں کس کو بہتر پایا؟ حضرت جلال الدین تبریزی نے جواب دیا: "شیخ فرید الدین عطار کو۔" حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے دریافت فرمایا۔ "ان سے کیا گفتگو رہی؟" حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے فرمایا۔ "حضرت فریدالدین عطار نے مجھے دیکھتے ہی دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا؟" میں نے جواب دیا "بغداد میں آیا ہوں۔" پھر سوال کیا کہ وہاں کون درویش " مشغول بحق" ہے؟ میں خاموش رہا۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے پوچھا کہ آپ نے اپنے مرشد حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کا ذکر کیوں نہ کیا؟ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے جواب دیا کہ میرے دل پر حضرت شیخ فریدالدین عطار کا اس قدر رعب چھایا کہ میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کو بھول گیا۔ یہ جواب سن کر حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کو بہت رنج ہوا۔ فرمایا' "جس کا ذہن اپنے مرشد کے معاملے میں سہو کا شکار ہو سکتا ہے۔ اس سے ہم کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے علیحدہ ہو کر ملتان کو چل پڑے اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ خراسان کی طرف چلے گئے اور شمالی ہندوستان کے راستے بنگال تشریف لے گئے۔"(۱۶)

○

حواشی

۱۔ "خم خانہ تصوف" ص ۴۴۔ "اخبار الصالحین" (ص ۲۹۸) میں ہے کہ آپ کی دو نسبتیں، ابو محمد، ابوالبرکات ہیں۔

۲۔ ذکر جمیل ص ۱۳۔

۳۔ خم خانہ تصوف۔ ص ۴۴۔

۴۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی (نور احمد فریدی) ص ۴۱۔

۵۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی (نور احمد فریدی) ص ۴۳۔

۶۔ سیرالعارفین (اردو ترجمہ) ص ۱۴۴۔

۷۔ تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی از نور احمد فریدی لاہور۔ ص ۴۳۔

۸۔ (i) مقالات دینی و علمی (جلد اول) مولوی محمد شفیع، (ii) تاریخ فرشتہ۔

۹۔ تذکرہ اولیائے کرام ص ۶۷۔

۱۰۔ سیرالعارفین ص ۱۴۷، انورار غوثیہ ص ۳۱۔

۱۱۔ اسرار الاولیاء ص ۴۹، فوائد الفواد ص ۱۱۹۔

۱۲۔ انوار غوثیہ ص ۷۴۔

۱۳۔ (ا) "شیخ الشیوخ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو وداع کیا اور رخصت کے وقت فرمایا کہ ملتان میں جاکر سکونت کرو۔ اس ملک کے باشندوں کی ہدایت تم سے رجوع ہوئی ہے۔ (بحوالہ تذکرہ مشائخ کرام یعنی تاریخ فرشتہ مولفہ حکیم محمد قاسم فرشتہ، ص ۱۳۲ مطبوعہ احسن برادرز لاہور ۱۹۶۵ء)

۱۴۔ سیرالعارفین ص ۲۴۵، اخبار الاخیار ص ۱۰۴۔

۱۵۔ "انوار غوثیہ" میں لکھا ہے "اسلامی ممالک کے سفر سے واپسی پر صوبہ سرحد کی ایک پہاڑی پر کچھ عرصہ تنہائی میں عبادت کی جسے اب کوہ شیخ بودین (کوہ شیخ بہاء الدیں) کہتے ہیں۔"

○

تیسرا باب

تصوف

لغوی اعتبار سے تصوف اور صوفی کی اصل "صوف"(۱) ہے۔ لیکن اس سے ملتی جلتی آواز والے بعض الفاظ جیسے صفہ' صفا اور صوفہ(۲) وغیرہ سے بھی صوفی کو مشتق بتایا جاتا ہے ان الفاظ سے لفظ "صوفی" کو صرف صوتی مناسبت ہی نہیں بلکہ صوفیانہ زندگی کے بعض پہلوؤں کا ان سے معنوی ربط بھی ہے پھر بھی ایک صوفی کی مکمل شناخت اور تصوف کے حقیقی مفہوم کے لیے یہ الفاظ بہت ہی ناقص محدود اور ناکافی ہیں۔

۱۔ صوف اہل تصوف کا پسندیدہ لباس رہا ہے۔ شیخ ابونصر سراج طوسی فرماتے ہیں کہ انبیاء و صدیقین اسی لباس میں رہتے تھے۔ چنانچہ زاہدوں اور عابدوں نے بھی اسے اختیار(۳) کیا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کا بیان ہے کہ ہمیشہ سے زاہدین و عابدین اور صالحین و متقین کو صوف کا لباس مرغوب رہا ہے۔(۴) کلاباذی کہتے ہیں کہ: الصوف لباس الانبیاء وزی الاولیاء(۵) صوف انبیاء کا لباس اور اولیاء کا پہناوا ہے۔

شیخ علی بن عثمان ہجویری نے صوف پوشی کو صوفیوں کا شعار بتایا ہے اور اسے سنت رسول ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔(۶) اس ضمن میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے:

علیکم بلباس الصوف تجلون حلاوۃ الایمان فی قلوبکم۔(۷)

صوف کا لباس پہنو' اپنے دلوں میں ایمان کی حلاوت پاؤ گے۔

اہل تصوف کا عام خیال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور اجل صحابہ و تابعین خصوصیت کے ساتھ صوف کا لباس پہنتے تھے۔(۸) صوف پوشی کی حد درجہ وسیع

ثابت کرنے کے لیے شیخ سہروردی نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے حوالہ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ہم کلامی کا شرف بخشا اس روز آپ صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے اور آپ کی ازار اور چادر بھی صوف ہی کی تھی۔(۹) اس لباس کی تعریف میں شیخ ہجویری نے شاعرانہ انداز اختیار کیا ہے۔ ان کے خیال میں یہ اہل صفا کے لیے وفا کی قمیص ہے جسے پہن کر وہ دونوں جہاں سے بے تعلق ہو جاتے ہیں۔

ایک طرح سے اس لباس کو دنیا کے متعلق صوفیانہ نقطہ نظر کی ایک علامت بھی کہا گیا ہے کیونکہ تصوف میں دنیا کا جو تصور ہے اس طرف یہ لباس اشارہ کرتا ہے۔ کلا بازی فرماتے ہیں کہ صوفیہ نے ستر پوشی اور بھوک مٹانے کے لیے دنیا سے صرف اتنا ہی لیا کہ اس سے کم لینا جائز نہ ہوتا۔(۱۱) جسم کے حق میں تصوف کا یہ رویہ زندگی کو ایک صوفی کے لیے تنگ تر اور سخت بنا کر رکھ دیتا ہے۔ یہ تنگی اور سختی ظاہری طور پر اس کے لباس سے نمایاں ہے۔

تصوف میں پیوند زدہ لباس کو خاص اہمیت حاصل ہے یہاں تک کہ پیوند لگانے اور گدڑی سینے کو آداب فقیری میں شامل کیا گیا ہے۔

صوفیہ کے اس مشہور لباس کی فضیلت، جیسا کہ اہل تصوف کے قول و فعل سے ظاہر ہے، علماء حدیث کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے کسی قول و عمل سے ثابت نہیں۔ بلکہ حضرت سفیان ثوری نے اس لباس کو بدعت کہہ کر ایک صوفی کو تنبیہہ کی اور حضرت عبداللہ بن مبارک نے اسے ناگوار خاطر بتایا۔ محمد بن سیرین کو جب معلوم ہوا کہ کچھ لوگ صوف پوشی کو ترجیح دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت مسیحؑ سے مشابہت اختیار کی ہے تو انھوں نے فرمایا کہ اپنے پیغمبر کا طریقہ ہمیں زیادہ محبوب ہے، آپ سوتی کپڑا پہنتے تھے۔(۱۴) خود اہل تصوف میں سے بعض کے نزدیک اس لباس کی کوئی اہمیت نہیں۔ ایک بزرگ محمد بن زکریا کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کبھی صوف نہیں پہنتے تھے حالانکہ ان کا شمار علماء حقیقت و طریقت کے محققین میں ہوتا تھا۔(۱۵) شیخ ہجویری نے بھی ایک جگہ اسے چوپایوں کا لباس بتایا ہے۔(۱۶) انہیں اس لباس کی تحقیر پر اس لیے مجبور ہونا پڑا کہ بہت سے غیر

صوفی محض اظہار زہد کے لیے بطور فیشن اسے پہننے لگے تھے ورنہ اس کی توقیر میں بے شمار اخبار و روایات تصوف کی کتابوں میں منقول ہیں۔(۱۷)

تاریخی حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ صوفیہ نے یہ لباس عیسائی راہبوں سے لیا تھا چنانچہ مسلمان اسے "زی الرہبان" کہتے تھے۔(۱۸) اور اسے پہننا تشبہ کے حکم میں داخل سمجھتے تھے جیسا کہ حماد بن سلمٰی نے فرقدالسنجی کی صوف پوشی پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "دع عنک نصرانیتک ھذہ"(۱۹) (اپنے بدن سے یہ نصرانیت ہٹاؤ)۔

شیخ ابوالحسن علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش (متوفی ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۷۳ء) اپنی کتاب کشف المحجوب میں رقم طراز ہیں کہ لوگوں نے اسم صوفی کی تحقیق میں بہت سے اقوال بیان کیے ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اہل تصوف کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ صوف کا لباس پہنتا ہے۔ دوسرے گروہ کے خیال میں اس کو صوفی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ برگزیدگی میں صف اول میں ہوتا ہے۔ تیسرے کی رائے میں اس کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ سے محبت کرتا ہے۔ چوتھے کا نظریہ یہ ہے کہ لفظ صوفی صفا سے مشتق ہے۔ آگے چل کر ہجویری لکھتے ہیں کہ صفائی سب امور میں محمود ہے اور اس کی ضد کدورت ہے۔ چونکہ اہل تصوف نے اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب بنا لیا ہے' اور طبیعت کی کدورتوں سے پاک و صاف ہو گئے ہیں اس لیے ان کو صوفی کہا جاتا ہے۔

اس اقتباس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت ہجویریؒ کے خیال میں تصوف صفا سے مشتق ہے اور تصوف کا عامل یعنی صوفی وہ ہے جس نے مسلسل مجاہدات اور پیہم ریاضیات کے ذریعے قلب کی صفائی کر لی ہو۔ لہٰذا صفائے قلب ہی حقیقت میں وہ شے ہے جس کی بدولت انسان اللہ تعالٰی کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ انسان کا جملہ اعمال کا دار و مدار صفائے قلب ہی پر ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ (ترجمہ) بلاشک جسم کے اندر ایک ایسا ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو (رہتا ہے) تو تمام جسم درست ہے اور جب وہ فاسد ہو تو سارا جسم فاسد ہے۔ یاد رکھو وہ قلب ہے۔ معنوی اعتبار سے اگرچہ حضرت ہجویریؒ کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے لیکن

لسانی اعتبار سے صحیح نہیں کیونکہ صفا سے جو لفظ مشتق ہو گا وہ صوفی نہیں بلکہ صافی ہو گا۔ پس یہ رائے کہ تصوف صفا سے مشتق ہے، محل نظر ہے۔

صوفیہ کو اصحاب صفہ سے مشابہت بھی دی گئی ہے۔ شیخ ہجویری ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اس بات پر اجماع امت ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کچھ لوگ مسجد نبوی میں مستقل بود و باش رکھتے تھے۔ عبادت ہی ان کا مشغلہ تھا اور کاروبار حیات سے انھیں کوئی لگاؤ نہ تھا۔ انھوں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی یہاں تک کہ کھانے کمانے سے بھی احتراز کرتے تھے۔ انہیں کے سلسلہ مین خدائے عزوجل نے پیغمبر ﷺ پر عتاب فرماتے ہیں کہا کہ "لا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھه"

شیخ سہروردی کا بھی یہی کہنا ہے کہ آیت مذکورہ اصحاب صفہ کی شان میں نازل ہوئی۔(۲۰) شیخ ابونصر سراج طوسی اور شیخ سہروردی نے اس آیت کے علاوہ "واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم"(۲۲) اور "عبس و تولی ان جاءہ الاعمی"(۲۳) کو بھی اہل صفہ ہی کے سلسلہ میں وارد بتایا ہے۔(۲۴) حالانکہ یہ آیات مدینہ میں نہیں مکہ میں نازل ہوئی تھیں۔ اس وقت تو صفہ کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔

امام ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ صفہ مسجد نبوی میں ان غیر مستطیع اور نادار مہاجرین کے لئے بنایا گیا تھا جن کا کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا اور نہ مدینہ میں ان کے اعزہ و اقارب ہی رہتے تھے جن کے یہاں وہ قیام کرتے۔(۲۵) ہجرت کے ابتدائی دنوں میں ایسے ہی ہنگامی حالات تھے۔ بعد میں جن لوگوں کو کہیں جائے رہائش مل جاتی تھی وہ صفہ چھوڑ دیتے تھے۔(۲۶) یہی وجہ ہے کہ ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔(۲۷) صاحب حیثیت مسلمان ان کی اعانت کے لئے کچھ چیزیں لے جا کر انہیں دے آتے تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ ان کی ہر طرح دل جوئی اور غم خواری کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں اہل صفہ میں شامل تھا جب شام ہوتی تو ہم رسول اللہ کے دروازہ پر حاضر ہوتے۔ آپ لوگوں کو ہمیں اپنے ساتھ لے جانے

کے لیے کہتے۔ ہر شخص ہم میں سے کسی نہ کسی کو ساتھ لے جاتا تھا۔ جو بچ جاتے انہیں رسول اللہ ﷺ کھانے میں شریک کر لیتے تھے۔(۲۸) لیکن جب مسلمانوں کو فتح و نصرت ملی اور فراوانی آئی تو انہوں نے صفہ چھوڑ دیا اور ان میں سے بعض صاحب جائداد بھی ہو گئے۔ اصحاب صفہ کے بارے میں شیخ شہاب الدین سہروردی کا یہ کہنا ہے کہ وہ تارک الدنیا ہو گئے تھے' نہ کھیتی کرتے تھے اور نہ دودھ کے جانور پالتے تھے۔(۲۹) لیکن ان کی غربت اور تنگ حالی اگر اختیاری ہوتی اور انہوں نے ارادتاً ایسا کیا ہوتا تو ان کے متعلق "لایستطیعون ضربا فی الارض"(۳۰) کہہ کر ان کی عدم استطاعت کو ظاہر نہ کیا جاتا اور ان کے اوپر مال دار مسلمانوں کو خرچ کرنے کی ترغیب نہ دی جاتی۔(۳۱)

بعض محققین کا خیال ہے کہ تصوف صف سے مشتق ہے۔ کیونکہ اہل تصوف کو بارگاہ ایزدی قبولیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور وہ خدا کے حضور صف اول میں شمار ہوتے ہیں۔ معنی کے اعتبار سے خواہ یہ رائے درست ہو لیکن لغت کے لحاظ سے یہ بھی درست نہیں کیونکہ صاحب تصوف کو اگر صف کی طرف نسبت ہو گی تو وہ صفی ہو گا صوفی نہیں۔

بعض محققین کی تحقیق یہ ہے کہ تصوف کا حامل یعنی صوفی صفہ سے نسبت رکھتا ہے۔ اگرچہ صوفیانہ زندگی کا اولین نمونہ ان بندگان خدا میں ملتا ہے لیکن لفظ تصوف کی نسبت ان کی طرف درست نہیں۔ کیونکہ اگر یہ نسبت درست ہوتی تو صاحب تصوف کو صفی ہونا چاہیے تھا نہ کہ صوفی۔

علامہ لطفی جمعہ اپنی کتاب تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں بیان کرتے ہیں۔ کہ کلمہ صوفی تھیوسوفیا سے مشتق ہے جو یونانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی حکمت الٰہی کے ہیں۔ اس اشتقاق کی رو سے صوفی سے مراد وہ حکیم ہے جو حکمت الٰہی کا طالب ہو اور ہمیشہ اس کے حصول میں کوشاں رہے۔

ابوریحان البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ مطابق ۱۰۴۸ء) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف کتاب الہند میں لکھتے ہیں کہ تصوف کا لفظ اصل میں سین سے تھا اور اس کا مادہ س۔ و۔ ف یعنی سوف تھا جو یونانی زبان میں حکمت کے معنی میں آتا ہے۔

دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا۔ اور چونکہ حضرات صوفیہ میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا اس لیے لوگوں نے ان کو سونی یعنی حکیم کہنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ سونی سے صوفی ہو گیا۔" کوئی شک نہیں کہ لفظ "صوفی" کی یہ توجیہ سب سے زیادہ معقول اور قابل تسلیم ہے!

اوائل اسلام میں "تصوف" یا "صوفی" لفظ کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کو اعتراف ہے کہ یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہ تھے۔(۳۳) امام قشیری کے بیان کے مطابق لفظ "صوفی" دوسری صدی ہجری کے اختتام سے کچھ قبل رائج ہوا۔(۳۴) اس سے ملتی جلتی رائے ابن خلدون کی بھی ہے۔(۳۵) اور اسی پر علماء تحقیق کا اتفاق ہے لیکن شیخ ابونصر سراج طوسی نے اس سے مختلف رائے ظاہر کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت حسن بصری (وفات ۱۱۰ھ / ۷۲۸ء) کے زمانہ میں صوفی لفظ مستعمل تھا۔(۳۶)

آنحضرتؐ کے زمانے میں اگرچہ لفظ صوفی نظر نہیں آتا۔ غالباً" اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت صحابی سے بڑھ کر اور کوئی لفظ معزز نہ تھا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اہل بغداد نے سب سے پہلے یہ لفظ اختیار کیا۔ حسن بصریؒ اور سفیان الثوریؒ کے عہد میں بھی یہ لفظ رائج تھا اور تاریخ مکہ میں محمد بن اسحاق اور دوسرے لوگوں کی سند سے روایت کی گئی ہے کہ یہ لفظ ظہور اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔

میسینون کی تحقیق یہ ہے کہ لفظ صوفی تاریخ میں سب سے پہلے دوسری صدی ہجری کے نصف آخر میں جابر بن حیان کوفی (حدود ۷۷۶ء) اور ابوالہاشم کوفی (وفات ۱۶۰ھ / ۷۷۷ء) کے لئے استعمال ہوا اور اس کی جمع "صوفیہ" ۱۹۹ھ / ۸۱۴ء کے قریب رائج ہوئی۔(۳۷) ابوالہاشم کوفی کو اولیت کا ذکر مولانا جامی نے بھی کیا ہے، فرماتے ہیں:

اول کسے کہ وے را صوفی خواندند دے بود و پیش از وے کسے را بایں نام نخواندہ بودندہ۔(۳۸)

سب سے پہلے جسے لوگوں نے صوفی کہا وہی تھے۔ ان سے پہلے کسی کو اس

نام سے نہیں پکارا گیا تھا۔

حاجی خلیفہ نے یہی رائے ظاہر کی ہے۔(۳۹) امام سیوطی کے نزدیک ابوالہاشم کوفی وہ پہلے شخص ہیں جنہیں صوفی کہا گیا اور انہیں نے سب سے پہلے علم قلوب پر لب کشائی کی۔(۴۰) ابوالہاشم کوفی کے معاصر جابر بن حیان کے نام کے ساتھ بھی صوفی کا لفظ جڑا ہوا ہے یہاں تک کہ اسے جابر بن حیان الصوفی کہا ہی جاتا تھا۔(۴۲) لیکن اس کا ذکر ایک صوفی کی حیثیت سے عام طور پر اس لئے نہیں کیا جاتا کہ وہ اصلاً" کیمیا گر تھا اور شیعہ عقائد رکھتا تھا۔ اس سے بحث نہیں کہ دونوں میں سب سے پہلے کس پر اس کا اطلاق ہوا' قابل ذکر بات یہ ہے کہ دونوں کا تعلق کوفہ سے تھا جو شیعیت کا مرکز رہا ہے۔ یہیں سب سے پہلے صوفی لفظ کا استعمال ہوا اور اس کی جمع "صوفیہ" بھی یہیں کے نیم شیعی مسلمانوں کی ایک جماعت لئے استعمال ہوئی جس کا آخری امام عبدک الصوفی (وفات ۲۱۰ھ/۸۲۵ء) تھا۔ وہ تارک اللحم تھا اور حضرت علیؓ کی امامت اور ان کے حق وراثت کا قائل تھا۔(۴۲) دوسری طرف بصرہ میں حضرت حسن بصری کے شاگرد عبدالواحد بن زید (وفات ۱۷۷ھ/۷۹۳ء) جنہیں شیخ الصوفیہ کہا جاتا ہے'(۴۳) کے بعض اصحاب نے پہلے صوفی حلقہ کی بنیاد ڈالی۔(۴۴) عبدالواحد بن زید کا نام امام غزالی اور کلا باذی وغیرہ نے ان کے حضرت حسن بصری سے علم باطن کی روایت کرنے کے ضمن میں لیا ہے لیکن وہ علماء رجال کے نزدیک متروک ہیں۔(۴۵) امام بخاری نے بھی ان کے متروک ہونے کا ذکر کیا(۴۶) اور جوزجانی نے انہیں "سیئ المذہب" کہا ہے۔(۴۷) بہرحال تصوف کا آغاز عالم اسلام کے انہیں دو مشہور شہروں یعنی کوفہ اور بصرہ سے ہوا۔ کوفہ پر مانی کے فکر کا اثر تھا اور بصرہ پر ہندوستانی علم و فکر کا۔ مانی کے مذہب میں عشق خداوندی کے عناصر پائے جاتے ہیں جب کہ ہندوستانی فلسفہ میں سارا زور ترک و تیاگ پر ہے۔

لفظ "صوفی" جو دوسری صدی ہجری کے اختتام تک غیر مروج رہا اسے مستقلاً" اپنے لئے مخصوص کر لینے اور اس نام سے ایک علیحدہ جماعت قائم کرنے کی وجہ اہل تصوف کی طرف سے عام طور پر یہ بتائی جاتی ہے کہ جناب رسالتماب کے

زمانہ میں آپ کے ساتھیوں کو صحابہ کہتے تھے کیونکہ انہیں آپؐ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ چنانچہ اس تعلق اور نسبت کی طرف اشارہ سب اشاروں سے اولی و افضل تھا۔ عہد رسالت کے بعد جن لوگوں نے صحابہ سے کسب فیض کیا انہیں تابعی کہا گیا۔ ان کے بعد پرہیز گارانہ زندگی گذارنے والوں کو زاہد کہا جاتا تھا۔ لیکن جب زمانہ رسالت کو گذرے ایک عرصہ ہو گیا وحی آسمانی بند ہو گئی، نور مصطفوی چھپ گیا اور رائیں مختلف ہو گئیں، ملت اسلامیہ فرقوں میں بٹ گئی اور لوگ ہوائے نفسانی میں گرفتار ہو گئے جہالتیں غالب آگئیں اور زاہدین و متقین کے عزائم ٹوٹ گئے تو ایک گروہ سب سے الگ ہو گیا۔ ان کے اعمال صالح اور احوال روشن تھے۔ صدق ان کی عزیمت میں اور قوت ان کے دین میں تھی۔ انہوں نے گوشہ نشینی اور تنہائی کو غنیمت جانا، اپنے اخلاق و معاملات کو پاکیزہ اور اپنی طبیعت کو دنیاوی خواہشات سے منزہ کیا اس لیے انہیں صوفی کہا جانے لگا۔ اس نام سے وہ خود بھی موسوم ہوئے اور دوسروں کو بھی انہوں نے اسی نام سے پکارا۔ غرض یہ کہ اسم صوفی ان کی نشانی ہے، علم الٰہی ان کی صفت ہے اور عبادت ان کا حلیہ ہے۔(۴۸) اس توجیہی بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابی اور تابعی کی طرح صوفی بھی ایک علامتی لفظ ہے جسے ان لوگوں نے اپنی شناخت اور امتیاز کے لئے اختیار کیا جو پیغمبر ﷺ سے بعد زمانی کے باوجود ایمان و عمل کے اسی بلند تر معیار پر قائم رہنے کے لیے کوشاں تھے جسے صحابہ نے پیش کیا تھا۔ شیخ سہروردی فرماتے ہیں:

"حق تعالیٰ نے اہل خیر و صلاح کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا تو ایک کو ابرار اور دوسرے کو مقربین کہا۔ ان میں سے بعض کا صابرین و صادقین اور ذاکرین و محبین نام رکھا۔ یہ جس قدر متفرق نام مذکور ہیں ان سب کو صوفی لفظ شامل ہے۔"(۴۹)

اگر یہ بات صحیح ہے تو ایک صحابی اور ایک صوفی کی زندگی میں باعتبار مجموعی مماثلت ہونی چاہیے اور ایک صوفی کو دیکھ کر کسی صحابی کی یاد تازہ ہو جانی چاہیے۔ لیکن کیا فی الواقع ایسا ہے؟ بلاشبہ آنحضورؐ کی صحبت صحابہ کا امتیازی شرف ہے۔ لیکن یہ شرف صحبت محض نام کا نہیں بلکہ سمع و طاعت میں ان کی سبقت، ایمان کی

سخت ترین آزمائشوں میں ان کی استقامت اور کار نبوت میں پیغمبرؐ کی معاونت کی وجہ سے ہے جیساکہ قرآن کی متعدد آیتیں اس پر شاہد ہیں۔(۵۰) یہ وہ لوگ تھے جو اپنے ہر عمل سے اپنے ایمان کی صداقت کا ثبوت دینے میں پیش پیش رہے پھر بھی اپنے اعمال کو ذرہ برابر اہمیت دینے کے لیے بجائے آخرت میں ان کی جواب دہی کے خوف سے لرزاں رہتے تھے' نجات کے لیے اللہ سے امید باندھے ہوئے پھر بھی اپنے آخری انجام کے سلسلہ میں متفکر' رسول اللہ ﷺ سے قربت و رفاقت کے باوجود نہ خود کو ابرار و اخیار سمجھنے والے اور نہ خدا کی طرف سے مقربین و صادقین اور صالحین کا لقب پا کر اپنی برتری کا دعویٰ کرنے والے اپنے تمام اعمال و افعال سے خود کو ان کا مصداق ثابت کرنے کی انتہائی کوششوں کے باوصف خود کو ان کا مصداق نہ سمجھنے والے۔ ایک طرف اللہ کے برگزیدہ بندوں کا یہ حال اور دوسری طرف اہل تصوف کے اپنوں کے حق میں یہ دعوے کہ

"صوفیہ نے انواع عبادات' حقائق طاعات اور اخلاق جمیلہ سے جن درجات عالیہ اور منازل رفیعہ کو طے کر لیا اور ان کے معانی میں انہیں ایک طرح کی خصوصیت حاصل ہو گئی' وہ علماء فقہاء اور محدثین کی رسائی سے باہر ہے۔" (کتاب اللمع ص ۱۰۔ ۱۱)

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ بندگی کے خطابات کے بجائے اپنے لیے ایک نیا لفظ "صوفی" اختراع کر کے اور خود کو ایسی خصوصیات کا حامل قرار دے کر جو علماء فقہاء اور محدثین کی رسائی سے باہر ہے انہوں نے سب پر اپنی فوقیت جتانے کی کوشش کی حالانکہ کسی فرد یا جماعت کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں کہ جو بات خدا کے کہنے اور اس کے متعین کرنے کی ہوا سے وہ خود اپنی طرف سے متعین کرنے کی کوشش کرے۔ انبیاء و مرسلین اور صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی اپنی برتری کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ کہنے کا حق تو صرف خدا کو ہے اور وہی دلوں کے بھید کو جانتا ہے۔

ڈاکٹر ابوسعید نورالدین اپنے مقالے "اسلامی تصوف اور اقبال" میں مصارع العشاق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ لفظ صوفی کا رواج پہلی صدی ہجری مطابق ساتویں صدی عیسوی میں ہو چکا تھا۔ امیر معاویہ نے جن کا دور خلافت ۴۱ھ تا

۶۰ھ مطابق ۶۶۱ تا ۶۸۰ ہے۔ اپنے ایک شعر میں یہ لفظ استعمال کیا ہے:

قد کنت تشبه صوفیا له کتب　　　من الفرائض اور آیات فرقان

ترجمہ = حالانکہ تو ایسے صوفی سے مشابہت رکھتا تھا جو فرائض اور احکام دین کی کتابوں کا مالک ہے۔

واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ بنی عذرۃ کا ایک جوان ایک دن امیر معاویہ کے پاس آیا اور فریاد کرنے لگا کہ اپ کے عامل ابن ام الحکیم نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔ میں نے اپنی چچا زاد سے شادی کی تھی۔ کسی بات پر بیوی سے اختلاف ہو گیا۔ میں آپ کے عامل کے پاس گیا اور شکایت کی۔ اس نے صلح صفائی کرانے کا وعدہ کر لیا۔ لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ میری بیوی حسین ہے تو اس کے ماں باپ کو مال و دولت کا لالچ دلا کر خود ہی اس سے شادی کر لی۔ امیر معاویہ اس واقعہ کو سن کر بہت غصے ہوئے اور فورا" اس عامل کے نام ایک عتاب نامہ لکھ بھیجا جس کے آخر میں تین چار شعر بھی درج تھے۔ مذکورہ بالا شعر بھی ان میں شامل تھا۔

امام قشیری (متوفی ۴۶۵ھ، مطابق ۱۰۷۳ء) کی تحقیق یہ ہے کہ لفظ صوفی ۲۰۰ھ مطابق ۸۰۰ء سے کچھ پہلے مشہور ہوا۔ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد اس زمانے کے افاضل جس لقب سے یاد کئے جاتے تھے، وہ صحابہ تھا۔ کسی دوسرے لقب کی انہیں ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ صحابیت سے بہتر کوئی فضیلت نہ تھی۔ جن لوگوں نے صحابہ کی صحبت اختیار کی تھی وہ اپنے زمانہ میں تابعین کہلائے اور تابعین کے فیض یافتہ حضرات اپنے دور میں تبع تابعین کے ممتاز لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد زمانے کا رنگ بدلا اور لوگوں کے احوال و مراتب میں نمایاں فرق پیدا ہونے لگا۔ جن خوش بختوں کی توجہ دینی امور کی جانب زیادہ تھی ان کو زہاد اور عباد کے ناموں سے یاد کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد بدعات کا ظہور ہونے لگا اور ہر فریق نے اپنے زہد کا دعویٰ شروع کیا۔ زمانے کا یہ رنگ دیکھ کر خواص اہل سنت نے ابنائے زمانہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور ان ہی کو صوفی کے لقب سے پکارا جانے لگا۔

تصوف کی ابتداء جس طرح سے بھی ہوئی، اس نے پہلے ایک عمیق اور پرجوش عقیدت، اور پھر عشق و محبت کا روپ اختیار کیا۔ ایک صوفی کے نزدیک

برائی سے اجتناب اور نیکی کا ارتکاب اس لیے ضروری نہیں تھا کہ اس کے بدلے میں انسان سے جنت کا وعدہ کیا گیا تھا' بلکہ اس لیے کہ یہ اس عمیق اور ازلی محبت کا ایک ادنیٰ تقاضا تھا جو ایک بندے کو اپنے رب کے ساتھ ہونی چاہیے۔ بندے اور رب کی محبت کے تقاضے ابتدا میں کچھ دور تک تو شریعت اور تعلیمات دینی کے ساتھ ساتھ چلے' لیکن آگے جا کر یہ ان سے بچھڑ گئے۔ اور علم ظاہر اور علم باطن کی دوئی کے تصور نے جنم لیا۔ صوفیہ کے نزدیک علم کا ذریعہ نقل و روایت نہیں بلکہ وہ وجدان ٹھہرا جس کے ذریعے ایک بندے کو براہ راست "حقیقت مطلقہ" کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

تصوف کا مفہوم:

اب اکابر صوفیہ کے ان اقوال پر نظر ڈالنا چاہیے جو تصوف کے حقیقی معنی و مفہوم پر دلالت کرتے ہیں:

قاضی زکریہ انصاری رسالہ قشیریہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

"تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفوس اور اخلاق کی پاکیزگی اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال کی معرفت حاصل ہوتی ہے تاکہ ابدی سعادت کا حصول ہو۔"

اور علامہ قشیری متوفی ۴۶۵ھ اپنے رسالہ میں تصوف کے باب میں کہتے ہیں کہ ابو محمد الجریری (۵۱) سے تصوف کے بارے مین پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ:

"وہ (تصوف) ہر بہترین خلق سے آراستہ ہونے اور ہر بد خلقی سے کنارہ کشی اختیار کر لینے کو کہتے ہیں۔"

اور عمرو بن عثمان مکی (۵۲) سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ:

"بندے کا وقت کے اندر وہ کام کرنا جس کے انجام دینے کے لیے وہ وقت مقرر کیا گیا ہو۔ (یعنی وقت کے کام پر نگاہ رکھنا) تصوف ہے۔" اور محمد بن علی

القصاب(۵۳) کا قول ہے کہ

"تصوف ان اخلاق کریمہ کا نام ہے جو اچھے زمانے میں کریم النفس انسان سے اچھے لوگوں کے ساتھ برتے جائیں۔"

اور (ابوبکر محمد بن علی بن جعفر) کتانی (متوفی ۳۲۲ھ) کا قول ہے کہ

"تصوف خلق کا دوسرا نام ہے تو جو شخص تمہارے حق میں جتنا زیادہ بااخلاق ہو گا' اتنا ہی زیادہ وہ پاکیزگی میں بڑھا ہوا ہو گا۔" اور جریری کا قول ہے کہ

"تصوف (اپنے) احوال و اعمال کی نگرانی کرتے رہنے اور (اخلاق و آداب کا التزام رکھنے کا نام ہے۔"

اور مزین کا قول ہے کہ

"تصوف حق کے سامنے سر جھکا دینے کا نام ہے۔"

معروف کرخی فرماتے ہیں: تصوف حقائق کے حصول اور جو کچھ خلائق کہ ہاتھ میں ہے اس سے دست کش ہو جانے کا نام ہے۔(۵۴)

بشر بن الحرث الحافی کا کہنا ہے کہ "صوفی وہ ہے جو خدا کے ساتھ دل پاک صاف رکھے۔"(۵۵)

ذوالنون مصری کا بیان ہے کہ: صوفی جب بات کرتا ہے تو حقائق کی زبان سے اور جب خاموش رہتا ہے تو اس کے اعضاء بولتے ہیں علائق دنیوی سے اس کے علیحدہ ہو جانے کی بابت۔"(۵٦)

سہل بنؒ عبداللہ تستری فرماتے ہیں: صوفی وہ ہے جو بشری نقائص سے پاک اور فکر سے مملو ہو' انسانوں سے علیحدہ ہو کر خدا میں مشغول ہو اور اس کے نزدیک سونا اور مٹی برابر ہو۔(۵۷)

ابوالحسن نوری کہتے ہیں کہ: تصوف ان تمام چیزوں کو چھوڑ دینے کا نام ہے جو نفس کو مرغوب ہوں۔(۵۸)

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ: تصوف یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ رہو بغیر کسی اور سے تعلق رکھے۔(٦٠)

قاضی ذکریا رسالہ قشیریہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

"علم تصوف کا موضوع تزکیہ نفس، تصفیہ اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن ہے اور اس کی غایت ابدی سعادت کا حاصل کرنا ہے اور اس کے مسائل وہ ہیں جو اس علم کی کتابوں میں اس کے مقاصد کے طور پر مذکور ہیں۔" اور حافظ ابن الجوزیؒ "تلبیس ابلیس" ص ۱۷۳ میں فرماتے ہیں کہ:

"اس نام (صوفی) کا چلن اس گروہ کے لیے ۲۰۰ھ سے پہلے ہو گیا تھا، اور جب ان حضرات کے اولین نے تصوف کا اظہار کیا تھا تو اس کے معنی و مفہوم اور مدعا کی بابت مختلف طرح کی باتیں کہی تھیں اور اسکی صفت کی تعبیر میں بہت سے اقوال کہے تھے اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ تصوف ان کے نزدیک نام ہے نفس کی ریاضت کا اور طبیعت کو مجاہدہ کے ذریعہ اخلاق رذیلہ سے پھیر کر اخلاق جمیلہ سے آراستہ کر دینے کا، یعنی زہد و حلم، صبر و اخلاص اور صدق وغیرہ وہ محاسن اخلاق اور اچھی خصلتیں جن کا اکتساب دنیا میں بھی قابل مدح ہیں اور آکرت میں بھی باعث سعادت۔"

پھر علامہ ابن جوزی ردیم کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ

"عام لوگ تو رسوم لے کر بیٹھ رہے، مگر (صوفیہ کا) یہ گروہ حقائق تک پہنچا اور سب لوگوں نے تو اپنے نفوس کو ظواہر شرع سے درست کرنا چاہا اور اس گروہ نے اپنے نفوس کو حقیقت تقویٰ اور مداومت صدق سے درست کرنا چاہا۔"

ابو محمد ردیم کے خیال میں تصوف تین خصائل پر مبنی ہے: فقر پر ثابت و قائم رہنا، بذل و ایثار کو شیوہ بنانا اور مشیت الٰہی کو اپنے حق میں بہتر سمجھتے ہوئے اپنے ارادہ و اختیار کو چھوڑ دینا۔ (۶۱)

محولہ بالا اقوال میں جس بات کی تکرار بار بار ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اسباب دینوی، خواہشات نفس اور اپنے ارادہ و اختیار سے کلیۃً عاری و خالی ہو جانے ہی کا نام تصوف ہے اور یہی ترک تام تصوف میں حصول حقائق کی کلید ہے۔ یعنی جن چیزوں سے علیحدہ ہو جانے کا مطالبہ ہے وہ حقائق ضد اور حصول حقائق کی راہ میں سنگ گراں ہیں اس لیے انہیں ہٹائے بغیر مقصود حقیقی حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان "موانع" کو دور کرنے اور حقائق تک پہنچنے کے لیے صوفیہ نے جو چیز شعار کی اسے فقر

کہتے ہیں۔ دنیا میں تنہا یہی ایک چیز ہے جسے انہوں نے اختیار کیا جس طرح صوف پوشی کو اس کی ظاہری علامت کے طور پر انہوں نے اپنا شعار بنا لیا۔ چنانچہ تصوف کی تعبیر کے لیے اگر کوئی لفظ سب سے زیادہ موزوں ہو سکتا ہے تو وہ فقر ہی ہے کیونکہ یہ تصوف کی حقیقت سے قریب تر ہے۔

رسول خدا ﷺ کی فقیرانہ زندگی اور کثرت قیام و سجود' اور صحابہ کرام کا یہ رویہ خدا خوفی و پارسائی' نیز وہ حدیث قدسی کہ تم نماز اس طرح پڑھو جیسے تم خدا کو اپنے سامنے دیکھ رہے ہو' اور اگر یہ نہ ہو سکے' تو جیسے وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ ایسے امور تھے جنہوں نے آگے چل کر اسلامی تصوف کے لیے بنیاد فراہم کی۔

پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے لوگوں کی زندگیوں میں کافی تغیر واقع ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کی باہمی نزاع و پیکار' نیز فتوحات کی وسعت' اور دولت کی ریل پیل نے اخلاق اور اعمال دونوں کو متاثر کر دیا تھا۔ عبادات اور شعائر تو باقی تھے لیکن زندگیوں پر ان کا اثر برائے نام تھا۔ ان حالات میں زاہد اور متقی لوگوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جس نے دنیوی زندگی کے اس فتنہ اور شور و شر سے اپنا دامن چھڑا کر خدا کی عبادت ہی میں اپنے لیے پناہ ڈھونڈی اور خوف خدا کو اپنا شعار بنا لیا۔

متصوفین کے سلسلے

صوفیہ کے مشہور سلسلے کل چودہ ہیں جنہیں چودہ خانوادے کہا جاتا ہے۔ نقشبندیہ سلسلے کے علاوہ جو حضرت ابوبکرؓ کے ذریعے آنحضرتؐ تک پہنچتا ہے باقی تمام سلسلے حضرت علیؓ سے ہو کر آنحضرتؐ سے ملتے ہیں۔ ذیل میں ایک ایسا خاکہ درج کیا جاتا ہے جس سے تمام مشہور سلسلوں کا پتہ چلتا ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوبکر صدیقؓ
سلمان فارسیؓ
امام قاسم
امام جعفر
بایزید بسطامی
شیخ ابوالحسن
شیخ ابوالقاسم
خواجہ ابوالعلی
خواجہ یوسف
خواجہ عبدالخالق
خواجہ عارف
خواجہ محمود
خواجہ علی
خواجہ محمد بابا
سید امیر کلال
خواجہ بہاالدین نقشبند
(بانی سلسلہ نقشبندیہ)
(۴)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

خواجہ حسن بصریؒ — حضرت امام حسینؓ — حضرت امام حسنؓ — حضرت کمیل

خواجہ حسن بصریؒ:

خواجہ عبدالواحد
(بانی سلسلہ زیدیہ)
خواجہ فضیل بن عیاض
(بانی سلسلہ عیاضیہ)
خواجہ ابراہیم ادہم
(بانی سلسلہ ادہمیہ)
خواجہ حذیفہ
خواجہ ہبیرہ
(بانی سلسلہ ہبیرہ)
خواجہ ابو
خواجہ اسحاق شامی
(بانی سلسلہ چشتیہ) (۱)

خواجہ حبیب عجمی
(بانی سلسلہ عجمیہ)

خواجہ داؤد
خواجہ معروف کرخی
(بانی سلسلہ کرخیہ)
خواجہ سری سقطی
(بانی سلسلہ سقطیہ)
حضرت جنید
(بانی سلسلہ جنیدیہ)

خواجہ طفور
(بانی سلسلہ طفوریہ)

حضرت جنید:

شیخ ابوبکر
شیخ عبدالواحد
شیخ ابوالفرح
شیخ ابوالحسن
شیخ ابوسعید
شیخ عبدالقادر جیلانی
بانی سلسلہ قادریہ) (۳)

حضرت ممشاد علو[illegible]

خواجہ احمد
خواجہ عمویہ
شیخ وجیہ الدین
شیخ ضیاء الدین
(بانی سلسلہ سہروردیہ) (۲)
شیخ نجم الدین
(بانی سلسلہ فردوسیہ)

شیخ ابواعلی حسن
شیخ ابواسحاق گازرونی
(بانی سلسلہ گازرونیہ)
شیخ احمد دین
(بانی سلسلہ طوسیہ)

اس خاکے کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ کے مشہور سلسلے یا خانوادے کون کون سے ہیں اور ان کا موسس اعلیٰ کون ہے؟ نیز یہ پتا چلتا ہے کہ سارے سلسلے تقریباً" چشتیہ سہروردیہ قادریہ اور نقشبندیہ سلسلوں کی شاخیں ہیں۔

اگر مسلمانان پاک و ہند کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی روحانی زندگی کی اصلاح و تربیت کا کام چھ سلسلوں یعنی چشتیہ، سہروردیہ، فردوسیہ قادریہ، شطاریہ اور نقشبندیہ نے انجام دیا(۶۲) لیکن ان میں بھی زیادہ شہرت اور مقبولیت چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ کو حاصل ہوئی۔ چنانچہ ذیل میں ہم ان چار سلسلوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ سلسلہ چشتیہ

پاک و ہند کے روحانی سلسلوں میں سب سے زیادہ شہرت چشتیہ خاندان کو حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں کئی خصوصیتیں ایسی تھیں جنہیں اس سرزمین کے حالات خاص طور پر سازگار تھے مثلاً" موسیقی اور سماع کا رواج، ادبیت اور شعرو شاعری سے انس، ملامت، غیر مسلموں کے ساتھ معمولی رواداری وغیرہ۔ ان خصوصیتوں نے اس سلسلے کی مقبولیت اور اشاعت میں بڑی مدد دی۔ نیز اس سلسلے کے بزرگوں نے مسلمانان پاک و ہند کی روحانی تربیت میں بڑا اہم حصّہ لیا۔

وجہ تسمیہ

اس سلسلہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق شجرۃ الانوار میں لکھا ہے(۶۳) کہ چشت نام کے دو مقام ہیں۔ ایک خراسان میں ہرات کے قریب اور دوسرا پاکستان میں اوچ اور ملتان کے درمیان واقع ہے۔ خواجگان چشت خراسان والے چشت سے تعلق رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں اس مقام پر کچھ بزرگان دین نے روحانی اصلاح و تربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا تھا، جس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ بعدازاں وہ نظام اس مقام یعنی چشت کی نسبت سے چشتیہ سلسلہ کہلانے لگا۔

بانی سلسلہ

اس سلسلہ کے بانی کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ بعض

کے نزدیک اس کے بانی خواجہ احمد ابدال چشتی (متوفی ۳۵۵ھ) ہیں(۶۴) اور بعض کے خیال میں خواجہ ابواسحاق شامی (متوفی ۳۲۹ھ)(۶۵) لیکن چونکہ اول آخر الذکر کے خلیفہ تھے اس لیے دوسری بات صحیح ہے۔ یعنی یہ کہ خواجہ ابواسحاق شامی سلسلہ چشتیہ کے سرخیل ہیں۔ چنانچہ تاریخ مشائخ چشت میں لکھا ہے۔(۶۶) کہ حضرت خواجہ ابواسحاق شامی (متوفی ۳۲۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء) پہلے بزرگ ہیں جن کے اسم گرامی کے ساتھ تذکروں میں چشتی لکھا وہا ملتا ہے۔ سیرالاولیاء' مراۃ الاسرار شجرۃ الانوار' خزینۃ الاصفیا میں ان کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ ابواسحاق شام کے رہنے والے تھے۔ اپنے وطن سے چل کر بغداد آئے اور حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری(۶۷) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ دینوری (متوفی ۲۹۸ھ مطابق ۹۱۰ء) اپنے زمانے کے ممتاز بزرگ تھے۔ دور دور سے عقیدت مندان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ان کا حال خواجہ فرید الدین عطار نے تذکرۃ الاولیا(۶۸) میں اور مولانا عبدالرحمٰن جامی نے نفحات الانس(۶۹) میں بیان کیا ہے۔ خواجہ عطار کا بیان ہے(۶۹) کہ وہ اپنی خانقاہ کا دروازہ عموماً" بند رکھتے تھے۔ جب کوئی آتا تو پوچھتے کہ مسافر ہو یا مقیم۔ پھر فرماتے: اگر مقیم ہو تو اس خانقاہ میں آ جاؤ۔ اگر مسافر ہو تو یہ خانقاہ تمہاری جگہ نہیں۔ کیونکہ جب تم چند روز یہاں رہو گے تو مجھے تم سے انس ہو جائے گا اور پھر تم جانا چاہو گے تو مجھے اس کی تکلیف ہو گی اور مجھ میں فراق کی طاقت نہیں ہے۔

جب خواجہ ابواسحاق' خواجہ دینوری کی خانقاہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کیا: ابواسحاق شامی۔ فرمایا: آج سے لوگ تمہیں ابواسحاق کہہ کر پکاریں گے اور چشت اور اس کے گرد و نواح کے لوگ تم سے ہدایت پائیں گے اور جو کوئی تمہارے سلسلہ ارادت میں داخل ہو گا' قیامت تک اس کو چشتی کہہ کر پکاریں گے۔(۷۰) اس کے بعد خواجہ دینوری نے ان کو رشد و ہدایت کے لیے چشت روانہ کیا۔ جہاں ان کی پر خلوص جدوجہد سے ایک عظیم الشان سلسلہ کی داغ بیل پڑی اور چشت بہت جلد ایک زبردست روحانی نظام کا مرکز بن گیا۔ خواجہ ابواسحاق فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے

تھے۔ ایک دن اپنے مرید خواجہ ابو احمد چشتی سے فرمانے لگے: اے ابو احمد! درویشی عرب اور عجم کی بادشاہی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر ابو اسحاق کو ملک سلیمان بھی دیں تو خدا کی قسم وہ قبول نہیں کرے گا۔(۷۲)

پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کا اجرا

تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ سلسلہ چشتیہ کو پاک و ہند میں جاری کرنے کا شرف حضرت خواجہ معین الدین چشتی کو حاصل ہے۔(۷۳) گو اس مین شک نہیں کہ ان سے پہلے کچھ چشتی بزرگ یہاں تشریف لا چکے تھے۔ مثلاً خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتی' جن کے متعلق مولانا جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے۔(۷۴) کہ وہ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ پاک و ہند میں تشریف لائے تھے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں سے یہ سلسلہ پھیل نہ سکا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کا کوئی جانشین یا خلیفہ باقی نہ رہا۔ جہاں تک عقیدت مندوں یا عام مریدوں کی تعداد کا تعلق ہے اس کی تو کوئی حد نہیں لیکن ان سے سلسلہ آگے نہیں بڑھتا۔ سلسلہ کو پھیلانے والے' صرف خلفا ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدینؒ سے سلسلہ اس لیے جاری ہو گیا کہ ان کے خلفا موجود تھے اور پھر ان خلفا کے مزید خلفا ہوئے۔

سلسلہ چشتیہ کی خصوصیات

چشتیوں کے ہاں کلمہ شہادت پڑھتے وقت الا اللہ پر خاص طور پر زور دیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ عموماً" ان الفاظ کو دہراتے وقت سر اور جسم کے بالائی حصہ کو ہلاتے ہیں۔ ان میں شیعہ حضرات کثرت سے ہیں۔ اس سلسلہ کی امتیازی خصوصیت سماع کا رواج ہے۔ حضرات چشت پر سماع کے وقت ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ بسا اوقات اس سے تھک کر چور ہو جاتے ہیں۔ چشتی درویش بالعموم رنگ دار کپڑے پہنتے ہیں اور ان میں زیادہ تر ہلکے بادامی رنگ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ذکر الٰہی' ذکر جہر ذکر خفی (جو حبس دم کے ذریعہ بھی کیا جاتا ہے)' مراقبہ اور روزہ کے ذریعے سے روحانیت میں ترقی کی جاتی ہے۔

"صوفیاء چشتیہ کے ہاں "سماع" قربت حق کا ذریعہ ہے۔ مگر اس کے جو آداب متعین کیئے گئے وہ اتنے سخت ہیں کہ "محفل سماع" میں عام آدمیوں کو شامل ہونے کی اجازت نہیں۔ مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی اجمیری نے سماع کو بھی تبلیغ اسلام کا ایک ذریعہ بنایا تھا کیونکہ اس وقت ہندو معاشرہ میں راگ و سنگیت ان کا مذہبی فریضہ تھا۔ ان کے اسی ذوق کے تحت حضرت خواجہ نے ان کو اسلام کی ترغیب دلانے کے لیے مزامیر کے ذریعہ سماع کا سلسلہ شروع کیا مگر بدقسمتی کہ بعد میں اس کو جواز بنا کر لہو و لعب کی گنجائش پیدا کر لی گئی۔"

۲۔ سلسلہ سہروردیہ

سہروردیہ سلسلہ بھی چشتیہ سلسلہ کی طرح بہت پرانا ہے اور ٹھوس تبلیغی کاموں میں تو شاید اس کا پلہ چشتیہ سے بھی بھاری ہے۔ کشمیر میں اسلام کبرویہ سلسلہ کے بزرگوں مثلاً امیر کبیر سید علی ہمدانی اور ان کے صاحبزادے میر محمد ہمدانی نے پھیلایا جو سہروردیوں کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ بنگال کے پہلے کامیاب مبلغ شیخ جلال الدین تبریزی تھے جو شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ اعظم تھے۔ اس وقت بنگال کی سب سے بڑی زیارت گاہ سلہٹ میں ایک سہروردی یعنی شاہ جلال یمنی کا مزار ہے۔ گجرات کے قدیمی دارالخلافہ میں حضرت سلطان المشائخ اور حضرت چراغ دہلوی نے بھی اپنے خلفا بھیجے لیکن دارالخلافہ یعنی شہر احمد آباد کی سب سے بڑی زیارتیں یعنی حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم کے سربفلک روضے سہروردی یادگاریں ہیں اور پاک پٹن سے مغرب کے علاقے یعنی سندھ اور بلوچستان کو تو بابا فرید بھی شیخ بہاالدین زکریا سہروردی کی ولایت کا جزو مانتے تھے۔(۷۵)

وجہ تسمیہ

سید صباح الدین نے "بزم صوفیہ میں" لکھا ہے(۷۶) کہ سہروردیہ، چشت کی طرح ایک مقام کا نام ہے جو عراق و عجم کے اندر ہمدان اور زنجان کے درمیان واقع تھا۔ حضرت شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر(۷۷)، ان کے پیر شیخ ضیا الدین ابونجیب اور موخرالذکر کے پیر شیخ وجیہ الدین یہیں کے رہنے والے تھے۔ اسی

نسبت سے ان کے سلسلہ کو سہروردیہ کہتے ہیں۔

بانی سلسلہ

سہروردیہ سلسلہ کے بانی کے متعلق بھی تذکرہ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس کے بانی شیخ ضیا الدین ابو نجیب(۷۶) اور بعض کے نزدیک شیخ شہاب الدین سہروردی(۷۷) ہیں۔ شیخ اکرام نے "آب کوثر" میں بیان کیا ہے۔(۷۸) کہ سہروردی سلسلہ کے بانی ابوالنجیب سہروردی تھے اور ان کے بھتیجے اور خلیفہ اکبر یعنی شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی اس سلسلہ کے بانی ثانی تھے۔

ان بزرگوں نے فکر و نظر کے معاملے میں فیض شیخ جنید بغدادی سے حاصل کیا تھا۔ اسی لئے سہروردی سلسلے کے ارادت مند شیخ جنید بغدادی کو سید الطائفہ قرار دیتے ہیں۔(۷۹) اس میں شبہ نہیں کہ وہ اس سلسلے کے اولین نظریہ ساز ہیں۔ ان کے خیالات نے اس کے فکری رجحان کو متعین کیا ہے۔

دنیائے تصوف میں شیخ جنید بغدادی صوفیانہ آزاد خیالی اور دیگر اعتقادی کے خلاف اپنے جدوجہد کے حوالے نامور ہیں۔ ان کی تعلیمات کا اساسی اصول یہ تھا کہ طریقت کو ہر لحاظ سے شریعت کے تابع رکھا جائے۔ اگر اس اصول کو بنیادی طریقہ کار کے طور پر قبول کر لیا جائے تو پھر دنیائے تصوف سے ہر قسم کی انحراف پسندی اور آزاد خیالی کا خاتمہ کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ انتہا پسند باغیوں کا نقطہ نظریہ تھا کہ طریقت اور شریعت کی راہیں جدا جدا ہیں۔ شریعت روزمرہ زندگی میں رہنمائی کا فرض ادا کرتی ہے۔ اعلیٰ روحانی معاملات میں اسے رہنما نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کے مقابلے مین سید علی ہجویری اور بابا فرید الدین مسعود گنج شکر جیسے اعتدال پسند نظریہ سازوں کی رائے یہ تھی کہ طریقت اور شریعت میں جدلیاتی اضافت ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ فرد کے روحانی ارتقاء کے لیے طریقت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی شریعت کو پرانے خیال کے دانش ور اور عقیدہ پرست ان دونوں تصورات کو مسترد کرتے تھے۔ ان کے نزدیک مذہبی قانون مطلق تھا' جو

انسان کی داخلی اور خارجی زندگی پر یکساں طور حاوی ہے۔(۷۶)
شیخ جنید بغدادی نے شدومد سے اس نظریے کی وکالت کی تھی۔ فکر کے اس انداز کو شیخ شہاب الدین سہروردی نے مزید ترقی دی۔ وہ ممتاز صوفی تھے۔ اور اپنے زمانے کے نامور امیر بھی تھے۔ راسخ الاعتقادیت سے انحراف کی تحریکیں چاہے وہ اپنے اظہار کے لیے صوفیانہ صورت ہی اختیار کریں۔ آخری تجزیئے میں بالائی طبقات کے لیے خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی اس امر سے پوری طرح آگاہ تھے۔ لہٰذا عقیدہ پرستی کے دفاع میں ان کی کوششوں میں طبقاتی مفاد نے مزید شدت پیدا کردی تھی۔"(۸۰)

جہاں تک سلسلہ کو قائم کرنے کا تعلق ہے اس لحاظ سے شیخ ضیا الدین ابونجیب سہروردی(۸۱) کا نام سرفہرست ہے۔ لیکن اس سلسلہ کو فروغ دینے کی سعادت ان کے بھتیجے اور خلیفہ اکبر شیخ شہاب الدین سہروردی کو حاصل ہوئی۔ چنانچہ تاریخ مشائخ چشت میں لکھا ہے(۸۲) کہ اس سلسلہ کے سب سے زیادہ مشہور بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی ۱۲۳۴ء) ہیں۔ انہوں نے اس سلسلہ کی ترویج و اشاعت بڑی محنت سے کی تھی۔ اور اپنی کتاب عوارف المعارف(۸۱) میں خانقاہی نظام کے متعلق پوری تفصیلات درج کردی تھیں۔ پاک و ہند میں انہوں نے اپنے بہت سے مرید بھیجے تھے۔ مشہور ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا: خلفائی فی الھند کثیرۃ (یعنی ہندوستان میں میرے کافی خلیفہ ہیں)۔ شیخ نورالدین مبارک غزنوی، مولانا مجدالدین حاجی، شیخ ضیاالدین رومی، قاضی حمید الدین ناگوری، حضرت سخی سرور ان کے مشہور خلفا تھے، لیکن جس بزرگ کو پاک و ہند میں سہروردیہ سلسلہ کو پھیلانے کا شرف حاصل ہوا وہ شیخ بہاالدین زکریا ملتانی ہیں۔ انہوں نے ملتان، اوچ اور دیگر مقامات پر سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کیں۔

سلسلہ سہروردیہ پاک و ہند میں

صوفیائے پاک و ہند پر اب تک جتنے تذکرے(۸۲) لکھے جا چکے ہیں، ان

کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کو یہاں لانے والے اور فروغ دینے والے سب سے پہلے بزرگ شیخ بہاالدین زکریا ملتانی ہیں۔ اسی بنا پر ان کو پاک و ہند میں سلسلہ سہروردیہ کا موسس اعلیٰ کہا جاتا ہے۔

سلسلہ سہروردیہ کی خصوصیات

چشتیوں اور سہرودیوں میں بہت سی چیزیں مشترک تھیں۔ اور اس امر کا بھی عام رواج تھا کہ ایک شخص بیک وقت دونوں سلسلوں کے بزرگوں سے فیض یاب ہو لیکن اگر ان بزرگوں کے حالات زندگی اور کارناموں کو غور سے دیکھیں تو ان کا امتیازی رنگ صاف نظر آتا ہے۔ چشتیوں کی خصوصیات پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ سہروردی امور شرعی میں ان سے زیادہ محتاط تھے۔ ان کے ہاں سانس بند کر کے "اللہ ھو" کا ورد کرنے کا بڑا رواج ہے۔ وہ ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں کے قائل ہیں۔ سماع سے بے اعتنائی برتتے ہیں اور تلاوت قرآن پر خاص زور دیتے ہیں۔ خلاف شرع امور پر وہ فورا" ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔ دوسرے مذہبوں کے ساتھ ان کا برتاؤ غیر معمولی رواداری کا نہ تھا۔ تبلیغ کا جوش بھی ان میں زیادہ تھا۔ سیرو سفر کا شوق بھی انہیں چشتیوں سے کہیں بڑھ کر تھا۔ بالعموم چشتیوں کا رنگ جمالی تھا، سہروردیوں کا جلالی۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ دارالخلافہ کی نازک مزاج اور حساس، ہستیوں کو سہروردی کسی بڑی حد تک مسخر نہ کر سکے لیکن اطراف ملک میں انہوں نے اسلام کا ڈنکا خوب بجایا اور اسلام کی بڑے پرجوش طریقے سے اشاعت کی۔ اس سلسلے کی خصوصیت یہ تھی کہ باطن ہویت میں مصروف رہے اور ظاہر شریعت و طریقت میں۔ تبلیغ کا جوش اور سیرو سفر کا شوق بہت زیادہ۔ فقہ میں شافعی مسلک کے پیرو تھے۔ ساری زندگی مجرد بسر کرنا سنت کی نفی ہے البتہ ایک عرصہ معینہ مجرد رہ کر اپنے نفس کو ریاضت و مجاہدہ کا عادی بنائے اور پھر شریک زندگی کا انتخاب کرے۔ سہروردی امور شرعی میں چشتیوں سے زیادہ محتاط تھے۔ خلاف شرع امور پر فورا" ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔ اسلام کی اشاعت بڑے پرجوش طریقے سے کی۔ بالعموم چشتیوں کا رنگ "جمالی" تھا اور سہروردیوں کا "

جلالی"۔

ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کے کہنے کے مطابق سہروردی، امراء دولت سے رابطہ پیدا کر کے عوام الناس کی مشکلات حل کرتے تھے۔ مگر چشتی بزرگ سلاطین کے نزدیک ہونے کے باوجود عوام کی طرف متوجہ رہتے تھے۔

سہروردی عبادت کے وقت عبادت کرتے تھے اور امور دنیاوی کو بھی پورا کرتے تھے۔ سلاطین اور امراء سے ملاقات، تبلیغی سفر، ازدواجی زندگی اور عوام سے میل ملاقات یہ سب کچھ تھا۔ خود حضرت شیخ الشیوخ نہ صرف خانقاہ کے درویش تھے بلکہ سیاسی امور اور حکومتوں کے درمیان مصالحت کنندہ کے فرائض بھی انجام دیا کرتے تھے۔

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ سہروردیہ کے مبلغ اول حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ ہیں۔ بنگال میں اس سلسلے کے کامیاب بزرگ حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے پیر بھائی حضرت جلال الدین تبریزی تھے۔ سہروردی سلسلہ کے پیرو دوسرے سلسلوں کی عزت کرتے ہیں اور مل کر تبلیغ اسلام کی خدمات سرانجام دی ہیں۔" امام الہند شاہ ولی اللہؒ نے تو یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ بیعت کے وقت چاروں خانوادوں (چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ) بزرگوں کے نام لیتے تاکہ ان سب سے فیض حاصل ہو اور ان کی خصوصیات اخذ ہوں۔ ان رجحانات کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مختلف سلسلوں کے ماننے والوں کے درمیان وہ حد فاصل نہیں رہی، لیکن پھر بھی ان کے طریق ذکر و عبادت میں کئی امتیازات ہیں۔"

حضرت بہاء الدین زکریاؒ کا شجرۂ طریقت

آپ کا سلسلہ طریقت یہ ہے۔ "شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ شہاب الدین عمر سہروردی، شیخ ضیاء الدین، ابونجیب سہروردی، شیخ وجیہ الدین سہروردی، شیخ ابوعبداللہ، شیخ اسود احمد دینوری، شیخ ممشاد علو دینوری، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ حبیب عجمی، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، جناب سرور کائنات ﷺ۔"

۳۔ سلسلہ قادریہ

رود کوثر میں تحریر ہے(۸۳) کہ زمان وسطیٰ میں مرکزی حکومت کی کمزوری کا آخری زمانہ مذہبی انتشار کا زمانہ بھی تھا۔ لیکن سیاسی استحکام اور علوم اسلامی کی اشاعت کے ساتھ حالات سدھر گئے۔ اس اصلاح حالت میں ایک نئے صوفیانہ سلسلہ سے بھی مدد ملی، جس نے شمالی پاک و ہند بالخصوص پنجاب(۸۴) اور سندھ میں بڑا اقتدار حاصل کیا۔ اور جس کا اثر آج کسی دوسرے خانوادے کے اثر سے کم نہیں۔ اس سلسلے کو عرف عام میں قادریہ سلسلہ کہتے ہیں۔ جس وقت یہ سلسلہ پاک و ہند میں آیا اس وقت چشتیہ اور سہروردیہ سلسلوں کا زور کم ہو گیا تھا۔ گو ان خانوادوں میں سے اب بھی کئی پاک سیرت اور نیک نفس بزرگ پیدا ہو رہے تھے۔ جن کی زندگیاں عوام کے لیے چراغ ہدایت تھیں۔ لیکن ان میں سلطان المشائخ جیسی عظیم الشان شخصیتیں نہ تھیں۔ اس کے علاوہ مغلیہ حکومت کے استحکام کے بعد روز بروز اسلام کی جڑیں پاک و ہند میں زیادہ مضبوط ہو رہی تھیں اور اسلامی علوم اور فقہ کی اشاعت بڑھ گئی تھی۔ اس لئے بعض متشرع بزرگوں کو جو تصوف اور ذاتی روحانی تجربات کو بھی اہمیت دیتے تھے ایک ایسے صوفیانہ نظام کی تلاش تھی جس کی کوئی بات شرع کی نظروں میں مشتبہ نہ ہو۔

پنجاب کے بیشتر سنی مولوی اس سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ قادری سماع بالمزامیر کے خلاف ہیں۔ اور ان کے حلقوں میں موسیقی کو (خواہ وہ بالمزامیر ہے یا ان کے بغیر) بہت کم بار ملتا ہے۔ قادری درویش بالعموم سبز پگڑی پہنتے ہیں اور ان کے لباس کا کوئی نہ کوئی حصہ ہلکے بادامی رنگ کا ہوتا ہے۔ وہ درود شریف کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے ہاں ذکر خفی اور ذکر جلی دونوں جائز ہیں۔"

بڑے بڑے پرہیز گار علما مثلاً شیخ علی متقی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس سلسلہ میں بیعت کی اور اس سلسلہ کو خاص و عام میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔

وجہ تسمیہ

یہ سلسلہ، چشتیہ اور سہروردیہ سلسلوں کی طرح مقام کی نسبت سے نہیں

بلکہ بانی سلسلہ کے نام کی نسبت سے قادریہ کہلاتا ہے۔ اگر اس کی نسبت مقام سے ہوتی تو اس کو جیلانیہ یا گیلانیہ کہتے کیونکہ بانی سلسلہ جیلان یا گیلان کے رہنے والے تھے۔

بانی سلسلہ

تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں۔ چنانچہ مولف تاریخ مشائخ چشت لکھتے ہیں(۸۵) کہ آپ ہی سلسلہ قادریہ کے سر لشکر ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی ہی میں اصلاح و تربیت کا اعلیٰ انتظام قائم کر دیا تھا اور اپنے خلفا کو دور دور تبلیغ و اشاعت کے لیے بھیج دیا تھا۔ آپ کے بعد اسلامی ممالک کے دور دراز حصوں میں اس سلسلہ کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ یہاں اتنا بتا دینا کافی ہے کہ آپ ابو صالح موسیٰ کے فرزند ارجمند اور شیخ ابو سعید کے خلیفہ اعظم تھے۔(۸۶)

سلسلہ قادریہ پاک و ہند میں

شیخ اکرم نے رود کوثر(۸۷) میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے طریقہ قادریہ کے جس بزرگ کا نام ملتا ہے وہ دکن کے شاہ نعمت اللہ قادری (متوفی ۱۴۳۰ء) تھے۔ اس بیان میں ہم شیخ اکرام سے متفق نہیں۔ کیونکہ حضرت سخی سرور (متوفی ۱۱۸۱ء بمطابق آب کوثر ص ۹۲) حضرت غوث اعظم سے براہ راست باطنی تعلیم حاصل کر کے پاک و ہند میں تشریف لائے تھے۔ چنانچہ سلسلہ قادریہ کو یہاں پر لانے والے اولین بزرگ حضرت سخی سرور ہیں نہ کہ شاہ نعمت اللہ قادری۔ یہ الگ بات ہے کہ سلسلہ کو فروغ نہ حضرت سخی سرور سے حاصل ہوا اور نہ شاہ نعمت اللہ قادری سے بلکہ حضرت مخدوم محمد گیلانی اور ان کے خلفا نے اس سلسلہ کو پاک و ہند میں مقبول بنایا۔

۴۔ سلسلہ نقشبندیہ

قدامت کے اعتبار سے اس سلسلے کو چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ سلسلوں پر

فوقیت حاصل ہے۔ چنانچہ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں(۸۸) کہ قدامت کے لحاظ سے سلسلہ خواجگان سب سے پہلے آتا ہے۔ یہ سلسلہ ترکستان میں قائم ہوا تھا۔ اس کے سب سے زیادہ مشہور بزرگ خواجہ محمد اتالیسوی (متوفی ۱۱۶۶ء) ہیں۔ ان کے بعد خواجہ عبدالخالق غجدوانی(۸۹) (متوفی ۱۱۷۹ء) نے اس سلسلہ کی مندرجہ ذیل اصطلاحات وضع کیں اور ان کو اپنے روحانی نظام کا لازمی جزو قرار دیا۔

ہوش دردم۔ نظر برقدم۔ سفر دروطن۔ خلوت در انجمن۔ یاد کرد۔ بازگشت۔ نگاہ داشت یاداشت۔

محمد اجمل خان نے غریب نواز(۹۰) میں مذکورہ اصلاحات کے علاوہ تین اور اصطلاحات کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں: وقوف قلبی۔ وقوف زمانی۔ وقوف عددی۔ یہ اصطلاحات(۹۱) حقیقت میں اصول ہیں اور ان کی تعداد کل گیارہ ہے۔ ان اصولوں کے ذریعہ سلسلہ نقشبندیہ میں وصال الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

خواجہ اتا اور خواجہ غجدوانی نے اس سلسلہ کو فروغ دینے کی بڑی کوششیں کیں لیکن اس کو مقبول عام بنانے کا شرف خواجہ بہاالدین نقشبند (متوفی ۱۳۸۸) کے لیے مقدر ہو چکا تھا' ان کے بعد یہ سلسلہ نقشبندیہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ خواجہ نقش بند نے اتباع سنت پر خاص زور دیا ہے۔

وجہ تسمیہ

یہ سلسلہ خواجہ بہاالدین کے لقب نقشبند کی نسبت سے نقشبندیہ کہلاتا ہے۔ یہ چشتیہ اور سہروردیہ سلسلوں کی طرح مقام سے نسبت نہیں رکھتا بلکہ قادریہ سلسلہ کی طرح اس کا تعلق بانی سلسلہ کے نام سے ہے۔

بانی سلسلہ

سب تذکرہ نگار متفق اس بات پر متفق ہیں کہ پاک و ہند میں سلسلہ نقشبندیہ کے سرخیل خواجہ بہاء الدین نقشبندیہ ہیں۔ خواجہ نقشبند کے حالات متعدد کتابوں میں درج ہیں۔ برکات علی پوری میں لکھا ہے کہ آپ کا اسم شریف خواجہ بہاء الدین' لقب نقشبندیہ' عرف مشکل کشا ہے۔ سادات بخارا میں سے ہیں۔ آپ تمع

سنت، مطیع شریعت بطریق اعلیٰ تھے۔ سلوک و تصوف کو قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ موافقت کرتے اور کراتے تھے۔ بدعات سیئہ اور رسوم قبیحہ سے سخت متنفر تھے۔ ترک دنیا، قطع تعلق اہل دنیا، تجرد کلی رکھتے۔ یاد خدا، اور فکر حق میں ہر وقت مصروف رہتے۔ ایام سرما میں مسجد کے اندر گھاس اور گرمیوں میں بوریا بچھاتے۔ کھانے پینے کے وقت حلال طیب کے لیے بہت مبالغہ فرمایا کرتے۔ یہاں تک کہ شبہات سے بھی محترز رہتے۔ مہمان نوازی میں ایثار فرماتے۔ اگر کوئی ہدیہ یا تحفہ پیش کرتا تو رفع شکوک کے بعد ضرور قبول فرماتے۔ ہر معاملے میں بے تکلف رہتے۔ آپ پہلے تو کمخواب باف تھے پھر زراعت بھی کیا کرتے تھے۔ اپنا خاص مکان اور نوکر چاکر نہ رکھتے، بلکہ فرماتے کہ بندگی باخواجگی راست نمی آید۔ اگر کوئی طعام بحالت غضب یا غفلت پکایا گیا ہو، اسے بھی نہ کھاتے اور فرماتے کہ جس حالت میں طعام تیار کیا جائے، اس حالت کا اثر میں ہوتا ہے۔ آپ کا جامہ اونی، عمامہ سفید۔ پاپوش پرانا ہوتا۔ اور کبھی کلاہ بھی پہنا کرتے۔ درویشوں کی نہایت تعظیم کرتے۔ ہر ایک دوست کے ساتھ بتواضع پیش آتے۔ آپ قطب عالم تھے۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو کہاں اور کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔ فرمایا: اتباع سنت سے۔ نیز فرمایا کہ جو شخص میرے طریقہ سے منہ پھیرے گا۔ اس کو دینی خطرہ ہے۔ طریقہ نقشبندیہ کا مخالف فوراً" تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ آپ کا قول ہے کہ بنائے طریقہ مابرتبع احادیث و آثار است۔ یہی وجہ ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کا نام طریقہ رسولیہ صدیقیہ مشہور ہے۔ خواجہ بہاالدین نے بعض مشائخ ترک مثلاً حکیم خلیل اتا وغیرہ سے بھی فیض پایا تھا اور اس بنا پر آپ کے طریقہ میں جوش، شجاعت اور تصرف زیادہ ہے۔ آپ اپنے وقت کے امام تھے۔

خواجہ عطار کا کہنا ہے کہ خواجہ نقشبندیہ عالم پیری میں جس قدر مجاہدہ و ریاضت، ذکر و مراقبہ کیا کرتے تھے اس قدر تو ہم سے جوانی میں بھی نہ ہو سکا۔ آپ کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ اپنے گاؤں میں جو مسجد تعمیر کرائی تھی اس کے لئے اپنے سر پر مٹی کی ٹوکری اٹھا کر لے جاتے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:

بجان و دل کنم کار تو چرا نکنم
بسر و دیده کشم بار تو چرا نکشم

سلسلہ نقشبندیہ کا پاک و ہند میں ورود

یہ سلسلہ پاک و ہند میں اس وقت پہنچا جبکہ مغلیہ حکومت کا دور دورہ تھا۔ مغلیہ حکومت کے استحکام کے بعد روز بروز اسلام کی جڑیں اس ملک میں زیادہ مضبوط ہو رہی تھیں۔ اور اسلامی علوم اور فقہ کی اشاعت بڑھ گئی تھی۔ ایسے عالم میں بعض متشرع بزرگوں کو' جو تصوف اور ذاتی روحانی تجربات کو بھی اہمیت دیتے تھے' ایک ایسے صوفیانہ نظام کی تلاش تھی جس کی کوئی بات شرع کی نظر میں مشتبہ نہ ہو۔ بالاخر نقشبندیہ سلسلہ نے اس ضرورت کو پورا کیا۔

سلسلہ خواجگان گو سب سے زیادہ قدیم سلسلہ ہے لیکن پاک و ہند میں یہ سب سلسلوں کے بعد پہنچا۔ خواجہ باقی باللہ بیرنگ (متوفی ۱۶۰۳ء) اس کو یہاں لائے۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ "ایں تخم پاک را از سمرقند و بخارا آوردیم و در زمین برکت آگین ہند کشتیم۔" خواجہ باقی باللہ کے عزیز مرید اور خلیفہ شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی (متوفی ۱۶۲۴ء) نے اس سلسلہ کو پاک و ہند میں ترقی دی۔ ان کے بعد یہ سلسلہ' سلسلہ مجددیہ کے نام سے مشہور ہو گیا

یہ "ذکر جلی کے خلاف ہیں۔ فقط ذکر خفی کو جائز سمجھتے ہیں۔ وہ بالعموم مراقبہ میں سر کو جھکائے' آنکھوں کو بند کئے یا زمین پر لگا کر بیٹھتے ہیں۔ موسیقی اور سماع کے خلاف ہیں اور احکام شریعت پر سختی سے عامل ہیں۔ ان کے ہاں مرشد اپنے مریدوں سے علیحدہ نہیں بیٹھتا بلکہ حلقے میں ان کا شریک ہوتا ہے۔ اور توجہ الی الباطن سے ان کی راہنمائی کرتا ہے۔ فرائض شرعی کو نوافل پر واضح ترجیح تھی۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نے پاک و ہند میں نقشبندیہ سلسلہ کی مضبوط بنیاد رکھی اور امراء کے طبقہ میں مذہب سے وہ انس پیدا کر دیا جس کے سامنے اکبر کے مذہبی خیالات کا فروغ ناممکن تھا۔ لیکن انہیں بہت دن جینا نصیب نہ ہوا۔ ان کے کام کی کماحقہ تکمیل ان کے بلند اقبال اور بلند ہمت مرید حضرت مجدد الف ثانی نے

کی جنہوں نے ہوا کا رخ ایک جانب سے بالکل دوسری سمت پھیر دیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کی آمد سے پہلے جو صوفیانہ سلسلے پاک و ہند میں برسر فروغ تھے وہ تمام کے تمام ایران اور ایران کی علمی سرحد' عراق کی پیداوار تھے۔ قادریہ سلسلہ کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانی بغداد کے رہنے والے تھے۔ سہروردی سلسلہ سہروردیہ سے متعلق تھا جو بغداد سے چند میل کے فاصلے پر ایک قریہ تھا۔ چشت بھی خراسان کی ایک بستی ہے۔ ان تینوں سلسلوں میں جزوی اور فروعی اختلافات تھے۔ لیکن ان کا روحانی پس منظر ایک تھا اور ان سب میں وہ عجمیت جو دور عباسیہ کو دور اموری سے اور بغداد کے متکلمین اور فلسفیوں کو مدینہ منورہ کے محدثین اور فقہا سے منفرد کرتی ہے' موجود تھی۔ تینوں میں وہ صلح کل کا طریقہ مقبول تھا جس کے تحت غیر مروجہ بلکہ غیر اسلامی طریقوں سے اخذ فیض کرنے میں اجتناب نہیں کیا جاتا تھا۔ تینوں میں شرع کے معاملے میں تھوڑی بہت آزادی تھی اور تینوں میں وحدت الوجود کا طریق رائج ہو گیا تھا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ جس سلسلہ کو لے کر پاک و ہند آئے وہ ایران کا نہیں بلکہ توران کا تحفہ تھا اور ماوراء النہر کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔

سلسلہ نقشبندیہ کی خصوصیات

نقشبندی درویشوں کی خصوصیت یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں میں لمبی لمبی چھڑیاں رکھتے ہیں۔ ان کے بال لمبے اور ہوا میں لہراتے ہیں۔ وہ منہ سے اونچی اونچی آوازیں نکالتے ہیں اور عام طور پر نوک دار اور تیز پتھروں پر چلتے ہیں' حتی کہ ان کے پاؤں چھلنی ہو جاتے ہیں اور وہ درد کی شدت سے بے تاب ہو کر دھڑام سے زمین پر گر پڑتے ہیں۔ نقشبندی درویشوں میں ٹوپی پہننے کا بھی رواج ہے۔ جو ہشت یا چہار گوشیہ ہوتی ہے۔ ٹوپی عموماً" سفید اور کامدار ہوتی ہے اور اس پر قرآن مجید کی کوئی آیت لکھی ہوئی ہے۔

تبصرہ

یہ ان چاروں سلسلوں کی سرگزشت تھی جن کے پیروؤں نے برصغیر پاک و

ہند میں اسلامی تصوف کی ترویج و اشاعت کی اور ہزاروں بندگان خدا کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر کے اسلام کا بول بالا کیا۔ لیکن یہ سلسلے امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اپنے اصلی مرکز یعنی اسلام سے ہٹتے گئے اور جس تصوف کا ماخذ اور منبع خود اسلام کا صاف شفاف چشمہ اور آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام کی سیرت پاک تھی۔ اس سے ان طریقوں کے پیرووں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر راہ فرار اختیار کی۔ انہوں نے تصوف کو تصفیہ قلب کی بجائے ذریعہ معاش بنایا اور پیری مریدی کا بازار گرم کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ضعیف الاعتقاد عوام نے پیشہ ور پیروں کاش کار ہو کر اپنا متاع دین ہی کھو دیا اور بعض لوگ خود تصوف ہی سے بددل اور متنفر ہوتے گئے۔

○

حواشی

۱۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ کیجئے: ابونصر عبداللہ بن علی السراج الطوسی کتاب اللمع فی التصوف۔ ینکلسون، لیڈن ۱۹۱۴ء ص ۲۱، ابوبکر محمد اکلاباذی، التعرف لمذہب اہل التصوف، قاہرہ ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، ص ۲۵، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری، الرسالتہ القشیریہ، مصر ۱۳۰۴ھ ص ۱۶۵، شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، مصر ۱۲۹۲ھ ص ۳۲۔۳۳، ابن خلدون، مقدمہ، مصر ۱۳۲۲ھ ص ۲۵۴ وغیرہ۔

۲۔ اس لفظ کے سلسلہ میں دو روایتیں منقول ہیں ایک تو یہ کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں نے اللہ کے لیے خود کو فارغ کر لیا تھا اور خانہ کعبہ ہی کے ہو کر رہ گئے تھے۔ انہیں صوفہ کہا جاتا تھا۔ پھر بعد میں جن لوگوں نے ان سے مشابہت اختیار کی وہ صوفیہ کہلائے، دیکھئے محمد بن طاہر مقدسی، صفوۃ التصوف تعلیق احمد شرباصی، دار التالیف مصر ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء ص ۷، مزید دیکھئے امام جمالی الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی، تلبیس ابلیس، قاہرہ ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء ص ۱۶۱۔ دوسری روایت بھی عہد جاہلیت سے متعلق ہے کہ ایک شخص کو اس کی ماں نے بچپن ہی سے خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس کا نام غوث بن مراور لقب صوفہ تھا۔ اس لقب سے اس کے پکارے جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی ماں کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ اس نے نذر مانی کہ اگر لڑکا ہوا تو وہ اسے خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دے گی۔ چنانچہ جب وہ پیدا ہوا تو اس کی ماں نے نذر پوری کرنے کی خاطر اسے خانہ کعبہ کے پاس باندھ کر چھوڑ دیا۔ وہ دھوپ میں پڑا رہا۔ یہاں تک کہ جب اس کی ماں اسے دیکھنے کے لیے آئی تو اسے بے حال پڑا دیکھ کر کہا کہ یہ "صوفہ" (اون کا ٹکڑا) ہو گیا ہے۔ دیکھئے تلبیس ابلیس ص ۱۶۱ نیز دیکھئے ابن منظور، لسان العرب، مصر ۱۳۰۱ھ یازدہم ص ۱۰۲۔

۳۔ کتاب اللمع ص ۲۲۔

۴۔ عوارف المعارف' اول ص ۳۴۔

۵۔ التعراف لمذہب اہل التصوف ص ۲۲۔

۶۔ ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الجویری' کشف المجوب' اسلام آباد ۱۹۷۸ء ص ۳۸۔

۷۔ کشف المجوب ص ۳۸۔

۸۔ دیکھیے عوارف المعارف' اول ص ۳۲۔ ۳۳ نیز کشف المجوب ص ۳۸۔

۹۔ عوارف المعارف' اول ص ۳۴۔

۱۰۔ (i) کشف المجوب ص ۴۰۔ ۴۱۔

(ii) "The word sufi for a wearer of woollen garment is incorrect from the point of view of Arabic grammar. The word was invented by some Irani on the pattern of the grammar of his own language and assimilated into Arabic," __ Jalalu,d-Din- Humai- "Misbahu,t Hidaya (Tehran) p.81-82

۱۱۔ دیکھیے التعرف المذہب اہل التصوف ص ۲۱۔

۱۲۔ کشف المجوب ص ۴۲۔

۱۳۔ ملاحظہ کیجئے عوارف المعارف' دوم ص ۳۴۔

۱۴۔ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ' مجموع فتاویٰ' ریاض ۱۳۸۲ھ' یازدہم ص ۷۔

۱۵۔ کشف المجوب ص ۴۲۔

۱۶۔ ایضاً"۔ ص ۴۰۔

۱۷۔ شیخ ابونصر سراج طوسی نے "یکثر فی ذلک الروایات والاخبار" کہہ کر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے' دیکھیے کتاب اللمع ص ۲۱۔

۱۸۔ حجتہ الاسلام ابوحامد محمد الغزالی' احیاء علوم الدین' مصر ۱۳۳۴ھ' چہارم ص ۳۰۴۔ ۳۰۵۔

۱۹۔ ابن عبدربہ' العقد الفرید' قاہرہ ۱۹۵۳ء' دوم ص ۱۸۷۔

۲۰۔ کشف المحجوب ص ۶۸۔

۲۱۔ عوارف المعارف اول ص ۳۴۔

۲۲۔ کہف : ۲۸۔

۲۳۔ عبس : ۱۔

۲۴۔ دیکھئے کتاب اللمع ص ۱۳۳ و عوارف المعارف' اول ص ۳۴۔

۲۵۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ' الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان' مصر ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء' ص ۳۰

۲۶۔ ایضاً" ص ۳۰۔

۲۷۔ ایضاً"۔ ص ۳۰۔

۲۸۔ تلبیس ابلیس ص ۱۶۲۔

۲۹۔ عوارف المعارف' اول ص ۳۴۔

۳۰۔ بقرہ : ۲۷۳۔

۳۱۔ ایضاً" : ۲۷۱۔ ۲۷۳۔

۳۲۔ صحیح البخاری' کتاب المحاربین من اہل الکفر و الردۃ' قاہرہ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء الجزء الثامن ص ۲۰۲۔

۳۳۔ دیکھئے عوارف المعارف' اول ص ۳۵۔

۳۴۔ الرسالۃ القشیریہ ص ۹۔

۳۵۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۲۵۴۔

۳۶۔ کتاب اللمع ص ۲۲۔

۳۷۔ دائرہ معارف اسلامیہ' لاہور ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء ششم ص ۴۱۹' میسینون نے اسکندریہ کی ایک شورش کے موقعہ پر "صوفی" کی جمع "صوفیہ" کے استعمال کا ذکر کیا ہے۔ یہ شورش ۱۹۹ھ میں نہیں بلکہ ۲۰۰ھ کے ماہ رمضان اور ذوالعقدہ کے درمیانی ہوئی تھی' دیکھئے الکندی' کتاب الولاۃ و کتاب القضاۃ بیروت ۱۹۰۸ء ص ۱۶۲۔ ویسے صوفیہ نام کی ایک جماعت کا ذکر امام مالک (وفات ۱۷۹ھ/۷۹۵ء) کے سامنے ہوا ہے' جن کے احوال سن کر امام مالک اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے' دیکھئے قاضی عیاض' ترتیب

المدارک، بیروت ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء اول ص ۱۸۰۔

۳۸۔ مولانا عبدالرحمٰن بن احمد جامی، نفحات الانس، تصحیح و مقدمہ و پیوست مہدی توحیدی پور، طہران ۱۳۳۷ھ۔

۳۹۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، مصر ۱۲۷۴ھ، اول ص ۲۲۔

۴۰۔ طہ عبدالباقی سرور، اعلام التصوف الاسلامی، مصر، دوم حاشیہ ص ۳۰۔

۴۱۔ ڈاکٹر ذکی نجیب، جابر بن حیان، مصر ۱۹۶۱ء، ص ۱۶۔

۴۲۔ دائرہ معارف اسلامیہ، ششم ص ۴۱۸۔

۴۳۔ دیکھئے الامام الحافظ محمد بن احمد الذہبی، میزان الاعتدال، بیروت ۱۹۶۳ء، دوم ص ۱،۲

۴۴۔ دیکھئے مجموع فتاویٰ، یازدہم ص ۶۔

۴۵۔ ملاحظہ کیجئے امام جلال الدین سیوطی، کشف الاحوال فی نقد الرجال، لکھنؤ ۱۳۰۳ھ، ص ۷۲۔

۴۶۔ دیکھئے کتاب الضعفاء الصغیر، تحقیق محمود ابراہیم زائد، حلب ۱۳۹۶ھ ص ۷۶ نیز دیکھئے ابن حبان، کتاب المجروحین، حلب ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء، دوم ۱۵۴۔ ۱۵۵۔

۴۷۔ ملاحظہ کیجئے میزان الاعتدال، دوم ص ۱۴۲۔

۴۸۔ اس سلسلہ میں مثال کے طور دیکھئے کتاب اللمع ص ۲۲، الرسالۃ القشیر ص ۹ عوارف المعارف، اول ص ۳۵۔ ۳۶۔

۴۹۔ عوارف المعارف، اول ص ۳۵۔

۵۰۔ مثال کے طور پر دیکھئے اعراف: ۱۵۷، انفال: ۷۴، حشر: ۸ وغیرہ

۵۱۔ الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۶ و عوارف المعارف اول ص ۳۰۔

۵۲۔ شیخ فرید الدین عطار، تذکرۃ اولیاء، دہلی ۱۳۱۷ھ، ص ۷۶۔

۵۳۔ کشف المحجوب ص ۳۲۔

۵۴۔ عوارف المعارف اول ص ۳۱۔ ۳۲۔

۵۵۔ کشف المحجوب ص ۳۲۔

۵۶۔ الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۶۔

۵۷۔ الرسالتہ القشیریہ ص ۱۶۶ و عوارف المعارف' اول ص ۲۹۔ ۳۰۔

۵۸۔ تاریخ مشائخ چشت' ص ۱۳۴۔

۵۹۔ تاریخ مشائخ چشت' ص ۱۳۶ بحوالہ شجرۃ الانوار'

۶۰۔ خواجہ احمد ابدال کا مزار چشت میں واقع ہے۔ (Vol 1 p 528 Glossary)

۶۱۔ خواجہ ابو اسحاق شامی عام عقیدہ کے مطابق چشت میں مدفون ہیں لیکن درحقیقت ان کا مزار چشت میں نہیں بلکہ شام میں بمقام عکہ واقع ہے۔ (Vol1 p 528 Glossary)

۶۲۔ تاریخ مشائخ چشت' ص ۱۳۶۔

۶۳۔ داراشکوہ نے سفینتہ الاولیا میں لکھا ہے کہ مشائخ چشت کے جو شجرے صوفیہ کے تذکروں میں درج کیے گئے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علو دینوری اور شیخ ممشاد دینوری ایک ہی شخصیت ہے۔ اس لیے اس نام کو شیخ ممشاد علو دینوری بھی لکھتے ہیں۔ لیکن نفحات الانس اور بعض دوسری کتابوں کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ شیخ علو دینوری کوئی اور ہیں اور شیخ ممشاد دینوری کوئی اور۔ یعنی ان ناموں کا تعلق کسی ایک شخصیت سے نہیں بلکہ دو مختلف شخصیتوں سے ہے۔ (تاریخ مشائخ چشت' ص ۱۳۷۔)

۶۴۔ تذکرۃ الاولیا' ص ۳۸۳۔ ۳۸۴۔

۶۵۔ نفحات الانس (مطبوعہ بمبئی)' ص ۶۰' ۶۲۔ ۲۰۶ وغیرہ۔

۶۶۔ تذکرۃ الاولیاء' ص ۲۸۳۔

۶۷۔ تاریخ مشائخ چشت' ص ۱۳۷۔ نیز دیکھیں خزینتہ الاصفیا' ج اول' ص ۲۴۰۔

۶۸۔ تاریخ مشائخ چشت' ص ۱۳۹۔

۶۹۔ بزم صوفیہ' ص ۳۵۔ تاریخ مشائخ چشت' ص ۱۴۲۔ عبدالقدوس گنگوہی' ص ۴۹۔ ۵۰

۷۰۔ نفحات الانس' ص ۲۰۷۔

۷۱۔ سیر العارفین' ص ۱۱۵۔

۷۲۔ بزم صوفیہ' ص ۸۹۔ ہندوستان میں اسلام۔ عزیز احمد۔ ص ۳۹۔

۷۳۔ شیخ شہاب الدین کی ولادت ۵۴۲ھ میں اور وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی۔ مزار اقدس بغداد میں ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۸۹۔ (Glossary Vol p 544)' ملتان میں نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔

۷۴۔ یار محمد خاں' دہلی کی ترک سلطنت میں مذہب اور سیاست' جرنل آف۔ ریسرچ' پنجاب یونورسٹی' ج ۲' ش ۱' جنوری ۱۹۶۷ء ص ۳۲۔

۷۵۔ قاضی جاوید۔ پنجاب کے صوفی دانشور ص ۹۱۔ ۹۲

۷۶۔ Glossary Vol1 p 544۔

۷۷۔ بہاء الدین زکریا ملتانی' ص ۲۲۔ غریب نواز' ص ۳۹۔

۷۸۔ آب کوثر' ص ۲۹۳۔ انوار حسین نے مولانا عبیداللہ سہروردی (متوفی ۱۸۸۶ء) پر جو مضمون لکھا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سہروردیہ سلسلہ کے بانی اول شیخ ابو نجیب سہروردی تھے۔ (دیکھیں پاکستان ٹائمز بابت ۶۶-۶-۱۶)

۷۹۔ آپ کا نام عبدالقادر' ضیاالدین' نجیب الدین القاب' سہروردیہ کے رہنے والے تھے۔ سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق تک پہنچتا ہے۔ طیلسان اوڑھتے' عالموں کا لباس زیب تن کرتے' خچر پر سوار ہوتے اور لوگ آپ کا زین پوش تھامے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ دور دور سے لگ آپ کے پاس آتے اور اکتساب فیض کرتے تھے۔ آپ کی صحبت سے بڑے بڑے لوگ نکلے۔ مثلاً شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی' شیخ عبداللہ بن مسعود رومی وغیرہ۔ تادم واپسیں آپ بغداد میں رہے۔ ۵۶۳ھ میں انتقال فرمایا اور اپنے مدرسے میں جو دریائے دجلہ کے کنرے واقع تھا' دفن ہوئے۔ مزار اقدس بغداد مین زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۸۰۔ (طبقات الاولیا ترجمہ الطبقات الکبری' ص ۲۷۳۔ ۷۴)

۸۱۔ تاریخ مشائخ چشت' ص ۱۳۱۔ ۱۳۲۔

۸۳۔ یہ کتاب تصوف کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ ساتویں صدی ہجری مطابق تیرھویں صدی عیسوی میں جب سلسلوں کی تنظیم شروع ہوئی تو سہروردیہ سلسلے کے علاوہ دیگر سلسلوں نے بھی اس کتاب کو اپنا لیا۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تصوف کے بنیادی اعتقادات' خانقاہوں کی تنظیم' مریدین و شیوخ کے تعلقات اور

دیگر مسائل پر نہایت وضاحت سے کتاب و سنت کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ تصوف کی اصطلاحات کے معنی مختصر لیکن جامع طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ ایک طرف تو تصوف کا پورا فلسفہ اس میں مدون ہو گیا ہے اور دوسری طرف خانقاہی نظام کے متعلق تفصیلی بحث آگئی ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے مشائخ بھی اس کتاب کی بڑی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ بابا فرید گنج شکر اپنے اعلیٰ مریدین و خلفا کو اس کا درس دیا کرتے تھے۔ (تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۱۴۔ ۱۱۵) محمد عونی کا بیان ہے کہ بابا فرید نے اس کتاب پر ایک حاشیہ بھی لکھا تھا۔ (دیکھیں گلزار ابرار قلمی) شیخ شہاب الدین کی تصانیف میں عوارف المعارف کے علاوہ کشف النصائح الایمانیہ و کشف النصائح الیونانیہ اور بہجت الاسرار بھی بہت مشہور ہیں جن سے اب تک فیوض و برکات حاصل کئے جاتے ہیں۔ (بزم صوفیہ ص۸۹)

۸۲۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سفینتہ الاولیاء، اذکار احرار۔ تذکرہ مشائخ کرام (فرشتہ) بزم صوفیہ۔ خزینتہ الاصفیاء وغیرہ۔

۸۳۔ رود کوثر، ص ۵۷۔ ۵۸۔

۸۴۔ اس بات کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ اہمیت اور تعداد کے لحاظ سے قادریوں کی زیارتیں پنجاب میں چشتیوں کے دوسرے نمبر پر ہیں۔ (دیکھیں p 432 (Glossary Vol III

۸۵۔ تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۳۱۔

۸۶۔ خزینتہ الاصفیاء اول، ص ۹۴۔۹۵۔ سفینتہ الاولیا، ص ۴۳۔ ۵۸۔

۸۷۔ رود کوثر، ص ۵۷۔ ۵۹۔

۸۸۔ تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۳۰۔

۸۹۔ نفحات الانس ۲۴۲۔ ۲۴۳۔

۹۰۔ غریب نواز، ص ۳۸۔

۹۱۔ ان اصطلاحات کی تفصیل کے لئے دیکھیں قول الجمیل مصنفہ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی۔

چوتھا باب

ملتان میں آمد

حضرت شیخ الاسلام" آرام اور سکون سے ملتان کو آ رہے تھے جب غزنی کے قریب پہنچے تو پتا چلا کہ ملتان کے فرمانروا سلطان ناصر الدین قباچہ اور غزنی کے خلجیوں کے درمیان لڑائی جاری ہے۔ اس لیے آگے جانے کا راستہ محفوظ نہیں۔ پھر بھی آپ بڑھتے ہوئے ایک ایسے گاؤں میں پہنچے جہاں سے قباچہ کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ یہ پر فضا اور کوہستانی مقام تھا۔ آپ کچھ دنوں کے لیے یہاں رک گئے اور حالات کا جائزہ لینے لگے۔ اس جگہ آپ کی آمد کا چرچا ہوا تو لوگ جوق در جوق اکٹھے ہو گئے۔ آپ کی رشد و ہدایت کی وجہ راہ راست پر آئے۔ یہ مقام آپ کے نام کی رعایت سے شیخ بہاء الدین ہو گیا تھا۔ آج کل "شیخ بدین "(۱) کہلاتا ہے اور صوبہ سرحد کا صحت افزا مقام ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ خلجیوں کو شکست ہوئی ہے ار وہ دہلی کے تاجدار سلطان شمس الدین التمش کے پاس امداد کے لیے گئے ہیں۔ التمش نے قباچہ کو شکست دی۔ قباچہ سندھ کو بھاگ گیا اور سلطان التمش دہلی لوٹ گیا۔ اب راستہ بھی کسی حد تک کھل گیا تھا۔ لہٰذا آپ تن تنہا ملتان کو چل دیئے۔ صاحب "انوار غوثیہ" کے بیان کے مطابق حضرت ۶۱۴ھ میں بغداد سے روانہ ہوئے۔ اندازہ ہے کہ آپ ۶۱۵ھ کے آغاز میں ہی یہاں سے ملتان کا رخ کیا ہو گا۔ آپ نے ہر مشکل اور کٹھن وقت میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اہل ملتان کی بھرپور اخلاقی اور مالی اعانت کی۔ تاکہ اس شہر کے لوگوں کی عزت، جان اور مال کی حفاظت ہو سکے۔

کاسہ شیر

"اخبار الاخیار" (ص ۶۳) اور "خزینۃ الاصفیاء" (ص ۲۱) میں ہے

کہ آپ جس وقت صاحب کمال و برکات ہو کر ملتان تشریف لائے تو اکابر ملتان میں کچھ حسد ظاہر ہوا اور بطور کنایہ آپ کی خدمت میں دودھ سے لبالب بھرا ہوا ایک پیالہ بھیجا۔ مطلب یہ تھا کہ ملتان اولیاء اللہ سے بھرا ہوا ہے اور مزید کسی اور کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ کسی اور جگہ ڈیرہ جمائیں۔ آپ ان کے اشارے کو بھانپ گئے۔ آپ نے اس بھرے ہوئے دودھ کے پیالے میں ایک گلاب کا پھول رکھ کر پیالہ واپس کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا ہمارا مقام اس شہر میں اس طرح رہے گا جس طرح دودھ پر گلاب کا پھول رکھا ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسی پھول کی طرح ہم نہ صرف یہاں سما سکتے ہیں بلکہ ہماری شہرت اور نیک نامی یہاں کے جملہ باخدا درویشوں پر غالب آئے گی۔ اکابر ملتان اس حسن ادا پر حیران رہ گئے اور آپ کی برکات کے معترف و مطیع ہو گئے۔ آپ نے اپنے پیر بے نظیر حضرت شیخ شہاب الدین کی ہدایت پر ملتان میں دینی تبلیغ، علمی ترویج، روحانی تصعید اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ ملتان اس وقت ہندوؤں کی آماجگاہ تھا اور ہندوؤں کا سب سے بڑا مندر (پرہلاد مندر) بھی یہیں تھا۔ جس کی دیوی کو دن میں کئی بار عرق گلاب سے غسل دیا جاتا تھا۔ دن بھر ہزاروں ہندو نذرانہ دینے اور پوجا کرنے آتے تھے۔ آپ نے اسی مندر کے متصل اپنا ڈیرہ ڈال دیا اور اذان کی آواز بلند کر کے ہندوؤں کو اسلام کے رنگ میں رنگ دیا۔ اپنے عزم کی استقامت، کردار کی عظمت اور اخلاق کی قوت سے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ بت پرست بھی آپ کا اس درجہ احترام کرنے لگے کہ انہوں نے اپنے بت کدہ کا ایک حصہ تک ان کے تصرف میں دے دیا۔ آپ کی روحانی عظمت و جلالت کے ساتھ ساتھ صرف یہی ایک بات کہ دشمنان دین تک آپ کے اخلاق حمیدہ سے اس درجہ متاثر تھے کہ اپنے عقائد کے خلاف ان کی تبلیغ کی مہم کو روکنے کے بجائے اسے برداشت کرنے ہی پر نہیں بلکہ ان سے تعاون کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ آپ کی عظمت کی دلیل ناطق ہے۔
دراصل یہ آپ کے اخلاق حمیدہ ہی کا اثر تھا کہ

پڑ گئی ایک نظر جس پہ، ہوا حلقہ بگوش

ملتان میں قیام

کہتے ہیں کہ جب آپ رونق افزائے ملتان ہوئے تو عرصہ تک گوشہ نشینی اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ بعدازاں متاہل ہوئے اور خلق اللہ کی ہدایت و رہنمائی میں سرگرمی اختیار کی۔ خلق خدا آپ کے مجلس وعظ و نصائح میں حاضر ہوتی اور فوائد دین و دنیا کو پہنچتی تھی۔ تھوڑے ہی عرصے میں آپ کی ہدایت وارشاد کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا۔ آپ کے مریدوں اور معتقدوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہو گئی۔ سارے اہالی خطہ ملتان آپ کے مطیع و منقاد اور دل و جان سے فرمانبردار و جاں نثار تھے۔ آپ کے فیوض و برکات سے سارا ہندوستان منور ہو گیا۔ ملتان' سندھ اور بلوچستان کے علاقہ کو تو آپ کی روحانی سلطنت کہا جاتا تھا۔ آپ کے مریدین ہرات' ہمدان اور بخارا میں بھی تھے۔ شہزادہ داراشکوہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی کی اصلاحی و تبلیغی کوششوں کو سراہتے ہوئے لکھتا ہے۔

"آپ طالبان حق کی ہدایت و ارشاد میں مشغول ہوئے۔ آپ کی برکت سے بہت سی مخلوق راہ راست پر آئی اور اس شہر اور اطراف کے بہت سے لوگ آپ کے معتقد ہوئے۔ آج بھی اس نواح میں آپ کے مرید کثرت سے موجود ہیں۔ آپ کی کرامات اور خوارق ظاہر ہیں۔(۲) ان کے عہد کو "خیر الاعصار" کہا جاتا ہے۔ شیخ محمد نور بخش اپنی کتاب "سلسلۃ الذہب" میں حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتانی قدس اللہ سرہ بلاد ہند میں رئیس الاولیاء تھے۔ آپ علوم ظاہری کے زبردست عالم اور صاحب احوال و مقامات اور صاحب مکاشفات و مشاہدات تھے' آپ ایسے مرشد کامل تھے جن سے اکثر اولیاء کے سلسلے نکلتے ہیں۔ لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی۔ آپ کا کفر سے ایمان' معصیت سے اطاعت اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف ہدایت کرنے میں بڑا مقام ہے۔ وہ شان عظیم کے مالک تھے۔(۳) آپ روحانیت کا وہ آفتاب عالمتاب تھے جس نے شریعت و طریقت کے امتیاز کو واضح کیا۔ خانقاہوں کو ان کی چھنی ہوئی عظمت بخشی۔ معرفت کے وہ پھول کھلائے جس کی خوشبو آج بھی طالبان حق کو دور دور سے ملتان سے کھینچ لاتی ہے۔

"الانوار غوثیہ" (شائع کردہ خادمان درگاہ) میں ہے کہ "حضرت کے وعظ سن کر ملک سندھ اور علاقہ ملتان اور لاہور کے اہل ہنود میں سے بھی بے شمار لوگوں نے جن میں بہت سے متمول تاجر اور بعض والیان ملک بھی تھے' دین اسلام اختیار کیا اور حضرت کے مرید ہوئے۔ اس کے علاوہ حضرت نے عامہ خلائق کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے زراعت اور تجارت کے کام کو رفتہ رفتہ بڑھایا۔ اطراف ملتان میں جہاں کہیں اچھا موقع ہوا' افتادہ جنگلوں کو آباد کرایا' چاہات اور نہریں احداث کرائیں اور تجارت کی طرف بھی حضرت نے توجہ فرمائی۔"(۴) آپ وہ جواد اعظم تھے جن کے خلفاء تاجروں کے روپ میں بیرون ممالک جاکر عوام کو اسلام سے روشناس کراتے تھے۔

اصلاح و تربیت

آپ عوام کی اصلاح و تربیت کی طرف خصوصیت سے توجہ دیتے تھے۔ اگر لوگوں کی عبادت میں کوئی غلطی محسوس فرماتے تو فوراً اس کو متنبہ کرتے۔ فوائد الفواد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے فرمایا کہ ملتان میں سلیمان نامی ایک شخص نہایت عابد و زاہد تھا۔ شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی اس کے پاس گئے اور اس سے کہا اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھو تاکہ میں دیکھوں کہ تم کس طرح نماز پڑھتے ہو۔ وہ شخص اٹھا اور اس نے نماز شروع کی لیکن نماز میں حالت قیام میں دونوں قدموں کے درمیان مسنون فاصلہ نہ چھوڑا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اپنے دونوں قدموں کے درمیان اس قدر فاصلہ رکھو کہ جتنا مسنون ہے اس سے کم اور زیادہ نہ ہونا چاہیے لیکن اس نے پھر بھی دونوں قدموں کے درمیان اتنا فاصلہ نہ کیا اور نماز شروع کی۔ شیخ نے دوبارہ اسے ٹوکا اور بتایا کہ دونوں قدموں میں اس قدر فاصلہ ہونا چاہیے وہ پھر بھی شیخ کے بتانے کے باوجود اپنے قدموں کے درمیان اتنا فاصلہ قائم نہ کرسکا۔ حضرت شیخ نے فرمایا جاؤ اوز اچ میں مقیم ہو کر (تعلیم و تربیت) حاصل کرو چنانچہ وہ اچ چلا گیا اور آپ کی توجہ سے بڑے مرتبہ پر پہنچا۔"(۵)

ایک دفعہ ایک بہت بڑا عالم' دانشور بخارا سے دہلی آیا۔ جب وہ ملتان پہنچا تو اپنے علمی پندار و رعونت کی وجہ سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی سے ملنے نہ گیا۔ جب وہ ملتان سے دہلی روانہ ہونے لگا تو اس کے ساتھیوں نے اصرار کیا کہ اسے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے ملنا چاہیے۔ آخر وہ اپنے ساتھیوں کے اصرار پر آپ کی خدمت میں اس شان سے حاضر ہوا کہ دستار کا شملہ نیچے تک لٹکا ہوا تھا اور لمبے لمبے بال شانوں تک پڑے تھے۔ آپ نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا دو دو سانپ لے کر آئے ہو۔ اس ارشاد کے ساتھ ہی اس کی رعونت دور ہو گئی اور اس نے اسی وقت اٹھ کر سر منڈایا اور ستار کے شملے کو چھوٹا کیا اور آپ سے بیعت ہو کر ایک عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہا۔"(٦)

تلاوت قرآن مجید

تلاوت قرآن مجید سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا۔ ایک دفعہ اپنی مجلس میں اپنے خلفاء سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ جو دو رکعت نماز کی نیت باندھے اور ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کرے اور چار پارے اور پڑھے۔ آپ کی یہ بات سن کر سب خاموش رہے اور کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر آپ خود ہی نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز کی نیت باندھ کر پہلی رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کیا اور چار پارے مزید پڑھے اور پھر دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھی۔

فرمایا کرتے تھے اہل اللہ سے مجھے جو فیض پہنچا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور جس کام کے لیے ارادہ کیا وہ پورا ہوا۔ لیکن اب تک جو کام نہیں ہو سکا وہ یہ ہے کہ ایک بزرگ ابتدائے صبح سے سورج کے طلوع ہونے تک ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ میں نے اس کی بے حد کوشش کی مگر یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ تین چار پارے باقی رہ جاتے ہیں لیکن "سیر العارفین" کے مولف شیخ جمالی کا بیان ہے کہ ان کے پیر شیخ سماء الحق کے والد بیان کرتے تھے کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی عادت تھی کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام

مجید شروع کرتے تھے اور فجر کی نماز کی سنتوں تک پرا پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے۔(۷) اس وظیفہ میں کبھی ناغہ نہ کیا۔ شریعت محمدیہ کا وہ ماہ کامل' جس کی زبان لمہ بھر ذکر الہٰی سے غافل نہ ہوئی۔ آنکھیں خوف الہٰی سے اشکبار رہیں۔ پاؤں رات بھر قیام رہنے کے سبب متورم ہو جایا کرتے تھے' نے فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیا۔

"حضرت نظام الدین اولیاء یہ آیت کریمہ پڑھتے" یاایھا الرسل کلوا من الطیبات و اعمولا صالحا۔ (یعنی اے جماعت انبیاء کرام! حلال و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو) اور فرماتے ہیں شیخ زکریاؒ کے حق میں یہ آیت صحیح طور پر صادق آتی ہے۔"(۸)

عادات و اخلاق

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی حسن اخلاق و بہترین عادات کا ایک مکمل نمونہ تھے تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنی تعظیم و تکریم ناپسند فرماتے تھے۔ امیرانہ شان سے رہتے تھے مگر غرباء اور فقراء کی وہ تعظیم کرتے تھے کہ دیکھنے والے متحیر رہ جاتے تھے۔ "ایک دفعہ خانقاہ میں کچھ مرید وضو کر رہے تھے کہ اتفاق سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی وہاں تشریف لائے۔ سب مرید وضو نامکمل چھوڑ کر آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور سلام کیا۔ لیکن ایک مرید وضو مکمل کر کے کھڑا اور تعظیم بجالایا۔ آپ نے فرمایا تم سب درویشوں سے افضل ہو اور زاہد ہو۔"(۹)

لیکن خود دوسروں کی بڑی تعظیم و توقیر کرتے تھے' حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب ملتان تشریف لائے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ان سے بہت تعظیم و توقیر سے پیش آئے۔ اور انہیں اپنے پاس ٹھہرایا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی کی بڑی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ جب معتقدین نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے عرض کیا کہ وہ ملتان میں قیام فرمائیں تو فرمایا کہ ملتان پر شیخ بہاء الدین کا

سایہ اور قبضہ کافی ہے۔ انہیں کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔

فقرو غنا

استغنا و بے نیازی کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دن اپنے خادم سے فرمایا کہ جس صندوقچے میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہیں لے کر آؤ۔ خادم آیا اور اس نے واپس آکر کہا صندوقچہ کہیں نہیں ملتا فرمایا الحمد للہ۔ خادم دوبارہ گیا اس مرتبہ تلاش کرنے پر وہ صندوقچہ اسے مل گیا۔ اپ اس پر بھی الحمد للہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا آپ نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمد للہ کہا اور مل جانے پر بھی الحمد للہ فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا بات یہ ہے کہ فقیروں کے لیے دنیا کا وجود اور عدم برابر ہے۔ انہیں نہ کسی چیز کے ملنے پر خوشی ہوتی ہے نہ کسی چیز جانے کا غم۔

نہ جانے کا غم ہے نہ آنے کی راحت

پھر وہ پانچ ہزار دینار ضرور تمندوں میں تقسیم کردیئے۔(۱۰)

شیخ زکریاؒ ایسے مستغنی اور شاکر تھے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ اتیناہ فی الدنیا حسنۃ وانہ فی الاخرۃ لمن الصلحین (یعنی ہم نے ان کو دنیا میں بھی اچھائی عطا فرمائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہیں) وہ آپ پر پوری طرح صادق آتا ہے ایک بار آپ کے ہمعصر شیخ نے آپ کی کثرت مالی (فقرو غنا) کی نسبت کچھ گفتگو کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ مال دینا کتنا ہی کیوں نہ ہو تاہم قلیل ہے۔ قل متاع الدنیا قلیل اور سانپ کی محبت اس شخص کو ضرر پہنچاتی ہے جو اس کا منتر نہ جانتا ہو۔ میرے نزدیک مال دینا (غنا) کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ تو میرے رخسارۂ حال کا خال (تِل) ہے۔(۱۱)

آپ کی دولت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے سات صاحبزادوں کو جائداد منقولہ و غیر منقولہ کے علاوہ سات سات لاکھ پونڈ نقد حصہ میں آئے۔ غوث العلمین ان اکابر اولیاء سے تھے جن کا دل دینا کے نفع و نقصان سے اثر قبول نہیں کیا کرتا۔

"فوائد الفواد" میں کہ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے متعلق فرمایا کہ شیخ جب کسی کو کوئی چیز عنایت فرماتے تو بہترین چیز عنایت فرماتے۔ آپ کے صاحب زادوں کو جو معلم تعلیم دیتے تھے ان کی غیر معمولی توقیر کرتے اور ان کو مال و دولت سے نوازتے تھے۔(۱۲) "ملتان میں ایک دفعہ قحط پڑا اور ملتان کے حاکم کو غلے کی ضرورت ہوئی حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتانی نے بڑی مقدار میں غلہ اس تک پہنچا دیا۔ جب غلہ اس کے پاس پہنچا تو نقرئی ٹنکوں سے بھرے ہوئے سات کوزے بھی نکلے، ملتان کے حاکم نے آپ کو اسی کی اطلاع دی۔ فرمایا ہمیں پہلے سے معلوم تھا ہم نے غلے کے ساتھ یہ ٹنکے بھی دیئے۔"(۱۳) آپ سخاوت کا وہ پیکر تھے جن کے نورانی ہاتھ ہمیشہ محتاجوں کے لیے اٹھتے رہے۔

"جب ۱۲۴۶ء بمطابق ۶۴۴ھ میں منگول ملتان میں داخل ہوئے۔ ہرات کا حکمران بھی ان کے ساتھ مل گیا اور وہ برج اور مورچے گرا کر شہر میں قتل و غارت کرنے کو تھے تو حضرت مخدوم شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے اپنے پاس سے حملہ آوروں کو ایک لاکھ دینار کی رقم پیش کی اور انہیں محاصرہ اٹھا لینے پر راضی کیا اور اس طرح شہر تباہی سے بچ گیا۔"(۱۴)

بعض روایتوں میں اس قصے کی یہی صورت ہے مگر آٹھویں صدی ہجری کا مورخ سیفی ہروی اپنی کتاب "تاریخ نامہ ہرات" طبع کلکتہ ص ۱۵۷ پر لکھتا ہے کہ شیخ الاسلام حاکم ملتان کی طرف سے تاتاریوں سے بات چیت کرنے کے لیے گئے اور یہ طے کیا کہ تاتاریوں کو حاکم شہر لاکھ دینار دے دے تو وہ شہر سے چلے جائیں گے۔ دوسرے دن شیخ الاسلام لاکھ دینار لے کر شہر سے باہر آئے۔ مگر یہ نہیں کہا کہ یہ رقم وہ اپنے خزانہ سے لائے۔

(آب کوثر ص ۲۹۷ میں سال ۱۲۵۷ء درج ہے جبکہ "اردو معارف اسلامیہ کراسہ" ۵ میں ۱۲۴۶ء درج ہے)

حلم و بردباری

حلم و بردباری حضرت بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی کا امتیازی وصف تھا۔ "ایک

دفعہ گدڑی پوش قلندروں کی ایک جماعت نے آپ کے پاس آکر مالی مدد مانگی۔ آپ نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ قلندروں نے یہ دیکھا تو گستاخی شروع کی اور اینٹ پتھر سے آپ کو مارنے لگے۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو۔ اب قلندروں نے دروازے پر پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ارشاد فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔ میں اس جگہ خود نہیں بیٹھا بلکہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کا بٹھایا ہوا ہوں۔ خادم نے دروازہ کھول دیا۔ قلندر اپنے قصور پر نادم ہوئے اور آپ سے معافی چاہی۔ سر قدموں پر رکھ دیا اور رخصت ہوئے۔ انہوں نے کیا دیکھا خدا بہتر جانتا ہے۔ جب شیخ بہاء الدین زکریا ؒ نے خانقاہ کا دروازہ بند کرنے کو کہا وہ ان کی بشریت تھی۔ نیز وہ وقت معلوم نہیں کیسا وقت تھا۔ پھر جب وہ گھڑی گزر گئی تو آپ نے دروازہ کھول دیا۔" (۱۵)

اشاعت اسلام کا سہروردی نظام

آپ کو اپنے مرشد شیخ الشیوخ نے ملتان میں ایک سہروردی خانقاہ قائم کرنے کا حکم دیا آپ ملتان میں نصف صدی سے کچھ زائد عرصے تک کام کرتے رہے۔ ان کی خانقاہ جو ایک شاندار عمارت ہے اور جس میں مقیمین اور زائرین کے رہنے کے لیے الگ الگ جگہیں ہیں۔ قرون وسطی کے ہندوستان میں صوفیانہ تلقین کا ایک بہت بڑا مرکز بن گئی تھی' جہاں نہ صرف شرعی علوم کی تعلیم دی جاتی بلکہ اشاعت اسلام کے لیے مبلغین بھی تیار کئے جاتے تھے۔ رشد و ہدایت عوام اور خواص دونوں کے لیے تھی۔ دونوں طبقوں کو اپنی ذات بابرکت سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے۔ لوگوں کی ہدایت کیلئے تبلیغی جماعتیں روانہ کی جاتی تھیں۔ یہ اپنے نان نفقہ کا بوجھ کسی پر نہیں ڈالتی تھیں بلکہ حضرت شیخ الاسلام ؒ کی طرف سے لاکھوں روپے کا ساماں تجارت خرید کر دیا جاتا تھا۔ جس سے معقول منافع ہوتا تھا۔ ساتھ کاروبار (دینی دنیاوی) کی تربیت بھی ہوتی تھی۔ سہروردی اپنے نمونہ ہائے عمل سے یہ واضح کر رہے تھے کہ انسان خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر دنیا کی ہر نعمت سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ان کی زندگی پوری متشرع زندگی تھی۔ انہوں نے

محلوں کی زندگی بسر کر کے اور زر و جواہر میں کھیل کر دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ "دنیا اور اس کی نعماء بھی خدا نے بندوں ہی کے لیے پیدا کی ہیں اور وہ اس میں رہ کر بھی فقیری کر سکتے ہیں اور اللہ کے مقبول بندے بن سکتے ہیں۔ ان کا قول تھا کہ کمال یہی ہے کہ انسان تمام لذائذ و نقائص اور دینوی مشغلوں میں پھنس کر بھی خدا کو فراموش نہ کرے۔ اس سلسلہ میں فقر و فاقہ کی زندگی کو کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ انہیں حکم ہے کہ عام دنیاداروں کی طرح کھائیں کمائیں۔ لذائذ دینوی سے فائدہ اٹھائیں اور خدا کو نہ بھولیں۔ یہاں روزہ نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ حصول دنیا کی بھی اجازت تھی۔ یعنی روپیہ کمانے پر کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ دنیا سے کنارہ کشی کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی۔

آپ تارک الدنیا ہو کر خانقاہوں میں قید ہو جانے یا زندگی کے حقائق و شدائد سے فرار اختیار کر کے ویرانوں میں پناہ ڈھونڈنے کے خلاف تھے۔ اور اپنے مریدوں کو ہمیشہ عمل پیہم اور جدوجہد مسلسل کی دعوت دیتے تھے۔ آپ نے یہاں کے لوگوں کو تجارت، صفت و حرفت اور زراعت سے روشناس کرایا۔ کاشتکاری کے لئے زمینیں تیار کرائیں اور لوگوں کو رزق حلال کمانے کی ترغیب دی۔ بستی بستی جا کر لوگوں میں محنت کو اپنا شعار بنانے کا جذبہ بیدار کیا۔

ملتان کی عظیم الشان یونیورسٹی

آپ نے ملتان شہر کو ہمدوش ثریا بنا دیا۔ آپ نے ملتان کی حالت علم ظاہری باطنی سے بدل کر رکھ دی۔ ہر طرف مسجدیں، مدرسے، خانقاہیں، مجلس خانے، محلسرا اور لنگر خانے تعمیر ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے خوبصورت فلک فرسا عمارتیں تیار ہو گئیں۔ ملتان میں آتے ہی آپنے پہلا دینی مدرسہ قائم کیا۔ یہ مدرسہ برصغیر کا قدیم ترین دینی مدرسہ شمار ہوتا ہے۔ ملتان کا وہ مدرسہ جس کے آپ (حضرت شیخ الاسلامؒ) مہتمم تھے، آہستہ آہستہ اسلام کی مرکزی یونیورسٹی کی صورت اختیار کر گیا۔ جس میں جملہ علوم و فنون منقولات اور معقولات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ خود حضرت بہاء الدین زکریاؒ اس کے پرنسپل تھے اس میں نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ

بلاد الیشیاء، عراق، شام اور حجاز تک کے طلباء، زیر تعلیم تھے جن کی تعداد کئی ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اور اس میں برابر اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ آپ کے درس کی اتنی دھوم تھی کہ بلاد اسلامیہ کے طالب علم تحصیل علم کے لیے ملتان تشریف لائے تھے۔ اور جو طالب علم طویل مدت گزار کے کسی اور ملک میں بھی جاتا تو اسے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے لکھا جاتا۔ آپ نے اپنی درس گاہ سے ایک لاکھ سے زائد ایسے باعمل اشخاص پیدا کئے جنہوں نے مشرق میں ملائیشیاء اور انڈونیشیا، سمرقند و بخارا، خراسان اور مشرق وسطی تک پھیل کر بندگان خدا کی دینی فلاح اور معاشرتی و معاشی خوشحالی کی راہیں ہموار کیں۔

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نماز خود بھی درس فرماتے تھے۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں، (ترجمہ) "شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے بعد منبر پر بیٹھ جاتے اور قرآن حکیم کی تفسیر بیان فرماتے اور حدیث کی تدریس کرتے۔ کبھی کبھی پچھلے بزرگوں کے قول، حکایات اور اشعار سے بھی استفادہ کرتے۔(۱۶)

منشی عبدالرحمان کی تصنیف "آئینہ ملتان" میں اس مدرسے کے تعارف کے سلسلے میں لکھا ہے کہ "یہ سلسلہ سہروردیہ کا ملتان میں سب سے پہلا مدرسہ عالیہ تھا جو حضرت بہاء الدین نے تعلیم دین و دنیا کے لیے قائم کیا تھا۔ یہ موجودہ خانقاہ کے ساتھ واقع تھا۔ آپ بہ نفس نفیس اس میں درس دیا کرتے تھے۔ اس مدرسہ کے کتب خانے کا شہرہ ہندوستان میں دور دراز تک پہنچ چکا تھا۔ وہاں سے ہر شعبہ حیات کے لوگ اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لیے ملتان کھنچے چلے آتے تھے۔ اس دور میں علوم اسلامیہ کی تدریس میں نمایاں تبدیلیاں ہوئیں۔ فقہ اور اصول فقہ کے ساتھ منطق اور معمول کی کتابیں بھی داخل نصاب کر دی گئیں۔ یہ مدرسہ اور کتب خانہ لنگاہ خاندان کے زمانہ میں مرزا حسین ارغوانی کے حملہ ملتان میں تباہ ہو گیا۔ اس کے رہے سہے آثار سکھوں نے مٹا دیئے۔"(۱۷)

حضرت زکریا ملتانی کی دیکھا دیکھی ناصرالدین قباچہ نے بھی ملتان میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس نے علامہ قطب الدین کاشانی کو کاشان سے بلا کر اس مدرسے کا مہتمم مقرر کیا۔ اس مدرسے کا نام دارالعلوم تھا اور یہ مدرسہ بہائیہ کے مقابلے میں

قائم کیا گیا تھا۔ اس مدرسے میں منطق، فلسفہ اور علم الکلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ طلبہ کی ایسی خاصی تعداد تھی جن کے قیام و طعام کا انتظام سرکار کرتی تھی۔ اس کے لیے الگ عمارت تعمیر کی گئی۔ مولانا کاشانی کے بعد مولانا وجیہ الدین اس مدرسے کے نگران اعلیٰ مقرر ہوئے۔(۱۸)

ان ہزاروں طلباء کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم مفت ملتی تھی۔ تمام سامان نوشت و خواند، کتابیں، قلم دولت، تختیاں کاپیاں مدرسہ کی طرف سے بہم پہنچائی جاتی تھیں۔ لنگر خانے سے دونوں وقت کھانا ملتا تھا۔ ضرورت مندوں کو کپڑے بھی مہیا کر دیئے جاتے تھے ان طلباء کے لیے حجروں کی صورت میں ایک عظیم الشان بورڈنگ ہاؤس بھی تھا۔ اس یونیورسٹی سے بڑے بڑے نامور اور فقید المثال علماء پیدا ہوئے۔ جنہوں نے ملتان کی علمی و ادبی شہرت کو فلک الافلاک تک پہنچا دیا۔ آج پوری دنیا میں کوئی ایک یونیورسٹی بھی ایسی ڈھونڈے نہیں مل سکتی جس کے مصارف کوئی حکومت بھی تنہا برداشت کرتی ہو حالانکہ یہاں صرف ایک حضرت شیخ الاسلامؒ ہی کی ذات واحد پر نہ صرف تعلیم، تنخواہ، درستی عمارت بلکہ طلباء کے خورد و نوش اور سامان نوشت و خواند کا بھی بار تھا اور پورا بار تھا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کو آبائے کرام سے بہت بڑا خزانہ ترکہ میں ملا تھا۔ جسے آپ نے درویشوں کے حجرے اور مسافروں کے لیے سرائیں تعمیر کرنے اور درس گاہ کے ابتدائی انتظامات پر خرچ کر دیا۔ اس کے باوجود روزانہ لاکھوں روپے آتے اور لاکھوں خرچ ہو جاتے۔

اس یونیورسٹی کے فارغ التحصیل افراد محض مذہبی امور و معاملات اور فقہی مسائل سے بخوبی آگاہ ہونے اور لوگوں کو اس سلسلے میں بھرپور معلومات بہم پہنچانے کے علاوہ معاشی، تجارتی، صنعتی اور فنی شعبوں میں بھی رہنما ثابت ہوتے تھے کیونکہ اس ادارے میں محض روحانی اور مذہبی نہیں بلکہ اخلاقی اور معاشی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ تاکہ اس عظیم درسگاہ میں گزرا ہوا وقت اور یہاں سے حاصل ہونے والی معلومات حصول معاش میں بھی ممد و معاون ثابت ہو سکیں۔ آپ نے اپنا تمام مال تجارت میں لگا دیا تھا۔ اور اس سے جو نفع حاصل ہوتا تھا وہ تبلیغی مساعی جمیلہ اور غریب اور ضرورت مند طلبہ کی مالی امداد اور معاونت پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

یہی نہیں بلکہ جو طلبہ آپ کی قائم کردہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو جایا کرتے انہیں آپ مال تجارت خرید کر کسی دور افتادہ علاقے میں بھیج دیا کرتے تھے۔ اس طرح اس یونیورسٹی سے حاصل کی ہوئی روشنی کو دور دور تک پھیلانے میں مدد ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جنوبی ایشیاء کے تمام اطراف و اکناف اسلام کے نور سے منور ہو گئے۔

علومِ باطنی کا شاندار (۱۹) اہتمام

ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ آپ فیض باطنی سے بھی لوگوں کو فیض پہنچاتے تھے۔ علوم الہیہ اور علوم باطنی کے لیے ایک عظیم الشان خانقاہ جداگانہ طور پر قائم تھی اس میں بھی چین، ترکستان، خراسان، ماورالنہر، شام اور مصر کے طالبان حقیقت اور درویشوں کا اجتماع رہتا جو ذکر و شغل اور مجاہدہ و ریاضت میں رہتے تھے۔ جسے آپ جوہر قابل سمجھتے تھے خرقہ خلافت عطا کر کے جہاں ضرورت ہوتی تھی وہاں متعین کر دیتے تھے۔ اس سہروردی خانقاہ عالیہ ملتانیہ سے بلامبالغہ ہزارہا افراد ولی کامل بن کر نکلے۔ اس خانقاہ سہروردیہ میں بڑے بڑے بلند پایہ بزرگ تشریف لاتے اور قیام پذیر ہوتے رہتے تھے۔ خواجہ غریب نوازؒ، قطب الاقطاب قاضی حمید الدین ناگوریؒ، خواجہ بختیار کاکیؒ، بابا فرید گنج شکرؒ، جلال الدین تبریزیؒ جیسے اکابر و اعاظم اولیائے ہند بھی آتے اور قیام کرتے رہے ہیں۔ مجلس خانہ اس خانقاہ عالیہ کا ایک جزو تھا جہاں تکمیل شدہ اور باکمال صوفیہ اور اولیاء کا ہمہ وقت اجتماع رہتا تھا۔ اور بادۂ عرفان کے دور چلتے رہتے تھے۔

اس خانقاہ کی ایک خصوصیت امتیازی یہ بھی تھی کہ اس خانقاہ میں طلباء کو ترک و تجرید اور ترک و علائق کی تعلیم نہ دی جاتی تھی بلکہ حکم تھا کہ خلفاء و مرید عام دنیاداروں کی طرح رہیں۔ عیش و آرام سے زندگی بسر کریں۔ روپیہ پیدا بھی کریں اور زر رکھیں بھی مگر اطاعت الٰہی و ذکر ربانی سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہوں اور معاصی سے بچتے رہیں۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ملتان میں ایک ایسا علمی و

دینی مدرسہ قائم کیا جس کے فارغ التحصیل اور تربیت یافتہ علماء، مبلغین اور واعظین نے نہ صرف برصغیر کے کونے کونے میں بلکہ بیرون ملک یعنی جاوا، سماٹرا، انڈونیشیا، فلپائن، خراسان اور چین تک اسلام کی روشنی پھیلائی۔ یہ مدرسہ ایک اقامتی یونیورسٹی کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں ہر ملک کے فاضل جمع تھے۔ ان کا کام تدریس دینا تھا۔ انہیں معقول مشاہرہ ملتا تھا اور ان کے رہنے سہنے کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ طالب علموں کے رہنے اور کھانے پینے کا بھی معقول انتظام تھا۔ اس درس گاہ میں دو شعبے تھے۔ ایک کا کام علماء پیدا کرنا اور دوسرے کا مبلغین اور واعظین کی جماعت تیار کرنا تھا۔ مبلغین کو دوسرے ممالک میں تبلیغ اسلام کے لیے بھجوایا جاتا تھا۔ اس لیے انہیں ان ممالک کی تہذیب و ثقافت اور زبان کے بارے میں خاص طور پر تعلیم دی جاتی تھی تاکہ انہیں تبلیغ میں دقت پیش نہ آئے۔ جب یہ مبلغین اور واعظین روانہ ہونے لگتے تو انہیں سامان تجارت دیا جاتا تاکہ وہ اپنی روزی کا وسیلہ خود بنیں۔

ڈاکٹر شمیم محمود زیدی لکھتی ہیں۔

ترجمہ "شیخ بہاء الدین زکریا واعظوں اور مبلغین کے مختلف گروہ سندھ، مکران، کشمیر، دہلی اور افغانستان کی طرف تبلیغ کے لئے روانہ فرماتے تھے۔ یہ گروہ سال کے خاتمے پر واپس آ کر اپنی کارکردگی کی رپورٹ حضرت کے سامنے پیش کرتے۔ حضرت ان کو ضروریات زندگی اور خرچ کے لئے تجارت کا سامان دیتے تاکہ وہ اس کے ذریعے گزر بسر کریں۔" (۲۰)

ان لوگوں کو سفر کی مشکلات اور خطرات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے گھوڑ سواری، تلوار بازی، تیر اندازی اور نیزہ بازی کی باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی۔ گویا اس مدرسے کے فارغ التحصیل علماء اور مبلغین دین و دنیا اور ظاہر و باطن کی امتزاجی تربیت سے مکمل انسان بن جاتے تھے۔ (۲۱) یہاں کے ترتیب یافتہ علماء نے مختلف جگہوں میں مدارس قائم کیے جنہیں خانقاہوں کا نام دیا جاتا تھا۔

مولانا احمد فریدی کے مطابق

"ان میں ملتان کے مرکزی تبلیغی یونیورسٹی کے نصاب کے مطابق انسانی

کمال اور روحانی جلال کے حصول و عروج کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ ایسے روحانی سنٹر پنجاب اور سندھ کے چپہ چپہ پر قائم تھے۔"(۲۲)

اس مدرسے میں مختلف فنون کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ مثلاً خطاطی اور جلد سازی کا کام سکھایا جاتا تھا۔ علامہ عتیق فکری کے بیان کے مطابق

"محمد بلخی جیسا خطاط اس زمانے میں ملتان میں موجود تھا اور اس کے کئی اہل ملتان میں سے شاگرد تھے۔ غوث بہاء الدین زکریا کے زمانے میں نستعلیق خط کو بڑا عروج ہوا۔"(۲۳)

یہ مدرسہ کم و بیش ساٹھ سال تک خود حضرت بہاء الدین زکریا کی نگرانی میں چلتا رہا اور علامہ عتیق فکری کے مطابق

"آپ نے جو نظام تعلیم رائج کیا تھا۔ اس کا درس قریبا" دو صدی تک ملتان میں جاری رہا۔"(۲۴)

نظام اوقات

آپ اپنے عہدے کے بہت بڑے عابد بھی تھے اور بے پناہ عالم بھی کلام پاک کی تلاوت سے بڑا لگاؤ تھا۔ آپ کی صحت آخر عمر تک قابل رشک رہی۔ مقررہ عادات و اوقات ہر خیر و عافیت سے گزرے۔ نہ کوئی مرض لاحق ہوا نہ کوئی تھکان یا تکلیف محسوس ہوئی۔ نہ کبھی معمول میں فرق آیا اور نہ عبادات میں۔ جب تہائی رات باقی ہوتی تو حضور عبادت شروع فرماتے۔ نماز فجر کی اذاں ہونے تک خلوتی عبادت میں مصروف رہتے۔ نماز فجر باجماعت ادا فرماتے۔ پھر خلوت میں چلے جاتے۔ ایک پہر دن چڑھے تک تلاوت قرآن حکیم اور وظائف میں مصروف رہتے تھے۔ بعد ازاں دیوان خانہ میں کارخانہ تجارت و زراعت اور لنگر خانہ وغیرہ کے حساب و کتاب وغیرہ معاملات میں شامل ہوتے تھے اور خدام کو احکام و ہدایات فرماتے تھے۔ دوپہر (نصف النہار) کے وقت دولت خانہ میں تشریف لے جا کر غذا تناول فرماتے خانگی امور بھی دوپہر کے وقت پیش ہوتے تھے۔ اس کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے۔ ظہر کی اذان ہوتی تو مسجد میں تشریف لا کر باجماعت نماز ادا

فرماتے۔ اس کے بعد حجرے میں چلے جاتے اور کافی دیر تک وظائف و اوراد میں مصروف رہتے۔ پھر مجلس منعقد ہوتی' طالبان علم کو درس علمی و مسائل بیان فرماتے۔ شائقین زیارت کو اپنی زیارت سے بہرہ مند فرماتے۔ تبلیغی جماعتوں کے وفود سے ملاقات کرتے۔ ان کی کارگزاریوں کو سنتے اور ان کی مشکلات کو حل فرماتے۔

عصر کی اذاں سنتے ہی مسجد میں تشریف لا کر نماز عصر باجماعت ادا فرماتے تھے۔ اس کے بعد منبر پر تشریف لے جاتے۔ قرآن و حدیث کا وعظ فرماتے۔ اس موقعہ پر دور و نزدیک کے لوگ کام چھوڑ کر جوق در جوق آتے اور وعظ سنتے۔ تاثیر اس قدر تھی کہ جو مسلمان سنتا' ضرور متاثر ہوتا تھا۔ اور برے کاموں کو چھوڑ کر زہد و تقویٰ اور نیک اعمال اختیار کرتا تھا۔ جب تھوڑا سا دن باقی رہتا یعنی شام ہونے سے کچھ پہلے جنگل کی طرف کبھی پیادہ اور کبھی کسی سواری میں اکثر ہوادار میں ہوا خوری فرماتے تھے۔ مغرب کی اذاں ہونے تک مسجد میں تشریف لے آتے تھے۔

مغرب کی نماز باجماعت ادا کر کے تخلیہ میں تشریف لے جاتے اور عشا تک درود وظائف میں مشغول رہتے۔ عشا کی نماز مسجد میں باجماعت ادا کر کے سوا پہر یا ڈیڑھ پہر رات تک عبادت میں مصروف رہتے۔ اوراد و اذکار سے فارغ ہو کر دولت خانہ میں تشریف لے جاتے اور غذا تناول فرما کر کچھ دیر استراحت فرماتے۔ جب ایک تہائی یا چوتھائی رات باقی رہتی تو پھر بیدار ہوتے اور تہجد ادا فرماتے۔

روضہ مبارک کے مشرق کی طرف جو ایک وسیع چبوترہ ہے' حضور کے وقت کا ہے۔ اس پر حضور نے بلاناغہ بیس سال تک روزانہ نماز عصر کے بعد وعظ فرمایا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں وعظ سن کر مشائخ نے وجد کئے ہیں' عام مسلمانوں نے ہدایت پائی ہے اور ہزارہا دیگر مذاہب کے لوگ دین اسلام سے مشرف ہوئے ہیں۔"(۲۵) آپ کی تقریریوں میں مذہبی' اصلاحی' تمدنی اور سیاسی رنگ ہوتا تھا۔ بطور صوفی آپ کی شہرت آپ کے "نفس گیرا" (وجدانی ذہانت) کی بنا پر تھی جس سے وہ اپنے مریدوں کے دلوں کو مسخر کر لیتے تھے۔

آپ کی نوعمری کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے بیس سال تک مسلسل روزے رکھے۔ صرف پانی اور تھوڑی سی روٹی سے افطار فرمایا کرتے تھے۔ حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین بدایونی سے نقل ہے کہ حضرت شیخ الاسلام آخری عمر میں پہلی عمر کی طرح مسلسل روزے نہیں رکھتے تھے۔ "انوار غوثیہ" میں درج ہے کہ غوث العالمؒ کی غذا بھی عجیب تھی۔ یعنی ایام ریاضت میں بلکہ سال کے زیادہ عرصہ کے واسطے ایک قسم کی چھوٹی چھوٹی قرص جو اس زمانے کے چھوٹے بسکٹ سے مشابہ ہوتی تھی، بنائی جاتی تھی۔ اور حضرت غوث العالمؒ اسی ایک قرص اور چند گھونٹ پانی پر آٹھ پہر قناعت فرماتے تھے۔" آپ کی غذا محض قلیل تھی لیکن مقوی ہوتی تھی تاکہ عبادت و ریاضت کے لیے قوت بحال رہے۔ آپ کا کردار بے مثال تھا۔ آپ حق و صداقت کے علمبردار تھے۔ بادشاہ وقت کے سامنے بھی حق گوئی سے باز نہ آئے۔

آپ کی عبادت و ریاضت درجہ کمال پر تھی۔ آپ دنیاوی مشغولیت کے ساتھ ساتھ یادالٰہی کو بے حد پسند فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ "آپ کے زمانہ میں لونڈیاں جو چکی (آٹا) پیستی تھیں وہ بھی ذکر اللہ کرتی تھیں۔"(۳۶) اور قران مجید ختم کرکے ہی اٹھتی تھیں۔ آپ کے اکثر مرید صاحب کشف و کرامات اور اہل کمال ہوئے ہیں۔ وہ مرید شریعت اور طریقت میں مستقیم تھے۔

"آپ کا موذن بلال نام تھا۔ حضرت اسے بلال کہہ کر ہی پکارتے تھے۔ خدا کی شان کہ وہ بلال ثانی ہی بن کر رہا۔ اس کا مزار ملتان شہر میں حسین آگاہی سے جنوب کی طرف محلہ "بانگا بلیل" میں واقع ہے بانگا بلیل آپ کا ہی نام ہے۔ بانگا خالص ملتانی لفظ ہے جو فارسی کے لفظ بانگ سے مشتق ہے بمعنی موذن۔ بلیل دراصل بلال تھا، لوگوں نے بلیل بنا دیا۔"(۳۷)

آپ نے قلب و روح کی نئی زندگی بخشی اور اس سرزمین کو کفر و ظلمت سے نجات دلائی۔

زراعت اور تجارت

آپ کے یہاں زراعت اور تجارت بڑے پیمانے پر ہوتی تھی۔ اطراف ملتان میں جہاں کہیں اچھا موقع ملا۔ افتادہ جنگوں کو آباد کرایا۔ کنویں اور نہریں کھدوائیں۔ کوٹ کروڑ میں حضرت کی ذاتی جائیداد سے بہت بڑی آمدن ہوتی تھی۔ تحصیل لودھراں میں واہی غوث الملک اور قلعہ پیر کے نام سے سرسبز اور زرخیر اراضیات آپ کی ملکیت تھیں۔ ان سے لاکھوں روپے کی آمدن ہوتی تھی۔ (اس زمانے میں دریائے گھاگرا ان کو سیراب کرتا تھا اور ان کے قریب سے گزرتا تھا۔ اس وقت ان اراضیات کا پانی میٹھا تھا۔ بعد میں دریا کے رخ بدلنے سے اس علاقے کا پانی کڑوا ہو گیا۔)

تجارت کی طرف بھی بہت توجہ فرمائی۔ بہت سے ملازم' گماشتے' کارندے اس کام کو انجام دیا کرتے تھے۔ یہاں سے براہ خشکی و تری اکثر غیر ملکوں کو اپنی پیداوار اور ملک کی اشیائے دستکاری اپنے مریدوں اور شاگردوں کے حوالے کر کے دور دور بھیجتے تھے۔ ان کو دیانتداری اور راست بازی سے خرید فروخت کرنے کی ہدایات فرماتے تھے۔ جس سے بہت نفع ہوتا تھا۔ اس زمانے میں دریائے راوی قلعہ کے قریب سے گزرتا تھا۔ اس کے ذریعے حضور کا سامان تجارت سکھر' بھکر' ٹھٹھہ منصورہ اور پھر وہاں سے عراق' عرب اور مصر تک جاتا تھا۔ خشکی کے راستے کابل' ایران' دہلی اور لاہور سے تجارت ہوتی تھی۔ لوگوں کی کثیر تعداد کو اس سے فائدہ پہنچتا تھا اور تجارت کی ترغیب ہوتی تھی۔ باوجود اس ثروت و حشمت و دولت کے اخراجات خانہ داری' زمینات متعلقہ چاہات وغیرہ خود پڑتال کرتے۔ تجارت و املاک کی ساری آمدنی اخراجات خانہ داری' غربا و مساکین کی خبر گیری اور رفاہ عام کے کاموں پر صرف ہو جاتی تھی اور ایسے ہی کاموں کیلئے مخصوص رہتی تھی۔ بہت زیادہ دولت اور حشمت کے باوجود آپ سادگی اور قناعت کو پسند فرماتے تھے۔ حضرت غوث العلمین دنیا کے بہت بڑے ولی ہونے کے ساتھ اتنے بڑے خزانے کے مالک تھے کہ آپ کا امیری نما فقر ضرب المثل بن کر رہ گیا تھا۔

تمول و ثروت

آپ کی دولت و ثروت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ محلوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کا محل بہت شاندار اور وسیع کمروں اور دالانوں پر مشتمل تھا۔ آپ کے ذاتی کمرے کی تزئین و آرائش دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ کمرہ بالکل بادشاہوں کا کمرہ معلوم ہوتا تھا۔ جس میں گراں بہا زربفت کے پردے پڑے رہتے تھے۔ قیمتی ایرانی قالین بچھائے ہوتے تھے۔ جو آپ کی زیارت و ملاقات کو آتا تھا ٹھٹک کر رہ جاتا تھا اور سمجھتا تھا یہ فقیری نہیں بادشاہی ہے۔ آپ کا رہن سہن بڑے ٹھاٹ باٹ کا تھا۔ ملک کے رؤساء و امراء لاکھوں روپئے کے نذرانے آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپ نذرانہ وغیرہ قبول تو کر لیتے تھے لیکن فوراً" غربا میں تقسیم کر دیتے تھے۔

نہایت مصروف اور امیرانہ زندگی تھی۔ زر و جواہر کے انبار لگے ہوئے تھے اس کے باوجود خدا کی یاد سے ایک لحہ کے لیے بھی غافل نہ ہوتے تھے۔ ساری رات عبادت میں گزارتے۔ ایک عرصہ دراز تک یہ جاناہی نہیں کہ رات کے وقت بستر سے پشت کیونکر لگاتے ہیں۔ وسیع جاگیر و جائیداد' عظیم الشان لنگر خانہ اور مدارس و خانقاہ وغیرہ کے انتظام کے علاوہ طلباء کی تعلیم' مریدوں کی تربیت و ہدایت' عوام کے لیے مواعظ کا اہتمام' مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست' اہل و عیال کی پرورش اتنے کام تنہا ایک آپ ہی کے دوش پر تھے۔ جتنا روپیہ آتا تھا غروب آفتاب سے پہلے اسے راہ خدا میں لٹا دیتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی سائل آپ کے دروازے پر آیا ہو اور محروم واپس گیا ہو۔ غریبوں کی مصیبت دیکھ ہی نہ سکتے تھے۔ جود و سخا کا ایک دریائے ذخار تھا جو ہمہ وقت موجزن رہتا تھا۔ خیرات روزانہ غربا میں تقسیم کی جاتی تھی۔ اخیر عمر کے بارہ سال میں حضور نے ان کاموں پر بے دریغ خرچ کیا۔ مگر جس قدر خیرات اور رفاہ عام کے کاموں پر زیادہ خرچ ہوتا تھا۔ خدا تعالیٰ اور زیادہ بھیج دیتا تھا۔ اور آپ کے پاس دولت کی کوئی کمی نہ ہونے پاتی تھی۔

مہمان نوازی

آپ کا لنگر عام تھا۔ دستر خوان بڑا وسیع تھا۔ جہاں امیر و غریب، مہمان اور مسافر قدر مراتب روزمرہ کھانا کھاتے تھے۔ علماء و مشائخ کی مہمانداری میں آپ خود بنفس نفیس توجہ فرماتے تھے۔ علماء کرام، مشائخ عظام اور مہمانوں کی بہت عزت اور خاطر کرتے تھے اور اخیر زمانہ میں ان کے لیے ایک دستر خوان خاص بھی نہایت پر تکلف اور وسیع مرتب ہوتا تھا۔ لیکن کھانے میں سوائے کسی دوست یا شیخ کے اصرار کے شریک نہیں ہوتے تھے۔ آپ کے مطبخ (باورچی خانے) میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے مگر شیخ کو ان نعمتوں کے کھانے میں اس وقت لذت ملتی جب وہ مہمانوں، مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے تھے۔ یعنی صرف دوستوں کی خاطر توجہ فرماتے تھے کھانے پر جس قدر لوگ زیادہ آجاتے، اتنا ہی زیادہ اظہار مسرت فرماتے تھے۔

"ایک دفعہ فقراء کی ایک بہت بڑی جماعت آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھی، آپ نے ہر درویش کے ساتھ ایک لقمہ کھایا۔ ایک درویش کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے۔ فرمایا: "سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر کھانا خوب جانتا ہے، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ثرید (نان تر) کو کھانے پر وہی فضیلت ہے جو مجھ کو تمام انبیاءؑ پر اور عائشہؓ کو تمام عورتوں پر ہے۔" (۲۸)

○

حواشی

۱۔ "انوار غوثیہ" کے مطابق ممالک اسلامی سے واپسی کے بعد شیخ بہاء الدین نے ایک عرصہ صوبہ سرحد کی ایک پہاڑی پر گوشہ عزلت میں عبادت کی۔ جسے اب "کوہ شیخ بودین" (کوہ شیخ بہاء الدین) کہتے ہیں۔ (آب کوثر ص ۲۵۶)۔

۲۔ سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۷۔

۳۔ اخبار الاخیار ص ۶۴، نزہتہ الخواطر جلد ا ص ۱۵۸۔

۴۔ آب کوثر ص ۲۹۵ بحوالہ انوار غوثیہ ص ۴۸۔۴۹۔

۵۔ فوائد الفوائد ص ۴۱۵۔

۶۔ یہ العارفین ص ۱۷۶، فوائد الفوائد ص ۲۱۴۔

۷۔ سیر العارفین ص ۱۶۷، فوائد الفواد ص ۵۱۔

۸۔ اخبار الاخیار ص ۶۴۔

۹۔ فوائد الفواد ص ۴۲۹۔ ٭

۱۰۔ سیر العارفین ص ۱۵۹۔

۱۱۔ اخبار الاخیار ص ۶۳۔

۱۲۔ فوائد الفوائد ص ۲۲۳۔

۱۳۔ فوائد الفواد ص ۴۱۸۔ بزم صوفیہ ص ۹۴۔

۱۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کراسہ ۵ ص ۹۵۔

۱۵۔ فوائد الفواد ص ۱۲۸۔

۱۶۔ بحوالہ "احوال آثار، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصتہ العارفین"، ص ۳۶۔

۱۷۔ بحوالہ "آئینہ ملتان" ص ۲۰۹ مطبوعہ اشرف المعارف، ملتان۔

۱۸۔ آئینہ ملتان ص ۲۱۰، بزم مملوکیہ ص ۶۰۔

۱۹۔ مولوی دہلی اولیاء نمبر ص ۲۲۔

۲۰۔ بحوالہ احوال و آثار، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصتہ العارفین (فارسی) ص

۴۷۔

۲۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے (الف) نقش ملتان، ص ۴۴۹ تا ۴۵۸ (ب) تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی ص ۷۱ تا ۷۵۔

۲۲۔ بحوالہ "تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی" ص ۷۴۔

۲۳۔ بحوالہ "نقش ملتان" ص ۴۵۴۔

۲۴۔ ایضاً"۔ ص ۴۵۵۔

۲۵۔ انوار غوثیہ ص ۵۲۔

۲۶۔ فوائد الفواد ص ۳۰۰۔

۲۷۔ تذکرہ حضرت صدر الدین عارف" حصہ اول ۱۹۔

۲۸۔ سیر العارفین ص ۱۷۰، فوائد الفواد ص ۲۲۹۔

○

پانچواں باب

حضرت بہاء الدین زکریاؒ اور قرون وسطی کی سیاسیات

سیاسی اثر و نفوذ

حضرت بہاء الدین زکریاؒ کا قرون وسطی کی سیاسیات پر گہرا اثر و رسوخ تھا۔ چنانچہ ملتان پر اقتدار قائم رکھنے میں انہوں نے التمش (۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء تا ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء) و بڑی مدد دی۔ وہ فرمانرواں اور ان کے عہدے داروں سے گہرے روابط رکھنے کے قائل تھے۔ ”حضرت کے سلطان شمس الدین التمش کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ سلطان قباچہ کے مقابلے میں آپ نے التمش کی حمایت کی تھی اور التمش کی درخواست پر شیخ الاسلام کا عہدہ بھی قبول کر لیا تھا۔“(۱)

حضرت شیخ الاسلامؒ نے ایک لمبی عمر (تقریباً ۹۶ سال) پائی تھی۔ اس لیے نصف سے زائد صدی کے سیاسی حالات آپ کی آنکھوں کے سامنے سے گزرے اور کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔

اس زمانے کے سیاسی حالات بھی عجیب تھے۔ ”ملتان میں اس دور میں بہت سے انقلاب آئے۔ غزنویوں کی حکومت گئی تو غوری آئے۔ پھر خاندان غلاماں برسراقتدار آیا جن کے نو بادشاہوں کا زمانہ قطب الدین ایبک سے غیاث الدین بلبن تک جناب شیخ الاسلام نے دیکھا۔ ملک ناصر الدین قباچہ اور التمش کے درمیان ملتان اور اچ کے بارے میں، خونریز معرکے ہوئے جن میں بالاخر التمش کامیاب ہوا۔ پھر جلال الدین منکو برنی نے ملتان پر قبضہ کرنے کے لیے سخت کوشش کی اور ملک میں سخت افراتفری پیدا ہوئی۔ پھر تاتاری اس کے تعاقب میں چند بار اس علاقے میں آئے اور تباہی پھیلائی۔ پھر قارلغ ترکوں نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ان میں اور حکام دہلی میں کشمکش رہی۔ اس تمام بدامنی اور بربادی اور ویرانی اور خرابی نے لوگوں کے دلوں کو مذہب سے تسکین ڈھونڈنے پر مجبور کیا اور جناب شیخ

الاسلام نے اسلام کا پیغام بروقت ان تک پہنچایا۔ ان کی ڈھارس بندھائی۔"(۲)

ولی کی آزمائش

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے دور میں ملتان کا حاکم سلطان ناصرالدین قباچہ تھا۔ اسے علماء اور مشائخ سے عقیدت نہ تھی۔ ایک دن آزمائش کی غرض سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا: "نشان اولیا چست؟ (اولیاء اللہ کی نشانی کی ہے؟)

اتنے میں ایک مکھی قباچہ کے ناک پر آ بیٹھی۔ قباچہ نے اسے اڑایا۔ پھر آ بیٹھی۔ الغرض کئی مرتبہ یہ نوبت آئی کہ وہ ناک سے مکھی کو اڑاتا۔ مگر وہ پھر آ بیٹھتی۔ آپ نے فرمایا: "اولیاء اللہ کی نشانی یہ ہے کہ مکھی اس پر نہیں بیٹھتی۔" قباچہ نے تسلیم کیا کہ واقعی آپ ولی ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی نظام اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے بدن اور لباس پر کسی نے عمر بھر مکھی کو بیٹھتے نہیں دیکھا۔"(۳)

قباچہ' درویشوں کے حضور میں

"خدمات بابا فرید قدس سرہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت غوث بہاء الدین زکریاؒ' حضرت شیخ جلال الدینؒ تبریزی' شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ ایک جگہ جمع تھے اور تینوں بزرگوار رات کو حالت قیام میں قرآن مجید ختم کرتے اور اسی وضو سے صبح کی نماز پڑھتے۔ مطلب یہ کہ خواب استراحت نہ فرماتے تھے۔ اسی معمول پر کئی روز گزر گئے تھے۔ اتفاقاً" انہی دنوں مغلوں نے ملتان پر حملہ کر دیا۔ سنگباری سے قلعہ کی دیواروں کو نقصان پہنچا۔ اہل ملتان اپنی زندگیوں سے ناامید ہو گئے۔ ملتان کا ولی قباچہ گھبرا کر حضرت شیخ الاسلامؒ کی خانقاہ میں آیا اور اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے ایک رات کو ایک تیر قباچہ کو دیا اور کہا کہ اس تیر کو اندھا دھند مغلوں کے لشکر کی طرف پھینکو۔ قباچہ نے ایسا ہی کیا۔ جب دن نکلا تو ملعونوں کے لشکر کا ایک آدمی بھی موجود نہ تھا۔ سب کے سب چلے گئے تھے۔ اس واقع کا قباچہ پر بڑا اثر پڑا۔ چند روز کے

بعد جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ وہاں سے دہلی کی طرف چلے اور شیخ جلال الدینؒ تبریزی غزنی کی طرف۔ تو قباچہ اور اس کے معتقدین نے حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکیؒ کو ملتان ہی میں ٹھہرانے کی کوشش کی۔ لیکن آپ نے فرمایا: "ملتان پر بہاء الدین کا قبضہ ہے اور اس کا سایہ کافی ہے۔ یہ ہمیشہ ان کی پناہ میں رہے گا۔" (۴)

علامہ قطب الدین کاشانیؒ (۵)

حاکم ملتان سلطان ناصر الدین قباچہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی بے پناہ مقبولیت کو اپنی حکومت کے لئے مستقل خطرہ تصور کرتا تھا۔ اس نے بڑے غور و غوض کے بعد کاشان کے علامہ قطب الدین کو ملتان آنے کی دعوت دی۔ وہ بھی فقراء اور مشائخ کا معتقد نہ تھا۔ حالانکہ علامہ کا شمار اس دور کے بڑے علماء میں ہوتا تھا۔ قباچہ نے ان کے لیے ایک مسجد اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔ وہ اسی میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اور علوم دین کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ قباچہ اور امرائے دربار بھی ان کا بہت زیادہ ادب و احترام کرتے تھے۔ حضرت بہاء الحق زکریاؒ کو سب کچھ معلوم تھا لیکن اس کے باوجود اپنے محل سے چل کر جامع مسجد میں پہنچتے اور ان کی اقتداء میں صبح کی نماز ادا کرتے تھے۔ ایک روز مولانا نے حضرت زکریاؒ سے دریافت فرمایا۔ "آپ اس قدر دور سے آکر میری اقتدا میں نماز پڑھتے ہیں۔ آپ کو تکلیف ہوتی ہو گی۔ اس قدر تکلیف کی کیا ضرورت ہے؟ نماز اپنی مسجد میں ہی ادا فرمالیا کریں۔"

آپ نے فرمایا: "حدیث شریف میں ہے "من صلی خلف عالم تقی کانما صلی خلف نبی مرسل۔" "جس نے ایک متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا بھیجے ہوئے رسول کے پیچھے نماز پڑھی۔" میں اسی پر عمل کرتا ہوں۔"

اتفاقاً" ایک دن آپ دیر سے نماز میں شامل ہوئے۔ پہلی رکعت ہو چکی تھی آپ کو دوسری رکعت ملی۔ مولانا نے دوسری رکعت حسب قاعدہ تشہد کیا تو آپ سلام پھیرنے سے قبل کھڑے ہو کر اپنی نماز کو پورا کرنے لگے۔ نماز ختم ہونے کے بعد مولانا نے حضرت شیخ سے دریافت کیا کہ حضرت آپ قبل از سلام کیوں

کھڑے ہو گئے تھے۔ اگر خدانخواستہ امام سے سہو ہو گیا ہوتا اور وہ سجدۂ سہو کرتا تو آپ اس سجدہ میں کیسے شریک ہو سکتے تھے۔ آپ نے جواب دیا کہ جس شخص کو نور باطن سے یہ معلوم ہو جائے کہ امام کو سہو نہیں ہوا تو اس کو کھڑے ہو کر نماز پوری کرنے میں کیا بات آڑے آتی ہے۔ مولانا نے ذرا خفگی سے کہا کہ جو نور احکام شریعت میں پابندی کا قائل نہ ہو وہ ظلمت سے بدتر ہے۔ آپ نے یہ جملہ سنا اور خاموش ہو گئے۔ اور پھر کبھی مولانا کی اقتدا میں نماز پڑھنے نہ گئے۔ اس واقعے نے مولانا کے دل میں ایک خلش پیدا کر دی۔ مولانا کی صحبت میں ایک بزرگ ایسے بھی تھے جو اولیاء اللہ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ انہوں نے مولانا سے کہا کہ آپ فقیروں کی عزت نہیں کرتے، یہ بات کچھ اچھی نہیں ہے۔

مولانا نے ذرا لاپروائی سے جواب دیا کہ جناب میں نے اپنی ساری عمر میں صرف ایک ہی فقیر پایا جس کا میں دل سے معتقد ہوں۔ وہ اللہ والا کاشغر میں تھا۔ جس زمانے میں کاشغر میں تھا، میرے چاقو کا دستہ ٹوٹ گیا تھا میں جگہ جگہ اس کو لیے لیے پھرا تاکہ کوئی اسی طرح کا دستہ میرے چاقو میں بنا کر ڈال دے۔ لیکن سب نے معذوری ظاہر کی۔ آخر کار میں نے ایک بزرگ صورت لوہار کی خدمت میں حاضری دی۔ ان سے اپنے عاقو کے دستہ کا ذکر کیا اور کہا، میں چاہتا ہوں کہ یہ دستہ اسی طرح کا ہو جیسا پہلے تھا۔ اس بزرگ نے وہ چاقو میرے ہاتھ سے لے لیا، منہ کے قریب لے جا کر کچھ پڑھا اور اس پر پھونک مار دی۔ میں نے دیکھا کہ وہ دستہ ویسا ہی تھا جیسا پہلے تھا، ذرا سا بھی فرق نہیں تھا۔ میں اسی دن سے ان کی بزرگی کا قائل ہو گیا۔

اس واقعے کو سن کر انہوں نے فرمایا "مولانا! آپ کو معلوم ہے کہ وہ بزرگ کون تھے؟ وہ حضرت نجم الدین یوسف لوہار تھے۔ جو حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے مرید تھے۔ مولانا یہ بات سن کر بہت شرمندہ ہوئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کی اور اپنی سابقہ گفتگو کی معافی چاہی۔ حضرت شیخ نے مولانا کو معاف کر دیا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی عظیم شخصیت کا رعب کچھ اس طرح پڑا کہ ان کا

ملتان میں رہنا مشکل ہو گیا۔ نماز کے سلسلے میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ بار بار ذہن میں آ کر کوفت کا سبب بنتی۔ اسی پریشانی کے عالم میں ملتان چھوڑ کر دہلی روانہ ہو گئے۔

قباچہ کا معاندانہ رویہ

والئی ملتان سلطان ناصرالدین قباچہ سخت مزاج انسان تھا۔ اس کے مظالم سے لوگ تنگ تھے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ اکثر قباچہ کو نصیحتیں کرتے بلکہ کبھی کبھی اس کو خلعت و دینار دے کر تعاون کا ہاتھ بھی بڑھاتے تاکہ وہ راہ راست پر آ جائے۔ لیکن وہ حضور سے ہمیشہ بدگمان رہتا۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کا قلبی رحجان سلطان شمس الدین التمش حاکم دہلی کی طرف تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اسے شیخ الاسلامؒ کے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ (٦) نے دعا کی تھی۔ اور وہ خود دیندار' پارسا انسان تھا۔ بزرگ مشائخ کا منظور نظر بھی تھا۔ لیکن اب تک حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے قباچہ سے کوئی دشمنی نہ کی۔ انہی دنوں حضرت شیخ الاسلامؒ کے غریب ہمسایہ کو ایک ہزار ٹکہ کے عوض گرفتار کر لیا گیا۔ اس کا بوڑھا باپ روتا ہوا آیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے ایک ہزار ٹکہ کی تھیلی اس کے حوالے کی۔ وہ اپنے بیٹے کا جرمانہ ادا کر کے چھڑا لایا۔ اسی قسم کی اور بہت شکایتیں تھیں۔ مثلاً وہ شرع شریف کے رواج میں مساعی نہ تھا۔ اس کے متعلقین نے فسق و فجور اور جور و ظلم شروع کر دیا تھا۔

ناصرالدین قباچہ نے سلطان التمش کی بڑھتی ہوئی سطوت و قوت کو دیکھ کر اس کے خلاف معاندانہ سازش کی۔ "اس نے چاہا کہ سلطان التمش سے بغاوت کرے اور مخالفت و سرکشی پر آمادہ ہو جائے۔ (حالانکہ جب سلطان قطب الدین ایبک نے التمش کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو ناصرالدین قباچہ کو اچ و ملتان کی حکومت دے کر التمش کی اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت (٨) کی تھی۔)

حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ جو درویشی کے آفتاب تھے کو اس بات کا انکشاف ہو گیا۔ حضرت شیخ نے قباچہ کی فتنہ انگیزی اور مخالفت پر مشتمل خط

سلطان شمس الدین التمش کو بھیجا۔"(۹) ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی ایک باعمل عالم اور دیندار کامل تھے۔ انہوں نے دین کی فلاح اسی میں دیکھی کہ سلطان التمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیں۔ انہوں نے بھی اسی مضمون کا خط سلطان التمش کو روانہ کیا۔

قباچہ کے دربار (۱۰) میں حق گوئی

اتفاق کی بات کہ وہ دونوں خطوط ناصر الدین قباچہ کے ملازموں کے ہاتھ لگ گئے۔ جنھوں نے ان کو فوراً ناصر الدین قباچہ کے روبرو پیش کر دیا۔ ناصر الدین ان کو دیکھتے ہی آگ بگولہ ہو گیا۔ اور ایک حکم نامہ کے ذریعہ دونوں بزرگوں کو دربار میں طلب کیا۔ جب یہ دونوں بزرگ یعنی قاضی اصفہانی اور شیخ بہاء الدین زکریاؒ اس کے دربار میں پہنچے تو ناصر الدین قباچہ نے قاضی صاحب کو اپنے سامنے اور حضرت شیخ کو برابر بٹھایا۔ سب سے پہلے قاضی صاحب کے ہاتھ میں ان کا خط دیا۔ وہ اس کو دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ اور دوبارہ دریافت کرنے پر بھی خاموش رہے تو قباچہ غصے میں آپے سے باہر ہو گیا اور جلاد کو حکم دیا کہ ان کا سر قلم کر دیا جائے۔ جلاد نے آگے بڑھ کر سر کاٹ لیا۔

ان کے بعد وہ حضرت شیخ بہاء الدین ملتانیؒ کی طرف متوجہ ہوا اور حضرت کا خط بھی ان کے ہاتھ میں دیا۔ آپ نے خط پڑھا اور فرمایا "یہ خط بے شک میرا ہے مگر میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے اس کو لکھا ہے اور جہاں تک مجھے علم ہے، میں نے یہ خط بالکل صحیح لکھا ہے۔ اور تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے کہ گزر آخر تو کر ہی کیا سکتا ہے، تیرے ہاتھ ہی میں کیا ہے؟" قباچہ یہ بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے کھانا لانے کا اشارہ کیا۔ شیخؒ کا دستور تھا کہ وہ کسی کے گھر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ قباچہ کا مقصد یہ تھا کہ شیخ چونکہ کھانا کھانے سے انکار کر دیں گے اس بنا پر انہیں اذیت پہنچاؤں گا۔ جب کھانا سامنے لایا گیا اور ہر کسی نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو شیخ نے بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور اپنا ہاتھ کھانے کی طرف بڑھایا اور کھانا شروع کر دیا۔ قباچہ نے جب یہ دیکھا تو اس کا تمام غصہ جاتا رہا اور وہ شیخ سے کچھ نہ

کہہ سکا اور شیخ بہ سلامت اپنے گھر واپس آ گئے۔

قاضی جاوید(۱۱) کا خیال ہے کہ

"چشتیہ تعلیمات کے فروغ سے سلاطین و صوفیا کے باہمی تضادات کھل کر سامنے آ گئے۔ صوفیوں کا تعلق عوام سے ہے۔ ان کے مفادات عوام سے وابستہ تھے۔ وہ عوامی ثقافت کے محافظ تھے۔ طبقاتی نظام اور اونچ نیچ کے مخالف تھے۔ سادگی پسند تھے۔ مساوات کے قائل تھے۔ انسان دوستی کا درس دیتے تھے۔ حاکم و محکوم کی تقسیم ختم کرنا چاہتے تھے۔ سب کے لیے یکساں انصاف کے طالب تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دن بدن حکمران طبقوں سے کٹ کر عوام کے ساتھ گھل مل گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ ادا حکمرانوں کو پسند نہ تھی۔ وہ صوفیوں کے حوالے سے اپنی قوت اور شان و شوکت بڑھانے کے متمنی تھے۔ صوفیوں کو راہ راست پر لانے کے لیے انہوں نے مذہبی علماء کو استعمال کرنا چاہا لیکن ان کا عوام میں کوئی اثر و نفوذ نہ تھا۔ وہ خود عوام سے کٹے ہوئے تھے۔ عوام بھی ان سے دور رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔

اس صورت حال میں چشتیہ رہنماؤں کا سلاطین دہلی کے ساتھ کئی بار تصادم بھی ہوا۔ اہل خانقاہ کو بڑھتی ہوئی قوت سے خوفزدہ ہو کر حکمرانوں نے صوفیوں کے ایک طبقے کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی اور مسلم ہند کے مختلف علاقوں میں صوفیوں سے تعلقات بڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔ پنجاب میں انہیں تصوف کے سہروردیہ سلسلہ کے رہنماؤں کا تعاون حاصل ہو گیا۔ یہ سلسلہ اپنے عمومی نقطہ نظر کے اعتبار سے چشتیہ سلسلے کے رد دعویٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔

پنجاب میں بلکہ پورے برصغیر میں سہروردی روایت کا آغاز شیخ بہاء الدین زکریا سے ہوا۔

روحانی تعلیم و تربیت سے فارغ ہونے کے بعد شیخ زکریا ملتان لوٹ آئے۔ ان کی بقیہ زندگی اسی شہر میں بسر ہوئی۔ جس زمانے میں شیخ ملتان واپس آئے۔ ناصرالدین قباچہ وہاں کا حکمران تھا۔ دہلی کے تخت پر شمس الدین التمش براجمان تھا۔ مشہور تھا کہ التمش علم درست اور درویش صفت بادشاہ تھا۔ وہ خانقاہوں میں جاتا اور اہل تصوف کی محفلوں میں بیٹھتا تھا۔ قباچہ اسے اپنا رقیب سمجھتا تھا۔ خود مختاری کا

طالب تھا۔ بہت سے ملتانی علماء کو یہ بات پسند نہ تھی۔ چنانچہ شیخ بہاء الدین زکریا نے شہر کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی کے ساتھ مل کر قباچہ کے خلاف التمش سے رابطہ قائم کرنا چاہا۔ ان کے خطوط قباچہ کے ہاتھ لگ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا شرف الدین اصفہانی کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے البتہ شیخ زکریا بچ نکلے۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد التمش نے قباچہ کو شکست دے کر ملتان پر قبضہ کرلیا تو فطری طور پر شیخ زکریا کا احترام اور اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا۔ سہروردیہ سلسلے کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ التمش نے شیخ نورالدین مبارک سہروردی کو شیخ الاسلام کا عہدہ عطا کر دیا۔ اس طرح حکمرانوں اور سہروردی صوفیوں کے درمیان قریبی رشتے کی بنیاد ڈالی گئی۔

یہ رشتہ محض سطحی اور ہنگامی نہیں تھا۔ حکمران طبقے کو اہل خانقاہ کی ضرورت تھی، دوسری طرف خود سہروردیہ فکر میں شروع سے ایسے بیج موجود تھے جو عوام سے دور رہنے، مختلف ثقافتی اور مذہبی ثانوی گروہوں کے درمیان تضادات پر اصرار کرتے اور بالائی طبقے کی حمایت میں کھڑا ہونے پر اکساتے تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا کے زمانے میں یہ سہروردیہ صفات زیادہ واضح نہیں ہوئی تھیں تاہم ان کی وفات کے بعد اور خصوصاً شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے زمانے میں تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ سہروردیہ اکابرین نے روحانی معاملات کو بالکل نظرانداز کر کے اپنی تمام تر توجہ سیاسی امور اور بالائی طبقات کے مفادات کی نگہداشت پر مرکوز کردی ہے۔

شیخ بہاء الدین زکریا ملتان میں ٹھاٹھ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اپنی جاگیروں، شاہی نذرانوں تجارت اور فتوحات سے لاکھوں روپے کی آمدنی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ پنجاب کے کسی دوسرے صوفی کو اس قدر فراغت کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ ظاہری طور پر دیکھا جائے تو شیخ کا طرز زندگی عمومی صوفیانہ اور مذہبی انداز سے قطعی مختلف تھا اکثر معاصرین اسے ناپسند کرتے تھے۔

اس واقعہ سے آپ کی روحانیت کا اثر قباچہ کے درباریوں پر کچھ ایسا پڑا کہ بہت سے درباری آپ کے معتقد ہو گئے۔

قباچہ کا انجام

۱۹ جمادی الاخر "۶۲۵ھ (۱۲۲۷ء) میں سلطان شمس الدین التمش نے دہلی سے آکر قباچہ کے پایہ تخت اچ کا محاصرہ کیا قباچہ نے حالات کو بگڑتے دیکھا تو اپنے وزیر کو فوج دے کر قلعہ اچ میں چھوڑا اور خود خزانہ لے کر قلعہ بھکر میں چلا گیا۔ ایک مہینے کے محاصرے کے بعد قلعہ اچ فتح ہوا۔ قباچہ کو اچ کی فتح کا حال سن کر اپنی ناکامی اور مایوسی کا اتنا شدید احساس ہوا کہ اس نے خود کشی کرتے ہوئے اپنی ناکام زندگی کو دریائے سندھ کی لہروں کی آغوش میں ڈبو کر کھو دیا۔(۱۲) بعض تاریخ نویسوں کے خیال میں وہ بھکر سے سندھ پار نکل جانے کے ارادہ سے کشتی پر سوار ہوا جو بد قسمتی سے الٹ گئی اور وہ اپنے اہل و عیال سمیت سندھ کی لہروں میں ڈوب گیا۔ اس کی گورنری کا زمانہ ۶۰۲ھ سے ۶۲۵ھ تک ہے۔ اس طرح ملتان کا علاقہ بھی التمش کی حکومت میں شامل ہو گیا۔

سلطان التمش کے دربار میں

سلطان التمش کے زمانے میں آپ کو بحیثیت ثالث دہلی جانا پڑا۔ تفصیلا" واقعہ سنئے: (یہ واقعہ سیر العارفین سے لیا گیا ہے)

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نیشاپور میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ سے علیحدہ ہو کر خراسان چلے گئے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد دہلی تشریف لائے۔ سلطان التمش ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سے سن چکا تھا۔ چنانچہ جب وہ دہلی کے قریب پہنچے، تو سلطان نے علما و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جا کر ان کا استقبال کیا اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر آیا اور ان کو آگے کر کے خود پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ یہ تعظیم و تکریم شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو پسند نہ آئی۔ ان کے دل میں حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی طرف سے رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی، مگر اس کا اظہار نہیں کیا اور سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ اس کی (یعنی نجم الدین صغری) قیامگاہ کے قریب ہی فروکش ہوں اور قیام کے لیے ایک مکان تجویز کیا، جو بیت الجن

کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان نے اپنے عزیز اور محبوب مہمان کو جنوں کے مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا۔ مگر نجم الدین صغری نے کہا، اگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کامل درویش ہوں گے، تو مکان خود جنات سے پاک ہو جائے گا۔ اور اگر ناقص ہوں گے، تو اپنی فریب دہی کی سزا پائیں گے۔ یہ گفتگو بالکل علیحدہ ہوئی تھی کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے خود اس مکان میں رہنے کا اعلان کر دیا۔ جب وہ اس مکان میں داخل ہوئے تو ان کے قدم کی برکت سے مکان تمام بلیات سے پاک ہو گیا اور ان کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا۔ دوسرے روز حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے شہر کی تنگ گلیوں میں سے ہو کر چلے۔ حضرت بختیار کاکیؒ کو کشف ہوا کہ حضرت جلال الدینؒ تبریزی ان سے ملنے آ رہے ہیں، تو وہ خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے۔ راستہ میں قران السعدین واقع ہوا۔ جس وقت حضرت خواجہ جلال الدین، خواجہ بختیار کے ہمراہ ان کی خانقاہ میں پہنچے، اس وقت یہاں مجلس سماع ہو رہی تھی، فقراء جمع تھے۔ اس پر بیت پر خواجہ صاحب کو وجد آ گیا۔

در میکدۂ وحدۃ ایثاری گنجد　　　در عالم یک رنگی اغیار نمی گنجد

ترجمہ = وحدت کے مے خانے میں ایثار کی گنجائش نہیں۔ یک رنگی کی دنیا میں اغیار کے لئے جگہ کہاں؟

سلطان التمش حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر ان کا اور بھی معتقد ہو گیا۔ اس سے نجم الدین صغری کا حسد اور زیادہ بڑھا۔ ایک روز موسم بہار میں سلطان التمش نے فجر کی نماز سے پہلے نجم الدین صغری کو اپنے محل میں بلایا اور ان کو امام بنایا نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی۔ چھت کے سامنے حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی قیام گاہ تھی۔ وہ صبح کی نماز سے فراغت کے بعد صحن خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے اور ایک ملازم جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت بھی عطا کیا تھا، ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔ نجم الدین صغریٰ کو خیال ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نماز سے غافل ہو کر محو استراحت ہیں۔ اسی وقت سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ ایسے ہی دنیا پرست درویشوں کے معتقد ہیں۔ یہ سونے کا

کون سا وقت ہے اور ایک صاحب جمال غلام بھی پاس بیٹھا ہے۔ حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو نور باطن سے نجم الدین صغری کی بدگمانی معلوم ہو گئی، تو اسی وقت اٹھے اور صحن خانہ ہی میں سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ سلطان نادم ہوا اور نجم الدین صغری سے کہنے لگا کہ تم شیخ الاسلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو۔ تم کو نیک و بد کی بھی پہچان نہیں۔ مگر نجم الدین صغری شرمندہ ہونے کی بجائے اندرونی طور پر اور زیادہ برہم ہو گئے۔ اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ پرخاش بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اور شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر کے آمادہ کیا کہ وہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر فسق و زنا کا الزام لگائے۔ مطربہ نے سلطان کے پاس جا کر حضرت جلال الدین تبریزی کو متہم کیا۔ سلطان سن کر ششدر رہ گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ جھوٹا الزام ہے اور مطربہ کو اس کی دروغ گوئی کی پوری سزا دے سکتا تھا، لیکن قانون کی وجہ سے معذور تھا۔ مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعذیر فاحشہ ثابت ہو رہی تھی۔ مگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا لیکن اس کا مقدمہ سامنے آ جانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات بھی ضروری تھی۔ اس لئے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا، محضر میں شرکت کے لیے ہندوستان کے مشاہیر علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بھی اس دعوت کو قبول کیا اور وہ دہلی تشریف لائے۔ اس محضر میں دو سو صرف اولیائے کرام شریک ہوئے۔ محضر جامع مسجد میں منعقد ہوا۔

شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی کشیدگی کا علم تھا۔ چنانچہ وہ ان دونوں کی اس کشیدگی اور ناراضی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ شیخ الاسلام کی حیثیت سے انہوں نے شیخ بہاء الدین زکریاؒ ہی کو حکم مقرر کیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ مطربہ پیش کی گئی۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کو بھی طلب کیا گیا۔ جس وقت وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے۔ سارے علماء اولیا ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے اپنی جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین

زکریاؒ نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ سلطان التمش بہت متاثر ہوا کہ ایک جلیل القدر حکم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی توقیر و عظمت کر رہا ہے۔ جو حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے معصوم ہونے کی دلیل ہے اور تحقیقات کی کارروائی روک دینی چاہیے۔ مگر شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے فرمایا:

"میرے لئے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں کیونکہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدینؒ سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے۔ لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاء الدین نے شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے' تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے کہ حضرت جلال الدین سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے' لیکن پھر بھی دلائل بینہ کا اظہار ضروری ہے' اس لئے مدعیہ مطربہ کو سامنے لاؤ۔"

چنانچہ مطربہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے سامنے لائی گئی۔ مگر اس پر ایسا رعب طاری ہو گیا کہ اس نے تہمت ثابت کرنے کی بجائے شروع سے آخر تک پورا واقعہ بیان کر دیا کہ نجم الدین صغری نے اس کو طمع دلا کر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر الزام رکھنے کے لیے آمادہ کیا تھا۔ اس سازش کے افشا پر نجم الدین صغری ایسے ذلیل اور پشیمان ہوئے کہ مجلس ہی میں ان کو غش آ گیا۔ اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی معصومیت ثابت ہو گئی۔ سلطان التمش نے اس کذب و بہتان کی سزا میں نجم الدین صغری کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کر کے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ سے اس کے قبول کرنے کی استدعا کی۔ انہوں نے قبول فرمایا اور ایک مدت مدید تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان میں جاری رہا۔

نوٹ

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی مشہور اولیائے کرام میں ہیں' وہ ایرانی تھے' پہلے شیخ بدر الدین بن سعید تبریزی سے مرید ہوئے' پھر ان کی وفات کے بعد بغداد حاضر ہو کر شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت کی اور ایک طویل عرصے تک

ان کی خدمت میں رہے۔ اور اپنے شیخ کی اس طرح خدمت کی کہ شاید ہی کسی مرید نے اپنے پیر کی ہو' شیخ شہاب الدین سہروردی ہر سال حج کے لیے جاتے تھے' چونکہ وہ ضعیف ہو چکے تھے۔ اس لئے گرم اور جلد ہضم ہونے والی غذاؤں کے سوا کچھ نہ کھا سکتے تھے' شیخ جلال الدین تبریزی اپنے سر پر ایک انگیٹھی اور دیگچی اٹھائے رکھتے تھے' تاکہ ان کے پیر کھانا طلب کریں وہ انہیں گرم کھانا دے سکیں۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور حضرت جلال الدین تبریزی میں بے حد محبت تھی کہ وہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ساتھ ہندوستان کے لیے روانہ ہوئے اور ان سے جدا ہونے کے بعد دہلی تشریف لائے' اس وقت دہلی کا بادشاہ شمس الدین ایلتمش تھا' وہ آپ کی دہلی میں خبر سن کر استقبال کے لئے نکلا اور بڑی تعظیم و توقیر سے پیش آیا' دہلی میں شیخ جلال الدین تبریزی کے دوستانہ ملاقاتیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے رہیں' لیکن اس دو میں دہلی کا شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری آپ کا سخت مخالف ہو گیا' اس نے شدید الزام لگا کر علماء کی ایک مجلس طلب کی' سیر الاولیاء میں ہے کہ علماء نے نجم الدین صغریٰ کو معزول کر کے ان کی جگہ شیخ بہاء الدین زکریا کو دہلی کا شیخ الاسلام کیا' لیکن شیخ جلال الدین تبریزی اس قدر ملول ہو چکے تھے کہ اس پر بھی آپ نے دہلی قیام پسند نہ کیا' اور بدایوں روانہ ہو گئے' دہلی سے روانہ ہوتے وقت آپ کو کہا کہ

چوں من دریں شہر آمد زر صرف بودم ایں ساعت نقرہ ام' تاپشترچہ خواہش شد۔

ترجمہ = میں جب اس شہر میں آیا تھا تو خالص سونا تھا' اب چاندی ہوں' آئندہ دیکھئے کیا ہو۔

پھر آپ بنگال چلے گئے۔ بنگال میں جس جگہ اپنی خانقاہ تعمیر کرائی اس کو بندر دیو محل کہتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ گوہاٹی (صوبہ آسام) سے چند میل دور ایک پہاڑی پر دشوار گزار ہیبت ناک جنگل میں مدفون ہیں۔

حواشی

۱۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۱۴۔

۲۔ مقالات دینی و علمی حصہ اول ص ۲۶۱۔

۳۔ انوار غوثیہ ص ۹۱۔

۴۔ سیرالعارفین ص ۲۵، فوائد الفواد ص ۲۳۳۔

۵۔ سیرالعارفین ص ۱۷۷،۱۷۶، بوستان غوثیہ ص ۲۱۔

۶۔ سلطان التمش کیلئے حضرت شیخ الشیوخ (سہروردیؒ) اور شیخ اوحد الدین کرمانیؒ دونوں نے دعا کی تھی۔ (سیرالعارفین ص ۱۵۸۔ ۱۵۷)

۷۔ ہندی مسلم تہذیب۔ قاضی جاوید۔ وین گارڈ بکس لاہور ۱۹۸۳ء ص ۳۲۸، ۳۲۹۔

۸۔ سیرالعارفین ص ۱۵۸۔

۹۔ فوائد الفواد ص ۲۵۸۔ تاریخ فرشتہ ۲: ۴۰۷

۱۰۔ نزہتہ الخواطر جلد اول ص ۲۳۴۔ ۲۳۳ بحوالہ طبقات ناصری۔

۱۱۔ سیرالاولیاء ص ۴۸، سیرالعارفین ص ۲۴۱ تا ۲۴۷۔

○

چھٹا باب

حلقہ عقیدت و ارادت

حضرت بہاء الحقؒ ملتانی سلسلہ "سہروردیہ" سے منسلک ہونے کے باوجود تمام سلاسل طریقت اور ان کے اکابر شیوخ کے دل سے قدردان اور چاہنے والے تھے اپنے تمام معاصرین کے ساتھ برادرانہ' مخلصانہ و فیاضیانہ مراسم تھے۔ عقیدت مندوں کا سلسلہ بہت وسیع ہے ان کی فہرست کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہو گا آپ کی خانقاہ میں بڑے بڑے اولیاء اللہ نے قیام فرمایا ہے ان مین سے حضرت خواجہ خواجگان خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ' حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ' حضرت خواجہ حمید الدین ناگوریؒ' حضرت خواجہ جلال الدین تبریزیؒ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے نام بہت مشہور ہیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب وارد ہندوستان ہوئے تو ملتان آکر ٹھہرے۔ حضرت بہاء الدین زکریا ان سے تعظیم اور محبت و شفقت سے ملے اور اصرار کر کے کچھ دن ان کو اپنے یہاں روکے رکھا حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ بھی حضرت زکریاؒ کی بڑی قدر کرتے تھے چنانچہ جب ان کے معتقدین نے ان کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے فرمایا تھا "ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاء الدین زکریاؒ کا ہی سایہ کافی ہے" اسی طرح التمش کے زمانہ میں حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ نے عزت و احترام کا جو نمونہ پیش کیا تھا اس کا ذکر بادۂ تصوف کے سرشاروں کیلئے بہت ہی خمار آگین ہے اس کا ذکر چوتھے باب میں کیا گیا ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے تعلق

بابا فریدؒ کے ساتھ بے حد مودت و اخوت تھی اکثر دونوں میں محرمانہ صحبتیں رہتی تھیں۔ دونوں کے درمیان بڑی گہری محبت تھی' دونوں حضرات کئی سال تک سفر و حضر میں اکٹھے رہے بعض مورخین لکھتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات

رشتے میں خالہ زاد بھائی تھے لیکن اس میں صداقت نہیں ہے "خزینۃ الاصفیاء" میں مفتی غلام سرور لاہوری نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے والد ماجد شیخ وجیہ الدین محمدؒ غوثؒ کی شادی مولانا حسام الدین ترمذیؒ کی دختر سے قلعہ کوٹ کروڑ میں ہوئی۔ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے والد محترم حضرت جمال الدین سلیمانؒ کی شادی ملا وجیہ الدین خجندی کی صاحبزادی قرسم خاتون (یا مریم خاتون) سے ہوئی اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان بیبیوں کا آپس میں کوئی رشتہ نہ تھا اور نہ ہی حضرت شیخ الاسلام زکریاؒ اور حضرت گنج شکرؒ آپس میں خالہ زاد بھائی تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا باہمی اخلاص بھائیوں سے بھی بڑھ کر تھا۔ حضرت بابا گنج شکرؒ کو حضرت بہاء الحق زکریاؒ سے جو عقیدت اور محبت تھی اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ مریدوں کو پند و نصائح کرتے وقت حضرت بہاؤ الحق زکریاؒ کے ارشادات کو دہراتے اور ان کی عبادت و ریاضت کے ذکر کو مزے لے لے کر بیان کرتے ان کے لیے لفظ "برادرم" استعمال کرتے (اس سے مورخین کو خیال ہوا کہ یہ خالہ زاد بھائی ہیں) مثلاً ایک موقعہ پر فرمایا "برادرم بہاء الدین چالیس سال کامل گوشہ نشیں رہے اس دوران میں بہت کم لوگوں کو زیارت کا موقع ملتا تھا" اس خلوص و محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ "اخبار الاخیار" (ص ۶۳) میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی جانب سے حضرت بابا فریدؒ کو ایسا پیغام بھیجا گیا جو حضرت بابا فریدؒ کی مجلس کے خلاف تھا۔ شیخ زکریاؒ نے اس کی معذرت میں ایک رقعہ لکھا "میان ما و شما عشق بازی است" (ترجمہ = ہمارے اور تمہارے درمیان عشق بازی ہے) حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے اس کا جواب دیا "میان ما و شما عشق است بازی نیست۔" (ترجمہ = ہمارے اور تمہارے درمیان عشق ہے بازی نہیں۔) چونکہ بازی کے لفظ سے عمومیت ٹپکتی تھی اس لیے باباجیؒ نے فقرے میں خوبصورت ترمیم کر دی۔

حضرت بہاء الحق الدین زکریاؒ کے سوانح و سیرت کیلئے آج بھی اگر بابا فرید گنج شکرؒ کی روایات کا سہارا نہ لیا جائے تو ان کی سیرت تشنہ رہ جاتی ہے۔ بلکہ حضرت زکریاؒ کے حالات زندگی اور تعلیمات پر جتنی روشنی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

نے ڈالی ہے کسی اور نے نہیں ڈالی۔

حضرت گنج شکرؒ اگرچہ مستقل طور پر پاک پٹن (اجودھن) رہتے تھے لیکن جب جی چاہتا ملتان آ جاتے۔ (باقی حالات اپنے اپنے موقع پر پیش کیئے جائیں گے)

مرید اور خلفاء

حضرت زکریاؒ کے بکثرت مریدین صادق الحال اور خلفائے صاحب کمال گذرے ہیں اور مراتب جلیلہ کو پہنچے ہیں۔ اپ کے مریدین اور خلفاء کا سلسلہ نہایت وسیع ہے جس کے لئے ایک علیحدہ کتاب بنتی ہے۔ بے شمار مریدوں اور خلفاء میں سے بعض حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ (جو آپ کے فرزند ارجمند اور خلیفہ اعظم بھی ہیں) (۲) حضرت سید جلال الدین سرخ بخاریؒ (۳) حضرت حسن افغانؒ (یہ حضرت شیخ کے محبوب خلیفہ تھے) (۴) حضرت سید عثمان معروف بہ لال شہباز قلندرؒ (۵) حضرت شیخ امیر حسینیؒ (٦) حضرت شیخ فخرالدین ابراہیم عراقیؒ (۷) حضرت خواجہ کمال الدین مسعود شیروانیؒ (۸) حضرت سید عبدالقدوس قلندر موصلیؒ (۹) حضرت شاہ عالمؒ، شیخ بدر بجستانیؒ (۱۰) حاجی جمال کنبوہؒ (۱۱) مولانا بلال سندھی (۱۲) حاجی آرام سندھیؒ (۱۳) نواب موسیٰؒ (۱۴) شیخ عبدالستارؒ (۱۵) خواجہ فخرالدین گیلانیؒ (۱۷) شیخ جمال الدین اچویؒ

ان لوگوں نے اپنے پیر کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے اس سے جناب شیخ کی عظمت دل پر نقش ہو جاتی ہے۔

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاریؒ

حضرت جلال سرخ بخاری، جہانیاں جہاں گشت کے جد امجد تھے۔ "یہ بزرگ مختلف القاب اور اسماء میر سرخ، شریف اللہ، ابوالبرکات ابواحمد، میر بزرگ، مخدوم اعظم، جلال اکبر اور عظیم اللہ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔" (۱) (بہاولپور گزیٹیئر میں ان کی تاریخ پیدائش یکم رمضان ۵۹۵ھ لکھی ہے)

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاریؒ آپ کے مریدان باخلاص میں سے

ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید علی بزرگوار تھا۔ حضرت جلال الدین اپنے والد ماجد سے ہی جناب غوث العالمؒ کے مناقب اور کمالات کو سن سن کر زیارت اور ملاقات کے اشتیاق میں ملتان پہنچے اور آپ کے ہاں اترے۔ ملتان کی گرمی سے تنگ آکر بخارا کی برف کو یاد کرنے لگے۔ آسمان کی طرف دیکھا اور لمبی سانس کھینچ کر فرمایا "آہ یخ بخارا' درچنیں حرارت تراکجا یابم!" (آہ یخ بخارا! اس گرمی میں تجھے کہاں سے پاؤں)

حضرت غوث العالمؒ اس وقت خلوت گاہ میں تھے آپ کو یہ بات کشف سے معلوم ہو گئی آپ نے اپنے ایک خادم کو مسجد میں بھیجا اور یہ تاکید فرمائی کہ صفیں لپیٹ کر مسجد کے صحن میں جھاڑو دیں اس سے پہلے کبھی حضرت نے دوپہر کے وقت ایسا حکم نہیں دیا تھا۔ اس وقت مطلع بالکل صاف تھا اور بادل کا کہیں نشان نہ تھا۔ اتنے میں بادل نمودار ہوا خوب بارش ہوئی۔ مرغی کے انڈے کے برابر مسجد کے صحن میں اولے پڑے۔ مسجد سے باہر نہ بارش ہوئی اور نہ اولے گرے۔ ظہر کی نماز کے وقت آپ مسجد میں آئے اور حضرت سید جلال الدین سرخ بخاریؒ سے مسکرا کر فرمایا: "سید جلال! یخ بخارا بہتراست یا ژالہ ملتان؟" (ترجمہ = کہئے سید! اولے ملتان کے بہتر ہیں یا برف بخارا کا) سید صاحب نے عرض کیا۔ "ژالہ ملتان از یخ بخارا ہزار درجہ بہتر و اولی است" (ترجمہ = اس صورت میں تو ملتان کے اولے بخارا کی برف سے ہزار درجہ بہتر ہیں)(۲)

آپ بہت مسرور ہوئے اور اسی دن خرقہ خلافت عطا کر کے نعمت باطنی سے مالا مال کر دیا۔ کچھ دن سید بخاریؒ کو اپنی صحبت میں رکھا اور پھر اچ میں سکونت کا حکم فرمایا۔ اپ اچ میں سکونت پذیر ہوئے اور یہیں آپ کا مزار ہے۔

شیخ فخرالدین عراقی

مولانا عراقی کے مرید ہونے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے اور حضرت بہاء الدین ذکریاؒ کی ایک عظیم کرامت قابل توجہ ہے۔ "تاریخ فرشتہ" نے اس کا ذکر کچھ اس طرح بیان کیا ہے "حضرت فخرالدین(۲) ابراہیم عراقی ہمدان میں اٹھارہ سال سے

درس و تدریس میں مصروف تھے۔ آپ کا شہرۂ علمی تمام خراسان میں تھا۔ آپ کے مدرسہ میں تمام سامان آرائش و صفائی ہمہ اوقات موجود رہتے تھے اور عراق کے بکثرت طلبہ آپ سے فیوض علمی حاصل کرتے تھے۔ ایک دن آپ کے مدرسہ میں قلندروں کی ایک جماعت حاضر ہوئی۔ اس جماعت میں ایک نوعمر جوان نہایت حسین و جمیل موجود تھا۔ حضرت ابراہیم عراقی کی نظر اس حسین شخص کی طرف اٹھی اور اس کے عشق نے آپ کو بے خود بنا دیا۔ دل قابو سے باہر ہوگیا اور آپ اس پر فریفتہ ہوکر اپنے جذبات محبت کو چھپا نہ سکے۔ قلندروں کو جب یہ راز معلوم ہوا تو فوراً وہاں سے روانہ ہوئے۔ ادھر مولانا کو جب قلندروں کی روانگی کا علم ہوا تو بکمال بیتابی ان کے پیچھے روانہ ہوئے پہلی منزل ہی میں قلندروں نے جب مولانا کو دیکھا تو کہا آپ بزرگ عالم فاضل مشہور مقتدا ہیں آپ ہم جیسے رند مشرب قلندروں کے ساتھ کیسے رہ سکتے ہیں۔ مگر مولانا نشہ عشق میں مبہوت تھے۔ کہا اب میں تم سے جدا نہیں رہ سکتا اس پر جماعت قلندران نے بہت سمجھایا مگر مولانا پر کچھ اثر نہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو ہماری وضع قطع اختیار کیجئے۔ چنانچہ مولانا نے داڑھی مونچھ کا صفایا کرایا اور تہد اور ان کا لباس اختیار کیا۔ قلندروں کا یہ قافلہ سفر کرتا ہوا ملتان داخل ہوا اور خدمت حضرت خواجہ زکریاؒ ملتانی میں حاضر ہوا۔ حضرت زکریاؒ کی نظر جب اس جماعت کے افراد پر پڑی تو آپ نے ابراہیم عراقی کو پہچان لیا اور نور ولایت سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ابراہیم عراقی دام عشق میں گرفتار ہیں چنانچہ آپ نے ابراہیم عراقی پر نظر توجہ ڈالی اور اس نوجوان کے عشق سے مولانا کا سینہ صاف کر دیا۔ مگر جب قلندروں نے ملتان سے سفر کا ارادہ کیا تو ابراہیم عراقی نے بھی اس حسین قلندر کے ساتھ اسباب باندھا اور روانگی کی تیاری میں مصروف ہوئے قلندر رات کی تاریکی میں ملتان سے روانہ ہوئے۔ حضرت زکریاؒ نے جب نور باطن سے معلوم کیا کہ عراقی قلندروں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ یکایک آندھی اٹھی اور ہر طرف تاریکی چھا گئی قلندروں کا گروہ منتشر ہو گیا انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ راستہ کدھر ہے اور ہم کدھر جا رہے ہیں۔ ابراہیم عراقی بھی راستہ بھٹکتے ہوئے آخر خانقاہ حضرت زکریاؒ

کے دروازہ تک پہنچ گئے۔ حضرت زکریاؒ نے اپنے خادم کو حکم دیا اور فرمایا شیخ ابراہیم عراقی ہمارے دروازہ پر پہنچ چکا ہے تم جاکر اس کو ہمارے پاس لے آؤ۔ چنانچہ خادم ابراہیم عراقی کو ساتھ لیے آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا "عراقی از مابگریختی" عراقی قدموں میں گر گیا۔ حضرت زکریاؒ نے شیخ ابراہیم عراقی کو اپنے آغوش میں لیا اور سینہ سے لگایا۔ عراقی کے دل سے قلندر زادے کی محبت محو ہو گئی۔ حضرت نے اپنا لباس خاص عراقی کو پہننے کیلئے دیا اور ایک حجرہ ان کی عبادت کیلئے متعین فرمایا۔ عراقی آپ سے اس قدر متاثر تھے کہ کہا کرتے تھے "برمثال مثال مقناطیس کہ آہن راکشد، شیخ مرا جذب می کند و مقید خواہد کرد، ازیں جازود تر باید رفت۔

تکمیل معرفت کے بعد حضرت زکریا نے اپنی دختر سے جو عفت و تقویٰ میں رابعہ وقت تھیں عراقی کا نکاح کر دیا۔ دوسری روایت عراقی کے متعلق یہ ہے کہ ان میں اور صاحبزادے پیر محمدؒ شہریار میں (جو حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خواہر(۴) زادے تھے) باہم دگر عشق و الفت کے مراسم تھے۔ ایک دن حضرت شیخ الشیوخ کے سامنے بیان کیا گیا کہ عراقی فلاں نعل بند کے پسر حسین و جمیل کے پاس اس کے نظارۂ حسن و جمال میں مصروف ہیں۔ حضرت شیخ الشیوخ رضی اللہ عنہ نے عراقی کو طلب کیا اور ان افعال پر اس کو ملامت کی۔ فرمایا: "اے عراقی باوجود اتنی مشغولی کے ہنوز تیری طبیعت میں دوئی کا اثر ہے اور وحدت سلوک تجھ میں پیدا نہیں ہوئی پس اٹھ اور ان تمام افعال سے اجتناب کر۔ حضرت شیخ کے فرمان والاشان پر عراقی نے عرض کیا کہ پیر و مرشد غیر کہاں ہے جو آپ کو مجھ میں دوئی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ کو ان کلمات سے رنج ہوا اور طبع مبارک بہت آزردہ ہوئی۔ عراقی پر بھی حضرت شیخ کی ملال طبع کا بہت اثر پڑا۔ اور عرصہ دراز تک توبہ و استغفار اور گریہ زاری میں مصروف رہا یہاں تک کہ حضرت شیخ الشیوخ نے عراقی کا قصور معاف فرما دیا اور اس کو حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتانی کی خدمت میں ملتان روانہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ پچیس سال تک عراقی نے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر رہ کر زہد و سلوک کی تکمیل کی ابواب فتوح کشادہ ہوئے

اور عراقی کے سامنے نذر و فتوح کے انبار لگنے شروع ہو گئے۔ اسی زمانے میں عراقی کی شاعری کو فروغ حاصل ہوا وہ نہایت پر سوز و گداز اشعار کہتے تھے اور حضرت شیخ کو ان اشعار پر وجد دجال پیدا ہوتا تھا۔ عراقی کی حسب ذیل غزل حضرت کے گوش مبارک تک پہنچی اور حضرت زکریاؒ کو اس سے بے حد کیف و سرور پیدا ہوا۔

غزل

نخستیں بادہ کاندر جام کردند
زچشم مست ساقی دام کردند
برائے صید مرغ جان عاشق
ززلف فتنہ جویاں(۶) دام کردند
بعالم ہر کجا رنج و بلا بود
بہم بردند و عشقش نام کردند
زبہر نقل مستاں از لب و چشم
مہیا شکر و بادام کردند
چوخود کردند راز خویشتن فاش
عراقی را چرا؟ بدنام کردند

حضرت شیخ الاسلامؒ کے ارادتمندوں نے عراقی کو حجرہ میں نغمہ سرائی کرتے دیکھا تو حضرت کو اطلاع دی کہ ہمارے مسلک میں تو ان چیزوں کی ممانعت ہے " عراقی اس امر کے مرتکب کیوں ہو رہے ہیں؟"

حضرت نے فرمایا: "شمارا ازیں چیز ہا منع است اورا منع نیست۔" (تمہارے لیے یہ چیزیں منع ہیں عراقی کیلئے منع نہیں)۔

جب شیخ فخرالدین عراقی عشق مجازی کی بلا میں گرفتار ہمارے شیخ کے حضور پہنچے تو فراق کی حالت میں حجرے میں شعر گاتے تھے خانقاہ کے بے روح مریدوں نے اس پر احتجاج کیا کہ یہ بات سہروردیہ مسلک کے خلاف ہے۔ اس پر شیخ نے جواب دیا کہ تمہارے لیے یہ چیزیں منع ہیں۔ اس کے لئے منع نہیں ہیں۔

اصولوں میں یہ لچک پذیری تخلیقی فکر پر دلالت کرتی ہے۔ شیخ کی ایسی ہی امتیازی خوبیوں اور متاثر کن شخصیت کی بنا پر پنجاب میں سہروردیہ سلسلے کو عروج حاصل ہوا۔ اس طرح ایک نئے صوفیانہ مکتبہ فکر کی مضبوط بنیادیں استوار ہوئیں۔

کچھ دنوں بعد شیخ عمادالدین شہر میں گئے ایک خرابات سے گزر رہے تھے کہ رندوں کو مندرجہ بالا غزل چنگ و چغانہ سے گاتے سنا۔ شہر سے واپس آئے تو حضرت کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔

حضرت نے یہ سن کر ارشاد فرمایا "کار عراقی تمام شد" (اب عراقی کا کام پورا ہو گیا)

اسی وقت عراقی کے حجرے میں گئے اور فرمایا "عراقی! مناجات در خراجات مے کنی ما بیروں آ" (ترجمہ = اب تم خرابات میں بھی مناجات کرنے لگے ہو۔ اٹھو اور باہر آؤ)۔ مولانا عراقی حجرے سے باہر نکلے تو شیخ الاسلامؒ کے قدموں میں گر گئے اور رونے لگے آپ نے اٹھا کر سینے سے لگا لیا عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی جس کا مطلع یہ تھا۔

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است
ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

حضرت شیخ الاسلام ؒ نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کر انہیں پہنا دیا۔ اور اسی مجلس میں اس سے اپنی ایک صاجزادی کا نکاح کر دیا۔ عراقی تقریبا" پچیس سال تک آپ کی خدمت میں رہے۔ آپ کے وصال کے وقت ملتان ہی میں تھے عراقی نے مدحیہ قصائد کے علاوہ آپ کا ایک مرثیہ بھی لکھا ہے جو سوز و گداز سے لبریز ہے۔ جب حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے عراقی کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ شیخ کی وفات کے بعد لوگوں کے رشک و حسد کی بنا پر جو محض اس وجہ سے تھا کہ شیخ ان کو بے حد عزیز رکھتے تھے عراقی ملتان چھوڑ کر حج کیلئے بیت اللہ روانہ ہوئے۔ عراقی کے متعلق "تاریخ فرشتہ" میں درج ہے کہ ابراہیم عراقیؒ حضرت خواجہ بہاء الدین زکریاؒ کی وفات کے بعد زیارت حرمین شریفین کو روانہ ہوئے شیخ محی الدین عربی کے خلیفہ حضرت شیخ صدرالدین قونویؒ سے ملاقات

کی اور کتاب فصوص کو حضرت موصوف کے سامنے سنایا اور نسخہ "لمعات" تحریر کی اور شیخ صدرالدین کے سامنے اس کو پیش کیا۔ شیخ صدرالدین نے ان کی تصنیف کو پسند فرمایا۔ اس کے بعد عراقی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ جب وہ شہر روم میں پہنچے تو وہاں حسن قوال پر جو نہایت حسین و جمیل شخص تھا عاشق ہو گئے اور وہاں مختلف غزلیں تصنیف فرمائیں اسی طرح مصر پہنچے اور کفش دوز (موچی) کے عشق میں مبتلا ہوئے اس کے بعد شام کو روانہ ہوئے اور دمشق میں وہاں کے امیر کے صاجزادے پر عاشق ہو گئے۔ دمشق میں ہی حضرت عراقی کے صاجزادے شیخ کبیرالدین رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے نواسے تھے ملتان سے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابراہیم عراقی کا انتقال دمشق میں آٹھ یا بیس ذ۔عقد ۶۸۸ھ کو ہوا اور دمشق ہی میں آپ کے پسر شیخ کبیرالدین کا انتقال ہوا دونوں کے مزار مبارک حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے پہلو میں دفن ہیں۔"

(ماخوذ از "نفحات الانس" ص ۶۳۵ تا ۶۴۰، سیرالعارفین ۱۵۰ تا ۱۵۲ "تاریخ فرشتہ" (اخبار الصالحین ص ۳۶۱ تا ۳۶۷)

میر حسینیؒ (۱)

سید صدرالدین احمد بن سید نجم الدین ہروی معروف بہ امیر حسینیؒ پہلی مرتبہ اپنے والد سید نجم الدین کے ساتھ تجارت کے سلسلے میں ملتان آئے چونکہ ان کے والد تجارت کی غرض سے ملتان آئے تھے، اور یہ بھی اس میں بے حد منہمک تھے، اس لیے وہ صرف ایک آدھ مرتبہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ سے ملاقات کر سکے اور اپنے وطن واپس چلے گئے، لیکن اپنے والد کی وفات کے بعد دنیا سے منہ موڑ کر اپنا تمام مال و سامان فقراء میں تقسیم کر دیا۔ ایک قافلہ ملتان کو جا رہا تھا اس کے ہمراہ ہو لیے۔ اس قافلے نے ملتان آکر کاروان سرائے شاہی میں قیام کیا۔ جب رات ہوئی شیخ الاسلامؒ نے خواب دیکھا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "میرا فرزند میر حسینیؒ قافلے میں ہے اسے نکال لا اور خدا شناسی کا راستہ دکھا" (فرزندم میر حسینیؒ در قافلہ است اورا از ایشاں بیروں آرد بکار حق مشغول کن)

صبح سویرے حضرت شیخ الاسلامؒ بذات خود کاروان سرائے میں تشریف لائے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا "میر حسینی در میان شما کیست؟" (تم میں میر حسینی کون ہے؟) سب لوگوں نے میر حسینیؒ کی طرف اشارہ کیا حضور قریب پہنچے تو میر حسینی قدموں میں گر پڑا۔ حضرت نے اٹھا کر سینے سے لگایا۔ خانقاہ میں لائے اور مرید کر کے ارادت مندوں میں جگہ دی۔ تین سال تک حضرت کی خدمت میں رہ کر ریاضت شاقہ کیں اور آپ کی صحبت برکت سے صاحب کرامت ہوئے۔

جس زمانے میں شیخ الاسلام بہاء الحق، سلطان التمش کے زمانے میں حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے محضر کے قضیئے میں دہلی پہنچے تو سید حسینیؒ ان کے ہمراہ تھے "نفحات الانس" میں ہے کہ ۱۶ شوال ۷۱۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار مبارک شہر ہری میں واقع ہے، اس شہر کے لوگ دو شنبہ کے دن ان کے مزار مبارک کی زیارت کیلئے آتے ہیں، مزار مبارک شہر کے ایسے پر فضا مقام پر واقع ہے کہ وہاں حاضر ہونے کے بعد روح ایک راحت محسوس کرتی ہے۔ "تذکرہ دولت شاہ میں سال وفات ۷۱۹ ہے لیکن اودھ کے کتب خانے کے کٹیالاگرا اسپرنگر کا بیان ہے کہ ان کی تصنیف "زادالمسافرین" میں حسب ذیل شعر درج ہے:

در ہفت صدو بست و نہ زہجرت گشت آخر ایں کتاب ختمت

اس لحاظ سے وہ ۷۲۹ھ تک بقید حیات تھے۔" (۸)

سید امیر حسینیؒ جلیل القدر درویش ہونے کے علاوہ اپنے دور کے مشہور اہل قلم میں سے تھے۔ ان کی نثری تصانیف میں "نزہۃ الارواح" اور "طرب المجالس" اور نظم میں "زادالمسافرین"، "سرنامہ" اور "دیوان کنزالرموز" مشہور ہیں۔ انہوں نے "کنز الرموز" اس زمانے میں جبکہ وہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی کی خدمت میں تھے تصنیف کی جس کو دیکھ کر حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتانی نے اس کتاب کی بے حد تعریف فرمائی اس کتاب میں آپ کی اور آپ کے فرزند ارجمند شیخ صدرالدین عارفؒ کی مدح لکھی ہے۔ شیخ محمود شبستری کی مشہور مثنوی "گلشن راز" حضرت امیر حسینی کے سوالات کے جوابات میں لکھی گئی۔ "طرب المجالس" میں انہوں نے اپنے دہلی آنے کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ حسن افغانؒ (۸)

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ مریدوں میں شیخ حسن افغانؒ کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے۔ وہ ان پڑھ تھے اور حروف تک نہیں پہچانتے تھے لیکن بقول صاحب "مراۃ الاسرار" "گویا لوح محفوظ در آئینہ دلش عکس انداختہ بود ہیچ علم او را مشکل نمی شد" مگر ان کا ظاہر و باطن روحانی تعلیم سے آراستہ تھا ان کی بزرگی کا یہ حال تھا کہ ایک بار کاغذ پر تین سطریں لکھ دی گئیں جن میں ایک کلام پاک کی آیت تھی' ایک حدیث شریف اور ایک میں کسی شیخ کا قول منقول تھا۔ یہ کاغذ دکھا کر شیخ حسن افغانؒ سے پوچھا گیا کہ کونسی سطر میں کیا چیز ہے؟ انہوں نے قرآن مجید کی سطر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ کلام ربانی ہے۔ اس کا نور مجھ کو زمین سے عرش معلی تک نظر آ رہا ہے۔ حدیث شریف کی سطر پر انگلی رکھ کر کہا کہ یہ حدیث مقدس کی سطر ہے اس کا نور ساتویں آسمان تک دکھائی دیتا ہے۔ پھر شیخ کے قول پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اس کا نور زمین سے آسمان تک دیکھتا ہوں۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے روز حق تعالیٰ مجھ سے سوال کرے گا کہ زکریاؒ ہماری درگاہ میں کیا لایا ہے تو میں عرض کروں گا کہ حسن افغان کو لایا ہوں کہ میری کمائی حسن افغانؒ ہے۔

حسن افغانؒ کوہستاں کے رہنے والے تھے اس پہاڑ پر افغان رہتے تھے اور پہاڑ کو کوہ سلیمان کہتے ہیں۔

ایک دفعہ لوگوں نے ایک مسجد بنائی خواجہ حسن افغانیؒ وہاں پہنچے انہوں نے عمارت بنانے والوں سے کہا کہ محراب کا رخ یوں ہو قبلہ اس طرف ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ایک دانش مند وہاں موجود تھا اس نے بحث شروع کر دی اور کہا کہ نہیں سمت کعبہ دوسری طرف ہے۔ الغرض ان کے مابین بہت سی باتیں ہوئیں۔ آخر خواجہ حسن افغانیؒ نے اس دانش مند سے کہا کہ جس سمت کو میں کہہ رہا ہوں' تم منہ ادھر کرو اور اچھی طرح سے دیکھو۔ دانش مند نے منہ اس طرف کیا اور کعبہ کو اسی سمت میں روبرو پایا جس سمت میں خواجہ حسنؒ نے

کہا تھا۔

مغرب کے وقت خواجہ حسنؒ ایک مسجد میں پہنچے امام جماعت کی نماز کے ساتھ کھڑا تھا۔ انہوں نے پہلی رکعت میں اس کو اقتدا کی۔ سلام پھیرنے کے بعد انہوں نے امام کا ہاتھ پکڑا اور پوچھا "ہم اس نماز باجماعت میں شامل تھے اور تمہارے مقتدی تھے۔ تم عین نماز میں یہاں سے دہلی گئے۔ وہاں سے غلام خرید کر کو ملتان آئے اور پھران بردوں کو گران قیمت پر بیچنے کیلئے ملتان سے خراسان پہنچے۔ وہاں سے ملتان آئے اور پھراس مسجد میں آ گئے ہم تمہارے پیچھے پیچھے بلاوجہ حیران و پریشان گھومتے پھرے۔ اس نماز کا کیا نام رکھیں؟ جس وقت خواجہ حسنؒ مذکور نماز میں شامل ہوئے تھے، امام کا خیال اسی قسم کا تھا کہ جو بیان کیا گیا۔

خواجہ کمال الدین(ا) مسعودؒ شیروانی اور خواجہ فخرالدین گیلانیؒ

مولانا حسام الدین حاجیؒ جو حضرت سلطان المشائخ سیدنا نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی کے مرید ہیں ان سے منقول ہے کہ خواجہ کمال الدین مسعود شیروانیؒ جو جواہرات کے تاجر اور صاحب ثروت بزرگ اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی کے مریدین میں سے تھے۔ ایک دفعہ جزیرۂ جرولی سے عدن کو کشتی (جہاز) میں روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں ہوا کا طوفان آیا جہاز کے ستون ٹوٹ گئے اور قریب تھا کہ جہاز (کشتی) غرق ہو جائے۔ خواجہ کمال الدین مسعودؒ دست دعا بلند کیے اور یہ عجز و نیاز حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے استعانت کی روحانی طور پر درخواست کی۔ اسی وقت اہل کشتی نے دیکھا کہ حضرت شیخ کشتی پر موجود ہیں۔ تمام لوگوں کو حضرت شیخؒ نے کشتی سے نجات اور عافیت کی بشارت دی اور خود غائب ہو گئے۔ چنانچہ بہ اذن الٰہی ہوا کاز در ختم ہوا اور کشتی عدن پر سلامتی سے پہنچ گئی۔ تمام تاجروں نے جو کشتی (جہاز) پر سوار تھے خلوص عقیدت کے ساتھ اپنا اپنا ایک ثلث (تہائی) سامان خواجہ کمال الدین مسعودؒ شیروانی کے سامنے پیش کیا اور ان سے کہا کہ جس وقت آپ ملتان میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوں تو ہماری یہ نذر دربار شیخؒ میں پیش کر دیں۔ کمال الدین مسعودؒ نے بھی اپنے

جواہرات میں سے نصف جواہرات اس سامان میں شامل کئے اور خواجہ فخرالدین گیلانیؒ کو جو نہایت معتبر اور معتمد تھے معہ کل سامان نذر و نیاز کے ملتان کو روانہ کیا۔ جس وقت خواجہ فخرالدین گیلانیؒ خانقاہ معلی حضرت شیخؒ ملتان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہی بزرگ جن کی زیارت کشتی میں ہوئی تھی تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ فخرالدین گیلانیؒ نے وہ تمام انبار جواہر جن کی قیمت تقریباً" سترہ لاکھ (۱۰) تنگہ (ٹکے) تھی خدمت شیخؒ میں پیش کئے۔ حضرت شیخؒ نے تین روز کے اندر وہ تمام سامان فقرا اور مساکین کو تقسیم فرمایا۔ فخرالدینؒ نے حضرت خواجہ زکریاؒ کی یہ شان بذل و ایثار دیکھی تو ان کے جذبات عقیدت میں ایک خاص کیفیت طاری ہوئی۔ اور اپنا تمام مال و متاع خدمت شیخؒ میں حاضر کر دیا اور آپ صرف بدن پر جو کپڑے تھے انہیں کے ساتھ مرید ہوئے اور زہد و ریاضت میں مشغول رہ کر واصلان خدا سے ہوئے۔ پانچ سال خدمت شیخ میں رہ کر مکہ معظمہ جانے کی اجازت لی۔ چنانچہ بندرگاہ جدہ پر پہنچ کر واصل بحق ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

سید عبدالقدوسؒ

حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جب شیخ زکریا ملتانیؒ روحانی نعمتوں سے مالا مال ہو کر دربار شیخ الشیوخ سے رخصت ہوئے ہیں۔ اثنائے رہ میں ایک مسجد میں قیام فرمایا وہاں ایک قافلہ قلندروں کا قیام پذیر ہوا۔ اس قافلہ میں سید جمال مجرد رحمتہ اللہ علیہ قلندرانہ وضع قطع سے موجود تھے۔ جب رات ہوئی تو حضرت شیخؒ عبادت شب سے فارغ ہو کر مراقبہ میں کچھ دیر تک رہے جب آنکھ کھولی تو دیکھا کہ ایک قلندر کے سر سے لے کر آسمان تک نور ہی نور نظر آ رہا ہے حضرت شیخؒ کو بہت تعجب ہوا اور آہستہ آہستہ چل کر اس مرد قلندر تک پہنچ گئے جو انوار الٰہی میں غرق تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے مرد خدا ان قلندروں کے ساتھ تم کہاں ہو۔ جواب ملا۔ "اے زکریاؒ ہر قوم مین خاصان (۱۱) خدا ہوتے ہیں اور خدائے تعالیٰ ان کی برکت سے اس قوم کو بخش دیتا ہے۔ یہ بزرگ جن کو انوار الٰہی میں حضرت خواجہ نے مستور پایا تھا عالم، فاضل، مجذوب اور سید انسب تھے۔ موصل

کے سادات کرام میں سے تھے اور سید جمال الدین(۱۲) مجرّدؒ کی قبر مبارک پر آپ نے لباس قلندری پہنا تھا۔ غرض حضرت شیخ نے ان بزرگ کو گروہ قلندری سے نکال کر اپنے ہمراہ لیا عالم جذب سے عالم سلوک میں پہنچا دیا ان کا نام سید عبدالقدوس ہے آپ نے انہیں خرقہ خاص سے مشرف کیا اور اپنی محبت میں رکھ کر درجہ کمال تک پہنچا دیا ان کا مزار مبارک قصبہ ناین میں ہے جو یزد اور موصل کے درمیان واقع ہے۔

حضرت شیخ بدر بجستانیؒ

"آپ کے ایک مرید حضرت شیخ بدر بجستانیؒ جو لاہور میں سکونت رکھتے تھے' عید کے دن نماز عید پڑھنے کیلئے عید گاہ روانہ ہوئے بعد فراغ آپ نے آسمان کی طرف رخ کیا اور عرض کیا کہ بار خدایا آج ہر بندہ اپنے آقا سے عیدی حاصل کرتا ہے تیرا یہ گنہگار بندہ آج تجھ سے عیدی کا خواستگار ہے اپنے خزانہ غیب سے مجھے عیدی عطا فرما۔ ابھی یہ کلام ختم نہ ہوا تھا کہ آسمان سے حریر کا ایک ٹکڑا زمین پر گرا اس پر بخط سبز تحریر تھا کہ اے شیخ آتش دوزخ ہم نے تجھ پر حرام کی اور تجھے ہم نے آزاد کیا۔ عید گاہ میں جس قدر لوگ جمع تھے سب نے حضرت شیخ کے دست دیا کہ بوسہ دیا۔ انہی میں سے ایک شخص نے کہا "اے بزرگ من آپ نے تو اپنے خدا سے عیدی پالی میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے عیدی عطا فرمائیں۔ حضرت شیخ بدر بجستانیؒ نے جس وقت اس شخص کے الفاظ سنے فوراً ہی بغل میں ہاتھ ڈالا اور ایک پارۂ حریر نکال کر اس شخص کو عطا کیا اور فرمایا "اے شخص یہ تیری عیدی ہے قیامت کے روز میں جانوں اور آتش دوزخ"(۱۳) سبحان اللہ جس کے ادنی مریدوں کے فضل و کرم کا یہ حال ہو اس کے اپنے مراتب کا کیا کہنا!

مولانا بلال سندھیؒ (۱۴)

قصبہ سیوہان کے پاس موضع بحری میں ایک درویش رہتے تھے جن کا نام مولانا بلال تھا۔ وہ بہت ریاضت کرنے والے عارف کامل اور صاحب دل انسان

تھے۔ فقہ و حدیث پر گہری نظر تھی۔ علی شیر قانع تتوی نے لکھا ہے کہ ان کو شعر و سخن سے بھی مناسبت تھی، اور مندرجہ ذیل اشعار بطور نمونہ نقل کیے ہیں۔

در راہ خدا زسر قدم باید ساخت
سرمایہ اختیار خودی باید باخت
کفرست بخود نمائی بردن بجہان
از خویش بردن شدہ سویش می باید تاخت

معصوم بھکری نے لکھا ہے کہ مخدوم بلالؒ کا انتقال ۹۲۹ھ میں ہوا لیکن مولف "حدیقۃ الاولیا" لکھتے ہیں کہ ۳۰ صفر ۹۳۱ھ کو انہوں نے رحلت فرمائی۔ جہاں مخدوم بلالؒ کا مزار ہے۔ وہ مقام "مخدوم بلال" کہلاتا تھا اور ضلع دادو (سندھ) میں واقع ہے۔

حضرت موسیٰ (۱۵) نواب

شیخ بہاء الدین زکریا کے ایک اور خلیفہ جنہوں نے اچ میں تبلیغ اسلام کی حضرت موسیٰ نواب تھے۔ ان کے دادا کیچ مکران کے نواب تھے اس لیے لفظ نواب ان کے نام کا بھی جزو ہو گیا تھا۔ ان کے ہاتھ پر دو قبیلے مسلمان ہوئے۔

"اُچ کے ایک اور صاحب سطوت بزرگ جن کا ذکر حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات اور معاصرانہ تواریخ (مثلاً برنی کی تاریخ فیروز شاہی) میں آتا ہے۔ شیخ جمال الدین اچویؒ تھے۔ وہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مرید تھے اور ان کے خاندان کو اچ کے بخاری سجادہ نشینوں کی اتالیقی کی عزت بھی حاصل رہی ہے۔ شیخ جمال کی وفات ۱۳۰۰ء میں ہوئی۔ اچ کے جس حصے میں آپ کا مزار ہے اسے "اچ جمالی" بھی کہتے ہیں" (۱۶)

حاجی آرام (۱۷) سندھیؒ

مولانا بلال سندھیؒ سے بھی زیادہ اسی گاؤں میں ایک درویش تھے جو نہایت عزیز الوجود اور عبادت الٰہی میں متفرق رہتے تھے وہ حاجی الحرمین تھے، ان کو حاجی آرام کہتے تھے۔ ان کا بھیڑوں اور گایوں کا بڑا گلہ تھا۔ وہ اکثر اس دودھ سے

کھیر پکواتے تھے اور درویشوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ان کے گلے کا کوئی چرواہا اور نگہبان نہ تھا جو اس کو چراتا اور جنگل سے واپس لاتا۔ یہ بھی مشہور تھا کہ ایک زمانہ گزر گیا مگر ان کے گلے کی کوئی گائے یا بھیڑ کسی کے کھیت میں نہ تو چرتی اور نہ منہ ڈالتی۔

شیخ عثمان المروندی المعروف بہ لال شہباز قلندرؒ (۱۸)

آپ کا اصل نام شیخ عثمان تھا۔ تبریز کے نزدیک ایک گاؤں مرند میں پیدا ہوئے۔ حضرت مخدوم سید عثمان المرندوی المعروف بہ لال شہبازؒ کا شمار اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ اگرچہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ آپ کو دوستوں میں شمار کرتے' آپ پابند شریعت بزرگ تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے غلطی سے سے لکھا ہے کہ اپ احکام شرع کے پابند نہ رہتے تھے اور آپ کو ملامتی ظاہر کیا گیا۔ سہوان شریف میں چپے چپے پر ان کی عبادت گاہیں بالخصوص لال باغ اور پہاڑ کی نشست گاہ میں آپ کا مصلے آپ کا متبع شریعت ہونے کا ثبوت ہیں۔ پھر وہ شخصیت جو حضرت شیخ الاسلامؒ جیسی پابند شریعت کی صحبت میں کئی سال بسر کر چکی ہیں اس پر اس قسم کی رائے تہمت ہے (وہ لوگ جو قلندر قلندر کے نعرے لگاتے بدمستیاں دکھاتے ہیں ان کا حضرت شہباز قلندر کی ذات سے کوئی تعلق نہیں) کیونکہ حضرت شیخ الاسلامؒ جیسے شیخ کامل کا دوست' مرید اور خلیفہ کامل ملامتی نہیں ہو سکتا۔

صاحب ''منبع البرکات'' لکھتے ہیں کہ اسی افواہ کی بناء پر ملتان کے قاضی قطب الدین کاشانیؒ نے حضرت مخدوم پر فسق کا فتوئ لگا دیا۔ یہ ان دنوں ملتان کے کسی قریبی گاؤں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ قاضی صاحب کا فتوئ برداشت نہ کر سکے۔ ہمرائیوں کو لے کر غصے کی حالت میں ملتان کو چل پڑے حضرت شیخ الاسلامؒ کے پاس علماء اور مشائخ کا اجتماع تھا۔ اچانک شور اٹھا کہ سندھ سے شیخ عثمان نامی بزرگ قاضی قطب الدین کاشانیؒ سے ٹکر لینے کے لیے بگولے کی طرح چلے آ رہے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنے جواں سال بھتیجے شیخ حسن (''فرزند ارجمند شیخ مخدوم

عبدالرشید") کو بھیجا کہ انہیں نرمی سے سمجھا بجھا کر میرے پاس لاؤ۔ مخدوم عثمان آپ کا نام سنتے ہی ٹھنڈے پڑ گئے۔ اور شیخ حسن کے ہمراہ دربار غوثیہ میں حاضر ہوئے حضرت شیخ الاسلام" نے آپ پر شفقت کی نظر کی اور فرمایا "اے لال شہباز۔ آگے بڑھ۔" آپ نے آگے بڑھ کر سرنیاز قدموں میں رکھا اور فرمایا: "اے پیکر نور خطا معاف فرما دیجئے میں نے آپ کے شہر کے ایک عالم کو گرفت میں لانا چاہا تھا۔ لیکن خود اسی میں جکڑ دیا گیا۔ خدارا اب اور زیادہ نہ ترسائیے اپنی بیعت میں لے لیجئے۔" حضرت شیخ الاسلام" نے انکو بغل میں لے کر خوب بھینچا اور اسی محبت میں ہی آپ کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر لیا۔

چونکہ حضور نے آپ کو "لال شہباز" کہہ کر پکارا تھا اس لیے آپ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب "آب کوثر" میں (ص ۳۳۲) لکھتے ہیں "آپ کو مرشد شہباز کا خطاب دیا تھا۔ اور چونکہ آپ اکثر سرخ لباس پہنے تھے اس لیے آپ کو لال شہباز کہتے تھے۔" آپ اکثر سرخ لباس پہننے کی وجہ سے "لال شہباز" کہلاتے تھے۔ بلبن کا بیٹا خان شہید آپ کا بڑا معتقد تھا "تحفۃ الکرام" میں لکھا ہے کہ آپ سیر و سیاحت کرتے بوعلی شاہ قلندر کی خدمت میں جا پہنچے انہوں نے کہا ہندوستان میں تین سو قلندر رہیں بہتر ہے کہ آپ سندھ تشریف لے جائیں۔ چنانچہ آپ سندھ میں آ کر سیوستان (سیون) میں مقیم ہو گئے۔ یہاں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل ہو گئی۔ شروع میں آپ ایک باشرع بزرگ تھے۔ لیکن قلندری مشرب اختیار کرنے کے بعد آزاد ہو گئے۔ اکثر "جذب و سکر" کی حالت میں رہتے تھے۔ "آپ کے طریقے کے قلندروں کو لال شہباز یہ کہتے ہیں۔"(۱۹) آپ نے ۱۲۷۴ء میں وفات پائی۔ والی سیوستان نے مزار پر ایک شاندار روضہ تعمیر کرایا۔ آپ کا مزار سندھ کی سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔ صاحب "تحفۃ الکرام" نے آپ کو ان "چار یاروں" میں شمار کیا ہے۔ جو مل کر سیاحت کرتے تھے۔ سیون کے قریب پہاڑ پر چشمہ واہی پر جلدی امراض کے مریض غسل کرتے اور شفا پاتے ہیں۔ پاس ہی ایک ستون کی مسقف عمارت ہے۔ یہاں لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ اور اس کی چھت پر سیر کرتے ہیں۔ عام مشہور یہی ہے۔ کہ اس جگہ "چاروں

یار" یعنی شیخ بہاء الدین زکریاؒ، بابا فرید گنج شکرؒ، سید جلال بخاریؒ اور لال شہباز قلندرؒ نے کئی کئی دن مکاشفہ میں کاٹے۔

حاجی جمال کنبوہؒ (۲۰)

ایک دفعہ شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی "حضور سنا ہے کہ آپ خدا کے نام پر سب کچھ دے دیتے ہیں۔ میں بھی ایک آرزو لے کر آیا ہوں۔" فرمایا "بھائی میرا کیا ہے جو دوں، سب اسی کا مال ہے۔ جس کو چاہتا ہے دلاتا ہے۔ اگر اسے منظور ہوا تو تم بھی خالی نہ جاؤ گے ہاں کہو! کیا کہنا چاہتے ہو؟"

سائل نے عرض کی: "حضور! میری خواہش ہے کہ آپ خدا کی راہ میں اتنی اشرفیاں عنایت فرمائیں جتنے آج تک پیغمبر آئے ہیں۔"

حضرت کے چہرے پر حیرت و استعجاب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ عام روایت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان کی جاتی ہے۔ اتنی بڑی رقم رب العزت کے نام پر تصدق کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی لیکن ایک غیر معروف انسان کو اس قدر دولت کا دے دینا مصلحت سے بعید تھا۔

حضرت سوچ میں پڑ گئے کہ اس معمہ کو کس طرح حل کیا جائے۔ اس وقت بارگاہ عالیہ میں بڑے بڑے علماء اور مشائخ موجود تھے۔ کبھی وہ سوال کرنے والے کو دیکھتے اور کبھی سوال پر غور فکر کرتے۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ آج تک اس بارگاہ سے کوئی شخص خالی نہیں لوٹا ہو۔ لیکن اگر حضرت اس آدمی کو اتنا بڑا خزانہ دے دیتے ہیں تو اس سے ہزاروں مستحقین کی حق تلفی ہوتی ہے اور اگر حضور اسے مطالبہ سے کم رقم مرحمت فرماتے ہیں تو لوگوں میں مشہور ہو جائے گا کہ حضرت نے سائل کا سوال پورا نہیں کیا۔ تمام حاضرین اس خیال میں محو تھے کہ دفعتہ" ایک طرف سے آواز آئی "حضرت! اس شخص کو میرے حوالے فرمائیے! اس کا سوال میں پورا کروں گا" یہ ایک مستعد اور معاملہ فہم بزرگ تھے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کے محب، صادق! حاجی جمال کنبوہ! ان کی طبع رسا ایسے موقعوں پر کام آتی تھی۔ حضرت

شیخ الاسلامؒ کے محب' صادق! حاجی جمال کنبوہ! ان کی طبع رسا! ایسے موقعوں پر کام آتی تھی۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کے رخ انوار پر بشاشت دوڑ گئی مسکرا کر فرمایا: "میاں جمال! سوال کو سمجھ لیا ہے" عرض کی: "حضور سوال اور سوالی دونوں کو سمجھ کر ہی عرض کر رہا ہوں" فرمایا "بہتر! اسے لے جاؤ اور راضی کرو۔" حاجی جمال آگے بڑھے اور سائل کو اپنے ہمراہ لے کر گھر کو روانہ ہو گئے۔ حاجی جمال ملتان کے ایک خوشحال امیر تھے۔ سائل کو گھر لے جا کر اور پیر کا مہمان سمجھ کر بڑی عزت سے مسند پر بٹھایا۔ شربت سے تواضع کرنے کے بعد خلعت فاخرہ اس کے آگے کر رکھی اور اپنے خزانچی کو حکم دیا "خزانے کی کوٹھڑی کھول کر تمام اشرفیاں نکال لاؤ۔" خزانچی نے تھوڑی سی دیر میں اشرفیوں کا ڈھیر لگا دیا سائل کی آنکھیں اشرفیوں کی چمک دمک سے چندھیانے لگیں۔ اس کے منہ سے رال بہنے لگی اور اس کا دل فرط مسرت سے رقص کرنے لگا۔ اس نے یقین کر لیا کہ یہ تمام خزانہ اب میرا ہے۔ چند ساعتوں میں ہی میں ایک امیر کبیر بن جاؤں گا۔

وہ اس قسم کی منصوبہ بندی میں محو تھا کہ حاجی جمال اپنی مسند سے اٹھے اور سائل کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: "بھئی اب تم ایک ایک پیغمبر کا نام لیتے جاؤ' تاکہ میں ان کے نام پر ایک ایک اشرفی پیش کر سکوں۔" سائل حاجی جمال کی اس تصریح سے گھبرا گیا۔ لیکن اب سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا۔ کہ جو نام اسے یاد ہوں سنا کر ان کے بدلے میں چند اشرفیاں قبول کر لے آخر سوچ کر اس نے سر اٹھایا اور کہا: "آدمؑ" حاجی جمال نے فوراً" ایک اشرفی اس کے ہاتھ میں تھما دی اس کے بعد شیثؑ' ادریسؑ' نوحؑ' ابراہیمؑ' اسمٰعیلؑ' یعقوبؑ' یوسفؑ' موسیٰؑ' داؤدؑ' سلیمانؑ' الیاسؑ' صالحؑ' عیسیٰؑ' یحییٰؑ' اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ تک بمشکل دس بیس نام جو اسے یاد تھے کہہ سنائے اور اتنی ہی اشرفیاں لے کر عجز کا اقرار کیا۔

حاجی جمال بار بار کہتے: "بھائی کوشش کرو ممکن ہے۔ کوئی اور نام یاد آ جائے مفت میں اشرفیاں ضائع نہ کرو۔" لیکن اسے جو کچھ یاد تھا' عرض کر چکا۔ آخر کار وہی مٹھی بھر اشرفیاں لے کر راضی ہو گیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کو جب تمام

صورت حال کا پتہ چلا تو بہت خوش ہوئے اور حاجی جمال اور ان کی اولاد کے حق میں دعا فرمائی۔

حضرت میاں چنوں

"حضرت میاں چنوں بلوچ اپنے وقت کے جواں ہمت اور بے باک چور تھے۔ اور علاقہ جھنگ سے ملتان گئے تھے۔ مجید جنجوعہ بھی ان کے گہرے دوست ہم سفر اور ہم مشرب تھے۔ علاقہ بھر میں چوریاں کرتے تھے۔ ایک دفعہ میاں مجید اور میاں چنوں جنگل سے گزر رہے تھے کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضری کے بعد اس علاقے میں تشریف لائے۔ جنگل میں میاں چنوں اور میاں مجید ان سے ملے۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے ان دونوں سے پینے کیلئے پانی طلب کیا۔ انہوں نے مہمان نوازی اور مسافر کی تواضع کے جذبہ کے تحت پانی کی تلاش شروع کر دی۔ دونوں کافی دور نکل گئے اور پانی کا مشکیزہ لے کر لوٹے۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ جا چکے تھے۔ ان کو دلی صدمہ پہنچا۔ چنانچہ دونوں ان کے قدموں کے نشانات پر ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ پانچ میل کی مسافت طے کر کے انہوں نے حضرت کو ایک ویران ٹیلے پر بیٹھے دیکھا ان کے قریب پانی کا چشمہ جاری تھا۔ حضرت زکریاؒ نے پیاس کی شدت کے باعث اللہ تعالیٰ سے پانی مانگا۔ ان کو حکم ملا کہ زمین پر پاؤں مارو۔ انہوں نے پاؤں زمین پہ دے مارا تو چشمہ پھوٹ پڑا۔ اب اس جگہ کنواں بن گیا ہے۔ لیکن علاقہ کی شادابی اس بات کی غماز ہے۔ اس چشمہ کے باعث ویران علاقہ شاداب ہو گیا۔ میاں چنوں اور میاں مجید نے یہ واقعہ دیکھا تو دونوں نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی قدم بوسی کی اور گناہوں سے توبہ کر لی۔ حضرت نے دونوں کو اٹھا کر گلے لگا لیا۔ حضرت غوث بہاؤ الحقؒ نے ہی ان کو میاں چنوں اور میاں مجید کا نام عطا کیا۔ اور اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کر کے تبلیغ دین کا کام ان کے سپرد کیا۔ "در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبر یست" کے مصداق حضرت میاں چنوں عین شباب میں گناہوں سے تائب ہو کر باقی تمام زندگی عشق الٰہی میں گزار دی

ان کا مزار مبارک "قصبہ میاں چنوں" میں موجود ہے۔ سال وفات ۶۴۵ھ تحریر ہے۔"(۲۱)

دست بوسی اولیاء

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ سے مرقوم ہے کہ ایک دفعہ میں اور شیخ الاسلام حضرت بہاء الدینؒ بخارا میں مقیم تھے اور بہت سے اہل علم کا مجمع تھا۔ اسی دست بوسی کا تذکرہ شروع ہوا۔ حضرت غوث نے فرمایا کہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کا دستور تھا کہ جب آپ کسی مجلس یا جماعت سے گزرتے تو ضرور دست بوسی کرتے اور بعدہ دعائے خیر طلب کرتے تھے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب لوگ ایک دوسرے سے رخصت ہوں مناسب ہے خیرات دیں اور ایک دوسرے کے ہاتھ چومیں کہ اس میں محبت و برکت ہے۔ یعنی بزرگوں کی دست بوسی سے جنت ملتی ہے۔ "ایک مرتبہ ایک شخص جو بڑا بدکار اور فاسق تھا فوت ہو گیا۔ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں سیر کر رہا ہے پوچھا "اے نوجوان! تو کبھی نیکی کے پاس تک نہ گیا تھا۔ پھر کس بناء پر تیری مغفرت ہوئی؟" اس نے جواب دیا "واقعی میری حالت کچھ ایسی ہی تھی۔ مگر خداوند کریم بڑا غفور اور رحیم ہے۔ ایک دفعہ میں حضرت غوث کے آستانہ پاک سے گزر رہا تھا اور آستانہ کو بوسہ دیا۔ جب میں نے سفر آخرت اختیار کیا۔ آواز آئی کہ جس نے حضرت کے آستانہ کو بوسہ دیا دوزخ اس پر حرام ہے۔"(۲۲)

حضرت شیخ گنج شکرؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک شخص ملتان شریف کے علاقہ کا رہنے والا تھا۔ مگر ازحد فاسق و فاجر تھا۔ جب مرگیا۔ تو کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ مقبول اور مغفور ہوا۔ سوال کیا گیا: "اے نوجوان! کس طرح تجھ جیسے بدکار کو پروردگار نے بخش دیا؟" کہنے لگا "واقعی میرے اعمال تو لائق دوزخ تھے۔ مگر میں نے ایک دن حضرت غوث بہاء الحق ملتانی قدس سرہ کے دست مبارک کو بوسہ دیا تھا۔ جبکہ آپ ایک راہ سے گزر رہے تھے۔ اسی کے طفیل اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔ یہ بھی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے روایت ہے کہ حضرت غوث کا معمول تھا

کہ جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا تو آپ ضرور اس کے جنازے کے ساتھ جاتے اور جب لوگ دفن کرنے کے بعد واپس آتے تو شیخ الاسلامؒ کچھ دیر توقف فرماتے پھر چند اوراد پڑھتے اور پھر اکیلے تشریف لے آتے۔"(۲۳)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت غوث العالم شیخ الاسلامؒ سفر حج سے واپس آ رہے تھے۔ دوران سفر ایک کاغذ حریری ہاتھ لگا۔ اس پر لکھا تھا کہ جو کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا حج قبول ہو تو وہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے آستانہ کو بوسہ دے اس سال تقریباً بیس ہزار آدمی ہندوستان کے حج کرنے گئے تھے۔ جب یہ راز کھلا سب کے سب ملتان میں جمع ہوئے اور حضرت کے آستانہ کو بوسہ دینے لگے۔"(۲۴)

سیرالاولیاء میں ایک حکایت درج ہے۔ کہ ایک شخص نے سلطان سنجر سلجوقی کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اس نے کہا کہ دنیا میں جو کچھ نیک و بد مجھ سے ظہور میں آیا ہے سب میرے سامنے لا کر پیش کیا گیا اور عذاب کے فرشتوں کو حکم دیا کہ مجھ کو دوزخ میں لے جائیں۔ اسی اثناء میں یہ فرمان پہنچا کہ فلاں وقت مسجد میں اس شخص نے حاجی شریف زندنیؒ کی دست بوسی کی تھی اس کی برکت سے ہم نے بخش دیا۔"(۲۵)

مرید کی کرامت

حضرت سلطان الاولیاء شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ لاہور میں دریا کے کنارے کے قریب حضرت شیخ الاسلامؒ کا ایک مرید رہتا تھا کچھ زمین اسے معافی کے طور پر ملی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ حاکم وقت کا کوتوال ادھر سے گزرا اور اس درویش کی زمین کی پیمائش شروع کی اور اس سے زمین کا حصہ مانگنے لگا۔ سختی سے کہنے لگا: "تم اتنے سالوں سے کھیتی باڑی کر رہے ہو۔ تم نے کبھی حصہ نہیں دیا۔ اب یا تو تمام گذشتہ برسوں کا محصول دو یا کوئی کرامت دکھاؤ۔"

اس درویش نے بڑی منت سماجت کی کہ میں کیا کرامت دکھاؤں گا۔ میں تو ایک غریب و مسکین آدمی ہوں۔ لیکن کوتوال اپنی ضد پر ڈٹا رہا اور کہا: میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک یا تم گذشتہ اتنے سالوں کا محصول ادا کر دیا

اپنی کوئی کرامت دکھاؤ۔" درویش پریشان ہو گیا۔ آخر کار درویش نے کہا: "آپ مجھ سے کیسی کرامت چاہتے ہیں؟" کوتوال نے کہا۔ "اگر صاحب تاثیر ہے۔ تو پانی پر چل۔" درویش دریا کے کنارے جا کھڑا ہوا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اپنے پیر طریقت غوث بہاؤ الحق والدین کو یاد کیا اور دریا سے ایسے گزر گیا جیسے کوئی زمین پر چلتا ہے۔ جب درویش دوسرے کنارے پر پہنچا تو آواز دی "کشتی بھیجو تاکہ واپس آؤں" کہا "جس طرح تم گئے ہو اسی طرح واپس کیوں نہیں چلے آتے؟" فرمایا "اس نفس شوم سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اس میں نخوت پیدا نہ ہو جائے اور یہ سمجھنے لگے کہ میں بھی کچھ ہوں" چنانچہ درویش کشتی پر سوار ہو کر واپس آیا"(۲۷)

خلفاء اور وابستگان درگاہ

حضرت شیخ الاسلامؒ اپنے وقت کے بہت بڑے مبلغ اور غوث الاغواث تھے۔ آپ کی پاکیزہ حیات کا بیشتر حصہ سفر میں گزرا۔ سفر حضر میں روزانہ ہزاروں لوگ آپ کے دست حق پرست ہر مسلمان ہوتے تھے۔ سینکڑوں خرقہ خلافت حاصل کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کے مبارک مسلک کو دنیا بھر میں پھیلا دیا۔ جنوبی ایشیاء کا کوئی ایسا حصہ نہ رہا تھا جہاں آپ کا فیض نہ پہنچا ہو۔ یہاں تک کہ مراکش سے جاوا اور سماٹرا تک لوگ آپ کی تعلیم سے مالا مال ہو گئے۔

"خلاصتہ العارفین" میں لکھا گیا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کو ان کے تمام وابستگان اور متوسلین کی تعداد بتائی گئی تھی جو کروڑوں تک پہنچتی ہے۔" حضرت کے خلفاء اور مریدوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ آج سے پانچ سو سال پیشتر مولانا جمالیؒ (مصنف سیر العارفین) حیطہ تحریر میں نہیں لا سکے۔

"خلاصتہ العارفین" میں درج ہے کہ آپ نے فرمایا "جو میرا مرید خدا اور رسول اجماع صحابہ مجتہدین اور ائمہ فقہ کا پورا متبع رہا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل عمیم سے اسے یقیناً" بخش دیں گے۔"

حواشی

۱۔ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۱۳۵۔

۲۔ سیر العارفین ص ۱۵۰۔ ۱۴۹ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۷۷۵۔

۳۔ آپ کا نام ابراہیم لقب فخرالدین اور تخلص عراقی ہے (ماہنامہ آستانہ زکریا ملتان ۱۹ ستمبر ۵۹ء) شیخ فخرالدین ابن ابراہیم العراقی کا اسم مبارک فخرالدین اور عراق وطن مالوف تھا والد ماجد کا نام ابراہیم تھا ("اخبار الصالحین ص ۳۶۱)

۴۔ تاریخ فرشتہ کی عبارت کہ عراقی و پیر محمد شہریار خواہر زادۂ شیخ الشیوخ میں باہم دگر عشق والفت کے مراسم تھے۔ اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ابراہیم عراقی حضرت شیخ الشیوخ کے خواہر زادہ نہیں بلکہ پیر محمد شہریار خواہر زادۂ حضرت شیخ الشیوخ تھے۔

۵۔ پروفیسر ای۔ جی براون نے یہ واقع ایک گونہ اختلاف سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت فخرالدین ابراہیم عراقی حضرت شیخ کے ارادت کیشوں میں شامل ہوئے تو آپؒ نے انہیں مراقبہ کی تلقین فرمائی۔ لیکن عراقی اس ارشاد پر عمل پیرا ہونے کی بجائے شغل شعر و شاعری میں منہمک رہنے لگے۔ چند پیر بھائیوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عراقی کی شکایت کی کہ وہ آپ کے ارشاد کی چنداں پرواہ نہ کئے ہوئے ہر وقت عشقیہ شعر گنگناتا رہتا ہے۔ حضرت شیخ نے انہیں بلا بھیجا اور پھر چند اشعار سنانے کے لیے حکم دیا۔ عراقی نے بڑے سوز و گداز سے اپنی غزل سنائی جسے سن کر شیخ بہاء الدین زکریاؒ بیخود ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد حضرت نے عراقی کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور اپنی دختر نیک اختر کا عقد بھی ان سے کر دیا۔

۶۔ قید خوباں۔

۷۔ سیر العارفین ص ۱۵۳، نفحات الانس ص ۶۴۱۔

۸۔ اخبار الاخیار ص ۱۶۸، سیر العارفین ۱۵۵، فوائد الفواد ص ۵۸۔

۹۔ بزم صوفیہ ص ۱۷۳۔

۱۰۔ سیر العارفین ۱۶۳، ۱۶۲، خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۵۔ ۲۴، تاریخ فرشتہ

۱۱۔ بعض کتابوں میں ستر لاکھ اور بعض میں سات لاکھ لکھا ہے۔

۱۲۔ فوائد الفواد ص ۴۹۔

۱۳۔ یہ بزرگ سید جمال مجرد ساؤ جی تھے اور مدت تک مصر کے مفتی رہے آپ کا علم و فضل اس درجہ کمال کو پہنچا تھا کہ ہر مشکل مسئلہ بغیر مطالعہ کتاب حل فرماتے تھے۔ باشندگان مصر آپ کو "کتاب خانہ رواں" کہتے تھے۔ آپ کا مزار قصبہ نائن میں جو یزد اور اصفہانی کے درمیان میں ہے واقع ہے' آپ کا لقب جمال مجرد اس وجہ سے ہوا کہ آپ پیکر حسن و جمال تھے اور مصری آپ کو یوسف ثانی کہتے تھے۔ جس طرح زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام پر عاشق ہوئی اس طرح ایک امیر مصر کی لڑکی آپ پر عاشق ہو گئی۔ حضرت جمال مجرد نے تنگ آکر مصر کو چھوڑ دیا اور دیمنات کا رخ کیا۔ عورت غلبہ عشق سے مجبور ہو کر آپ کے پیچھے روانہ ہوئی۔ جب یہ خبر جمال مجرد کو ہوئی تو آپ کو پھر اضطراب اور پریشانی لاحق ہوئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے حسن و جمال کے زوال کی دعا کی جو مقبول ہوئی چنانچہ آپ نے ریش و ابروت اور چہار ابرد کا صفایا کیا اور قلندرانہ وضع اختیار کی۔ عورت نے جب آپ کو اس حال میں دیکھا تو واپس چلی گئی حضرت جمال مجرد نے اس بلا سے نجات پانے کے بعد وہیں سکونت اختیار کی۔

۱۴۔ انوار غوثیہ ۹۹' ۱۰۰

۱۵۔ سیر العارفین ص ۱۷۴' مقالات الشعراء ص ۹۳' ۹۲' تاریخ معصومی ص ۱۹۹' ۱۹۸ حدیقتہ الاولیاء ص ۷۹ تا ۸۱۔

۱۶۔ آب کوثر ص ۲۱۰۔

۱۷۔ ایضاً"۔

۱۸۔ سیر العارفین ص ۱۷۵۔

۱۹۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتانی ص ۱۱۱' ۱۵۳ تا ۱۵۵' آب کوثر ص ۳۳۱' ۳۳۲۔

۲۰۔ آب کوثر ص ۳۳۲۔

۲۱۔ تذکرہ حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ ملتانی ص ۱۵۸ تا ۱۶۰۔

۲۲۔ تذکرہ اولیاء جھنگ ص ۱۷۸ تا ص ۱۸۰۔

۲۳۔ انوار غوثیہ ص ۹۲۔

۲۴۔ انوار غوثیہ ص ۶۱، ۶۲۔

۲۵۔ انوار غوثیہ ص ۹۱۔

۲۶۔ اخبار الصالحین ص ۱۳۹۔

۲۷۔ فوئد الفود ص ۲۸۰، انوار غوثیہ ص ۸۹۔

○

ساتواں باب

سیر و سیاحت کے دوران کرامات

بزرگان دین اور صوفیائے کرام کی سیر و سیاحت بامقصد(۱) ہوتی ہے۔ ابتداء میں وہ خود حقائق و معارف کی تلاش میں گھر سے نکلتے ہیں۔ فیوض و برکات حاصل کرنے کے بعد ان کی سیاحت کا مقصد خلق خدا کو علم و عرفان کی نعمت سے مالا مال کرنا ہوتا ہے۔ حضرت بہاء الحق والدین" تنہا سفر پر بہت کم روانہ ہوئے ہیں حضرت بابا فرید" کے ساتھ زیادہ وقت سفر میں گزرا ہے یا پھر چاروں یاروں (حضرت بہاء الحق والدین"، بابا فرید"، لال شہباز قلندر"، سید جلال بخاری") نے مل کر کشمیر سے ساحل سمندر تک دورے کئے ہیں انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ سیروسیاحت میں بسر کیا۔ جس کی نوعیت خالص تبلیغی ہوتی تھی۔ موسم گرما کا دورہ کشمیر، صوبہ سرحد یا بلخ بخارا کی طرف ہوتا۔ کشمیر کے دامن میں ایبٹ آباد اور بخارا کی طرف پہاڑوں پر ان کی نشست گاہیں آج تک زائرین کو دعوت عمل دے رہی ہیں۔ موسم بہار کوہ سلیمان کے دامن میں، سخی سرور (ضلع ڈیرہ غازی خاں) موسم بہار کا صدر مقام تھا۔ ساون بھادوں کے مہینوں میں سیون شریف کے قریب چشمہ واہی، ملیر (کراچی) منگھا پیر (کراچی) اور سکھر کے مضافات کی طرف دورہ ہوتا تھا۔ موسم سرما میں پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے میدانی علاقہ کی طرف ہوتا تھا۔

پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اپنی کتاب "مقالات دینی و علمی حصہ اول" کے صفحہ ۲۶۲ پر لکھتے ہیں: "سندھ اور جنوبی پنجاب میں جا بجا جال کے درختوں کے نیچے کوئی پانچ چھ سو بیٹھکیں ہیں۔ لوگ ان درختوں کو نہیں کاٹتے کہتے ہیں کہ مذکورہ بزرگوں کے تبلیغی دوروں کے ساتھ ان بیٹھکوں کا تعلق ہے۔ پس یہ بیٹھکیں آج بھی ان بزرگوں کی سعی ہائے مشکور کی شاہد ہیں۔" مجھے خود کلر کہار

(ضلع چکوال) کے لوگوں نے بھی بتایا کہ کلر کہار اور چک خوشی کے قریب کئی چشمے آپ سے اور حضرت بابا فریدؒ سے منسوب کئے جاتے ہیں۔

"تحفة الکرام" (۳ : ۱۳۶) میں ہے کہ وہ سہوان تشریف لائے۔ کراچی سے چند میل کے فاصلے پر منگھ پیر کے پاس ایک پہاڑی ہے۔ جسے کتابوں میں "طوق منگھ" لکھتے ہیں۔ اس کی چوٹی پر نشانات موجود ہیں۔ مقامی طور پر مشہور ہے کہ شیخ بہاء الدینؒ اور ان کے تین رفیق یہاں آکر بیٹھے تھے۔ یعنی آپ کی تبلیغی مساعی کی جنوبی حد یہ تھی۔ غرض کم و بیش سارے علاقے میں جو اب "پاکستان" کہلاتا ہے۔ شیخ بہاء الدینؒ نے تبلیغ کے فرائض انجام کر دیئے۔" آپ کے فیضان کا نور دور دور تک پہنچا اور دور دست علاقوں تک آپ کی تبلیغ پہنچی۔ سفر اس ترقی یافتہ دور میں بھی مصیبت ہے۔ لیکن آج سے سو برس بیشتر سفر نہایت ہی مشکل تھا۔ آمدورفت کے ذرائع نہ تھے۔ سڑکوں کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ دریاؤں اور ندی نالوں پر پلوں کا انتظام نہ تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ جس میں جان و مال کی کوئی حفاظت نہ تھی۔ اسلامی حکومت زوال پذیر تھی۔ چنگیز خاں اور ہلاکو نے اسلامی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ چوری' ڈکیتی رہزنی عام تھی۔ ان حالات میں سفر کرنا بہت حوصلے اور بہادری کا کام تھا۔ لیکن چاروں یاروںؒ نے عوام الناس کو صراط مستقیم پر چلانے کی خاطر جان جوکھوں میں ڈال کر سیرو سیاحت کو جاری رکھا۔ اس زمانے کے وسائل نقل و حرکت کے اعتبار سے اتنا طویل اور مشکل سفر حیرت ناک ولولے اور جذبے اور شوق و جفاکشی پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ بغداد میں

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں اور حضرت بہاء الدین زکریاؒ مشائخ بغداد کے حلقہ میں بیٹھے تھے۔ اولیاء اللہ کی کرامات کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک صاحب بول اٹھے کہ اولیاء اللہ میں یہ طاقت ہوتی کہ جب چاہیں کسی مکان کو مرصع اور نگار سے رشک نگار چین بنا دیں۔ مثلاً یہ مسجد ہے' مرصع ہو جائے حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے مراقبہ میں سر جھکایا۔ جب ایک لحہ گزرا۔ آپ نے

فرمایا "یارو: ذرا مسجد کو دیکھئے۔" لوگوں نے مسجد کو دیکھا تو اس کی تمام اینٹیں اور لکڑیاں سونے کی نظر آتی تھیں اور مسجد خوب مرصع و مذہب بن چکی تھی۔ سب نے اقرار کیا کے بیشک مردان خدا میں ایسی ہی کمالیت ہوئی ہے۔"(۲)

حضرت شیخ الاسلامؒ بخارا میں

(۱) ایک دفعہ حضرت غوث بہاء الدین زکریاؒ بخارا میں علمائے بخارا سے مصروف گفتگو تھے۔ ولایت و کرامت کا ذکر ہونے لگا۔ بحث و تمحیث کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ ولی وہ ہے جو خود بھی یہاں خانہ کعبہ کی زیارت کرے اور دوسروں کو بھی دکھائے۔ جونہی آپ نے یہ بات سنی فوراً" مراقبہ میں چلے گئے کچھ دیر بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ آنکھیں بند کرو۔ انہوں نے آنکھیں بند کیں پھر فرمایا آنکھیں کھول دو۔ جونہی آنکھیں کھولیں، کعبہ کو سامنے پایا۔ وہ حیران رہ گئے اور سر تسلیم خم کیا۔(۲)

(۲) حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ سے روایت ہے کہ جن دنوں شیخ الاسلامؒ بخارا میں مقیم تھے۔ وہاں بہت سخت قحط پڑا جس کا بیان احاطہ تحریر میں نہیں آ سکتا۔ شہر کے علماء و مشائخ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ سب مل کر شیخ الاسلامؒ سے دعا کیلئے درخواست کریں۔ چنانچہ ہزاروں لوگ حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی خدا سے بارش کے لیے دعا کیجئے۔ ان کے اصرار پر شیخ الاسلامؒ منبر پر رونق افروز ہوئے اور سر سے دستار مبارک اتار کر آسمان کی طرف نگاہ کی اور عرض کی: "اے بارالہا! اگر شیخ الشیوخ نے یہ دستار شریف صدق اور اخلاص سے میرے سر پر رکھی ہے۔ اور میں نے بھی دین و دنیا کی سعادت سمجھ کر اسے اخلاص سے قبول کیا ہے۔ تو اسی کی برکت سے بارش برسا دے۔"

ابھی آپ نے یہ بات ختم نہ کی تھی کہ آسمان پر گرج سنائی دی اور اس قدر بارش ہوئی کہ سات دن تک شہر میں پانی کھڑا رہا۔"(۳)

سمرقند میں جذامیوں کے لیے دعا

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلامؒ سمرقند(۴) پہنچے، وہاں جذامیوں کا ایک گروہ غار میں آباد تھا۔ اتفاقاً" آپ ایک روز وہاں جا نکلے۔ انہوں

نے جب حضور کو دیکھا تو بے تحاشا آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کیا چاہتے ہو؟"

عرض کی۔ حضرت دعا چاہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے یہ مرض ہمارا دور کر دے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے ندا آئی "اے بہاء الدین! یہ گروہ زیر عتاب ہے ان کا معاملہ پیش نہ کرو۔"

حضرت کی ذات میں کرم اور رحم کا مادہ زیادہ تھا۔ مولا کی جناب میں دوبارہ گڑگڑا کر عرض کی: "اے ارحم الراحمین! اگر تیری ذات ان پر رحم نہیں کرے گی تو یہ کس دروازے پر جائیں گے؟"

رحمت الٰہی جوش میں آئی اور حضرت کی درخواست منظور ہو گئی۔ وہاں ایک حوض پانی سے بھرا ہوا موجود تھا۔ آپ نے جذامیوں کو اس میں غسل کرنے کا حکم دیا۔ وہ فوراً سب شفایاب ہو گئے۔

سراندیپ کا سفر

شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ شیخ الاسلامؒ حضرت بہاء الدین زکریاؒ سراندیپ کی طرف تشریف لے گئے۔ سال بھر ایک پہاڑ پر قیام رہا ایک دن ایک بوڑھا شخص لکڑیوں کا پشتارہ اٹھائے پاس سے گزرا یہ غریب الحال اور عیالدار شخص تھا۔ گھر میں جوان لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ اس قدر رقم پاس نہ تھی کہ ان کی شادی کے فرائض سے سبکدوش ہو جاتا اس پر شیخ کی نظر جا پڑی۔ پاس بلا کر پشتارے پر ہاتھ پھیرا، وہ لکڑیاں سونا بن گئیں۔ فرمایا "مجھے تمہاری خاطر یہاں بٹھایا گیا تھا، تاکہ تمہارا کام انجام دوں۔" یہ کہہ کر حضور وہاں سے چل پڑے۔"(۵)

نظر کیمیا

حضرت گنج شکرؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں اور حضرت بہاء الدین زکریاؒ، سلطان شمس الدین التمش کے دربار میں موجود تھے۔ چند بزرگوں سے آپ سے سوال کیا یہ جو کہتے ہیں کہ نظر مردم کیمیا ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے۔ آپ نے ایک بردہ (غلام) کو خرید کر اسے آزاد کر دیا۔ اور اسے کلمہ توحید پڑھایا۔ وہ شخص

دولت اسلام سے بہرہ ور ہوا اس کے بعد آپ نے اس کے بدن پر اپنے ہاتھ ملے اور اس کی پشت پر تھپکی لگا کر فرمایا "اہل علم اب جو تجھ سے سوال کریں اس کا جواب دینا ہو گا" علماء نے اس پر سوالات کرنے شروع کیئے وہ ہر ایک کا جواب اس خوبی سے دینے لگا کہ اہل علم دنگ رہ گئے اس کے بعد اس غلام نے علماء پر ایک سوال کیا وہ جواب نہ دے سکے پھر اس نے بحیثیت استاد ان سب کو اس کا جواب ذہن نشین کرایا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ آدمی کی نظر اس طرح کیمیا کا اثر دکھاتی ہے نظر کیمیا یہی معنی ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ نومسلم کئی سال تک دہلی میں درس دیتا رہا مگر کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ اس کا ہم پلہ بن سکے۔(۷)

شیخ اسلام اور شیخ حمید الدین کا مکالمہ

ایک دفعہ دہلی میں شیخ الاسلامؒ فقراء کے مجمع میں بیٹھے تھے کہ حضرت شیخ حمید الدین (صوفی السعید ناگوری المتوفی ۶۷۳ھ (خلیفہ اعظم خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری المتوفی (۶۳۳ھ) بڑے پایہ کے بزرگ تھے ترک اعلائق اور تجرید و تفرید میں مقام بلند رکھتے تھے۔ "اصول الطریقت" آپ کی مشہور تصنیف ہے) نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت کیا وجہ ہے جہاں خزانہ ہوتا ہے وہاں سانپ بھی ضرور ہوتا ہے چنانچہ مشہور ہے "گنج با مار باشد و گل باخار" حالانکہ سانپ اور دولت میں نہ صوری نسبت ہے نہ معنوی۔ فرمایا "بے شک سانپ اور مال میں صوری نسبت نہیں ہے لیکن معنوی نسبت ضرور ہے۔ سانپ زہر کے باعث مہلک ہے اور مال بھی آدمیوں کو ہلاکت میں ڈالتا ہے"

تب شیخ حمید الدین نے طنزیہ کہا۔ "یعنی جس شخص نے مال و دولت جمع کر رکھی ہے گویا اس نے سانپ پال رکھے ہیں"

شیخ حمید الدین کا یہ طنز حضرت شیخ الاسلام پر تھا کیونکہ آپ اسلامی دنیا کے بہت بڑے امیر بھی تھے وہ درویش جو خشک زندگی بسر کرتے تھے حضرت کے تمول کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے آپ سمجھ گئے کہ اس گفتگو سے ان کا مدعا کیا ہے فرمایا "

جس شخص کو سانپ کا منتر (افسوں) آتا ہو اسے اس سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے سانپ کی محبت اس شخص کو نقصان پہنچاتی ہے جو اس کا منتر نہ جانتا ہو۔

شیخ حمیدالدین نے فوراً جواب دیا "آخر اس ناپاک اور زہریلے کیڑے کے پالنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ آدمی جھاڑ پھونک کا محتاج ہوتا پھرے۔ (آپ جیساواصل بحق اس دشمن چیز کو دور کیوں نہیں کرتا؟)

حضرت شیخ کے مرشد طریقت بھی اپنے عہد کے امیر کبیر تھے اس لیے یہ جملہ ان کی ذات پر بھی اثر انداز ہوتا تھا اس پر حضرت نے فوراً مراقبہ کیا' حضرت شیخ الشیوخ کی روح پر فتوح نے فرمایا:

"اے بہاء الدین: حمید الدین سے کہہ دیجئے کہ آپ کی درویشی اس قدر حسن و جمال نہیں رکھتی کہ اسے نظربد کا احتمال ہو لیکن ہماری درویشی کو وہ جمال و کمال حاصل ہے کہ اگر اس کے چہرے پر سیاہی کا تلک نہ لگائیں تو نظر لگ جانالازمی ہے۔"(۹)

قاضی جاوید (۱۲) اسی بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"لیکن ثروت و امارت کا سیاہ تلک لگانے سے تصوف کا چاند چہرہ نظربد سے محفوظ نہیں ہوتا۔ سہروردی بزرگ بھی گھاٹے میں رہے' رفتہ رفتہ حکمرانوں کے تقاضے اس قدر بڑھنے لگے کہ تصوف باقی نہ رہا سیاست رہ گئی۔ عوام سے دوری بڑھتی گئی۔ یوں ان کا نقطہ نظر زیادہ سے زیادہ رجعت پسندانہ ہوتا چلا گیا۔ سہروردیہ تصوف سے بغاوت کی وہ روح خارج ہو گئی جو اہل خانقاہ کو درباری علما سے ممتاز کرتی تھی۔ حکمرانوں کے ساتھ تعلق کی تاویل یوں کی گئی تھی کہ اس طرح اہل اقتدار کو مذہبی اور اخلاقی اصولوں کا پابند بنایا جا سکے گا اور شاہی دربار میں اسلامی ماحول پیدا کیا جائے گا۔ تاریخ نے اس دعویٰ کی تردید میں کافی ثبوت فراہم کر دیئے ہیں۔ تصوف اور رجعت پسند سیاست کے ملاپ نے بالاخر تصوف کو ہی ضعف پہنچایا۔

شیخ بہاؤ الدین زکریہ کی شخصیت میں جملہ سہروردیہ اوصاف کی تجسیم ہوئی تھی۔ ان کی عقیدہ پرستی اور راسخ الاعتقادی کی تشکیل میں اسماعیل اثرات کے

خلاف عمومی رد عمل نے بھی قابل ہو کر کردار ادا کیا تھا۔ شیخ کے زمانے میں ملتان اور خصوصاً اس کے گرد و نواح کے علاقے اسماعیلی اثرات سے پاک نہیں ہوئے تھے لہٰذا اس زمانے میں صوفیانہ آزاد و خیالی اور عالمی بھائی چارے کا پرچار سیاسی اور مذہبی اعتبار سے ضرر رساں ہو سکتا تھا۔ شیخ نے اسماعیلی اثرات کے خلاف جہاد کیا۔ شاگردوں اور مریدوں پر مشتمل مبلغین کی کئی جماعتیں نہ صرف قرب و جوار بلکہ دور دراز کے علاقوں میں بھی راسخ الاعتقادیت کے دفاع کی خاطر بھیجیں۔ شیخ زکریا نے اس کے علاوہ تصوف کے آزاد خیال دبستانوں کا مقابلہ بھی کیا اور تصوف کو راسخ الاعتقادی کی حدود میں لانے کی کوشش کی۔

آگاہی کو صوفیانہ بے خودی پر ترجیح دینا ایک سہروردی قدر ہے۔ تاہم شیخ زکریا کی زندگی میں جذب و مستی کے لمحات کئی مرتبہ آئے تھے کہتے ہیں کہ غلبات شوق میں ایک روز انہوں نے ملتان میں منادی کروا دی کہ جو کوئی آج کے روزان کی صورت دیکھ لے گا وہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔ اس پر ہزاروں لوگ ان کی خانقاہ میں جمع ہو گئے۔ شیخ خود بھی شہر کے بازاروں اور گلی کوچوں میں گئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کی زیارت کر سکیں۔

غلبہ شوق' شدت عشق اور جذب مستی کے اس عنصر نے شیخ زکریا کی شخصیت میں دلکش اعتدال پیدا کر دیا تھا۔ وہ باغ و بہار شخصیت تھے۔ زاہد خشک اور تارک الدنیا نہ تھے۔ شعر نغمہ پسند کرتے تھے"

اہل طریقت کی نماز کی وضاحت

اہل طریقت کے نزدیک جب تک توجہ کامل نہ ہو نماز نہیں ہوتی۔ محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلامؒ نے سفر کے دوران ایک امام کے پیچھے نماز ادا کی اور سلام کے بعد امام کو ایک گوشہ میں لے جا کر نماز آہستہ آہستہ پڑھنے اور خشوع و خضوع کی ہدایت فرمائی بعد ازاں فرمایا "امام صاحب یہ کیسی نماز ہے کہ کچھ عرصہ آپ ہرن کے پیچھے بھاگتے رہے کچھ دیر آپ نے کھیتوں کی دیکھ بھال کی۔ کچھ عرصہ آپ مہمان کے پاس رہے کچھ وقت گھر میں گزارا۔ یہ موحدوں کی نماز نہیں

بلکہ بچوں کا کھیل ہے اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

تن درون نماز و دل بیروں
کشتہا مے کنی ز نادانی
اے چنیں حالت پریشاں را
شرم ناید نماز مے خوانی

امام نے اپنی غلطی و قصور کا اعتراف کیا اور صدق دل سے حضرت کے سلسلہ ارادت میں داخل ہوا علامہ اقبالؒ نے اسی خیال کو اس طرح پیش کیا ہے۔

تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گذر ایسے امام سے گذر
جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

ایک مقروض (۵) کی امداد

ایک دفعہ حضرت شیخ زکریاؒ چند صوفیوں کے ہمراہ خانقاہ سے باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ قرض خواہ ایک شخص کو تنگ کر رہے ہیں اور اس کے پاس کچھ دینے کو نہیں یہ دیکھ کر آپ ٹھہر گئے اور ایک تھیلی روپوں کی دے کر قرض خواہوں کو فرمایا کہ جتنا تمہارا حق ہے اس میں سے لے لو۔ جب انہوں نے اپنا حق لے لیا اور زیادہ لینے کی خواہش ہوئی تو ان کے ہاتھ سوکھ گئے اور وہ فریاد کرنے لگے اور توبہ کرنا شروع کر دی تو ان کے ہاتھ ٹھیک ہو گئے بعد ازاں غوث العالمؒ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے مجھے اس شخص کی مشکل کشائی کو بھیجا تھا الحمد للہ اس کا مطلب پورا ہو گیا۔

چور اندھے (۷) ہو گئے

ایک روایت قلمی کتابوں میں دیکھی گئی ہے کہ چند چور سینہ زور حضرت شیخ الاسلامؒ کی خانقاہ میں چوری کے ارادے سے گھس آئے آپ اللہ اللہ کر رہے تھے۔ جب آپ کی نظر چوروں پر پڑی تو سب اندھے ہو گئے اور فریاد کرنے لگے "

خدا کیلئے ہمیں اس عذاب دردناک سے نجات دلایئے آئندہ کیلئے ہم چوری سے توبہ کرتے ہیں" آپ نے توجہ کی نظر فرمائی سب کی آنکھیں روشن ہو گئین سب سچے مسلمان بن کر درویشوں میں شامل ہوئے۔

کٹے ہوئے ہاتھ (۸) درست ہو گئے

ایک اور روایت قلمی کتابوں میں دیکھی گئی ہے کہ حاکم وقت نے کسی قصور پر ایک شخص کے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے وہ شخص ایک عرصہ تک آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔ ایک دن آپ نے پوچھا "اگر کوئی آرزو ہو تو بیان کر" اس نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھ دکھائے اور عرض کی کہ توجہ فرمایئے آپ نے آسمان کی نظر کی اور عرض کی "وست بایں بے دست بده" اسی وقت اس کے دونوں ہاتھ درست ہو گئے۔

عذاب قبر سے نجات

حضرت بابا فرید گنج شکر فرماتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بڑی سیاحت کی ہے اس فقیر نے ۱۳۸۰ مشائخ کبار کی زیارت کی ہے لیکن حضرت شیخ الاسلام ملتانیؒ نے مجھ سے بھی زیادہ مشائخ دیکھے تھے۔ ایک دفعہ ان کا گذر ایسے شہر سے ہوا جہاں ایک بڑی غار تھی جب کوئی آدمی فوت ہوتا تو اس کی میت کو اس غار میں چھوڑ آتے تھے اور ساتھ ایک زندہ آدمی وہاں بٹھا آتے تاکہ دیکھ سکے کہ مردے پر کیا گذرتی ہے؟ ایک دن ایک آدمی فوت ہو گیا جب اس کی میت کو غار میں لے گئے تو حضرت شیخ الاسلام نے درخواست کی آج مجھے یہاں چھوڑ جاؤ۔ چنانچہ وہ حضرت کو مردے کے ہمراہ غار میں بند کر کے چلے آئے کچھ رات گذرنے کے بعد عذات کے فرشتے مردے کے پاس پہنچے لاش حرکت میں آئی اور مردہ اٹھ کر حضرت کے قدموں میں آگرا۔ اسی وقت ایک غیبی آواز سنی گئی "اسے چھوڑ دو ہم نہیں چاہتے کہ اس شخص کو عذاب دیں جو شیخ الاسلام بہاء الحق والدین ابو محمد زکریاؒ کی حمایت میں آچکا ہو۔"

فرشتے واپس لوٹ گئے۔ فرماتے ہیں کہ یہ آواز غار کے آس پاس رہنے

والوں نے بھی سنی شہر میں جب اس کا چرچا ہوا تو لوگ زیارت کیلئے دوڑے مگر آپ غار سے نکل کر کسی نامعلوم سمت کو چل دیئے۔"

دم بہاء الحق

حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریاؒ کی ایک مشہور کرامت زبان زد خلائق ہے کہ آپ نے اپنے روحانی تصرف سے دریا چناب میں ایک ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچا دیا۔ چنانچہ ملاح لوگ آج تک کشتی کھیتے وقت "دم بہاء الحق" کے نعرے لگاتے اور مصیبت کے وقت آپ کی روحانی امداد طلب کرتے ہیں۔ "ملتان گزیٹیر" (ص ۳۳۹) میں ہے کہ آپ کی کرامت کی وجہ سے چناب اور سندھ کے ملاح مشکل پڑنے پر آپ کو پکارتے ہیں۔

○

حواشی

۱۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتانی ص ۱۹۰۔ ۱۸۹۔
۲۔ انوار غوثیہ ص ۷۲، ۷۳۔
۳۔ انوار غوثیہ ص ۷۲۔ ۷۱۔
۴۔ خلاصۃ العارفین (نو لکشور) ص ۳۸۔
۵۔ خلاصۃ العارفین ص ۳۵۔
۶۔ خلاصۃ العارفین ۳۴، ۳۵۔
۷۔ انوار غوثیہ ص ۶۹۔
۸۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتانی ص ۱۹۷، ۱۹۸۔
۹۔ ہندی مسلم تہذیب۔ قاضی جاوید۔ وین گارڈ بکس لاہور ۱۹۸۳ء ص ۳۳۱۔
۱۰۔ انوار غوثیہ ص ۷۰۔
۱۱۔ انوار غوثیہ ص ۸۰۔
۱۲۔ انوار غوثیہ ص ۸۰

○

آٹھواں باب

عالم تحیر

عشق و حیرت

(i) حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز دمشق میں مجلس علماء گرم تھی اتنے میں آپ تشریف لائے' میں نے تعظیم کی' آپ میرے ہی پاس بیٹھ گئے۔ اس وقت "عشق و حیرت" کی گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ "عشق" اس کا نام ہے کہ عارف سوائے حق تبارک و تعالیٰ کے بہشت و دوزخ ثواب عتاب اہل و عیال وغیرہ کسی کو نہ دیکھے۔ یہ جملے زبان سے ادا ہوتے ہی آپ پر تحیر کا عالم طاری ہو گیا اور کامل ایک مہینہ ہوش میں نہ آئے اور ایسے مستغرق تھے کہ دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ تھی اور یہ رباعی ورد زبان تھی۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی (بدہی)
دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

(ترجمہ = جس شخص نے تجھے پہچان لیا اس کی نظر میں جان کی کیا اہمیت ہے اولاد' متعلقین اور خاندان کی محبت اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی' آپ دو جہاں دے کر مجھے دیوانہ بنا رہے ہیں' حالانکہ جو آپ کا دیوانہ ہو اس کی نظر میں دو جہان کی کیا حیثیت ہے)

آپ کے ساتھ اولیاء کرام عشق و محبت سے سرشار ہو کر "دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند" پڑھتے تھے اور بے اختیار جھوم جھوم جاتے تھے۔

(ii) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ آپ کی حالت استغراق و عالم تحیر کی یہ کیفیت تھی کہ کئی کئی دن تک کھانے پینے اور کسی سے گفتگو کرنے کی نوبت نہ پہنچتی تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کے ایک بار عالم تحیر میں اس درجہ مستغرق ہوئے کہ سات روز تک کھانے پینے اور کسی سے کلام کرنے کی نوبت نہ پہنچی۔ ساتویں روز چشمہائے مبارک سے آنسو جاری ہوئے اس کے جو قطرے گرتے تھے دردانہ بن جاتے تھے کہ حاضرین نے جمع کیے۔ جب آپ سے اس کی کیفیت پوچھی گئی تو فرمایا کہ میں اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی انوار میں مستغرق تھا۔ اس کے جمال باکمال سے میری آنکھیں تروتازہ تھیں اسی وجہ سے جو آنسو نکلتا تھا۔ دردانہ بن جاتا تھا۔

(iii) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے ہی منقول ہے کہ ہے حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی قدس سرہ نے فرمایا کہ راہ محبت میں توکل یہ ہے کہ جب آدمی صبح کو اٹھے رات سے اس کو یاد نہ رہے اور جب رات آئے تو صبح سے اس کو یاد نہ رہے۔

(iv) ایک دفعہ حضرت گنج شکرؒ اور حضرت شیخ الاسلامؒ بغداد کی مسجد کہف میں بیٹھے تھے چند بزرگ عشق کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے ایک نے کہا "عشق ایک سلطنت ہے جس کا دارالخلافہ شوق ہے اس میں ایک تخت کے اوپر "رضا" کے ہاتھ میں نرگس وصال کی ایک شاخ ہے۔ جس پر تیغ ہجراں اور خنجر فراق کا پہرہ ہے اگر کوئی اس طرف رخ کرتا ہے تو اس پر خنجر اور تلوار کے وار شروع ہو جاتے ہیں اور ایک دقیقہ کا اگر وصال میسر ہو تو ان تلواروں اور خنجروں سے سینکڑوں اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ "پس اے درویش! جیسے عشق ہے اگر اسے ہزار خنجر لگیں اور سینکڑوں تلواریں پڑیں کچھ بھی اثر نہ ہو گا۔ خواہ ہزار دفعہ اس کی گردن کاٹیں آہ تک نہیں نکالے گا۔" اس کے بعد شیخ الاسلامؒ نے رقت بھری آواز اور انتہائی سوز و گداز سے یہ رباعی ارشاد فرمائی۔

دریاد تو اے دوست چناں مدہوشم
صد تیغ اگر زنی سر نخر و شم

آہے کہ زنم بیاد تو وقت سحر
گر ہر دو جہاں دہند واللہ نفروشم

اس کے سننے سے سامعین میں وہ ذوق پیدا ہوا کہ اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔(۱)

(v) حضرت محبوب الٰہی دہلویؒ سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ الاسلام زکریا ملتانیؒ غلبات شوق میں سربسجود ہو کر یہ فرماتے تھے کہ "عشق اندر آیا اور اس نے اپنے سوا باقی سب کو نکال دیا اور ہمارا بھی نشان مٹا دیا" شمار کیا گیا تو حضرت نے ٹھیک سو مرتبہ سجدہ کیا اور یہی فرمایا۔(۲)

(vi) حضرت گنج شکرؒ(۴) سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ پر عشق و محبت اور جذبات و سکر کی کیفیت طاری تھی آپ نے فرمایا " دوستو جب عاشق حقیقی کے دل سے آہ نکلتی ہے تو آتش عشق سے تمام دنیا جل کر خاکستر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی آگ آتش محبت (عشق) سے زیادہ جلانے والی نہیں۔ اس وقت آپ نے یہ رباعی کہی۔ اور ایک مہینہ تک حیرت کے سمندر میں کھوئے رہے۔

عاشقاں ہر دو جہاں بے تو بیک جو نہ خرند
ہر زماں خستہ دلاں تیر بلا را سپرند
شرف آں روز کہ غوغا بقیامت باشد
عاشقاں بر وردگاہ تماشا نگرند

ایک ملفوظ میں لکھا ہے آپ نے یہ مصرعہ پڑھا۔

ع در سینہ عاشقاں در دانند

حضرت گنج شکرؒ سے روایت(۴) ہے کہ دفعہ شیخ الاسلامؒ بہاء الدین زکریا پر عشق کا عالم طاری تھا۔ اسی حالت میں فرمایا:

"قیامت کے دن بعض عاشقوں کی گردن میں نور کی زنجیر ڈال کر فرشتے بہشت کی طرف کھینچیں گے۔ مگر وہ لوگ زنجیر کو ہاتھ سے ہٹاتے ہوئے عرش کے نیچے کھسک جائیں گے۔ کہ دیدار الٰہی سے دل کو ٹھنڈا کریں پھر حکم ہو گا کہ نور کی

اور زنجیریں ڈالی جائیں گی۔ چنانچہ ان کی گردن میں اسی ہزار زنجیریں اور ڈالی جائیں گی پھر بھی یہ کھینچیں گے اور شور مچائیں گے۔ اس وقت ندا آئے گی کہ دیدار کا وعدہ تو بہشت میں تھا۔ اس وقت یہ لوگ بہشت میں داخل ہو کر دلی مقصد سے شاد کام ہو جائیں گے۔"

یہ بھی حضرت گنج شکرؒ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ میں اور قطب العلمین سید جلال بخاریؒ برادرم مولانا بہاء الدین زکریاؒ کے پاس بیٹھے تھے۔ اس وقت حضور عالم مشاہدہ و مکاشفہ میں تھے۔ جب محبت کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے تو عین اس حالت میں اپنے محبوب حقیقی سے سوال کیا:

"یارب اعطنی خیرا" من الدارین ومافیہا۔

آواز سنائی دی: انت قطب العلمین۔ (آپ جہانوں کے قطب ہیں)

عرض کی: یارب زدنی۔ (اے رب۔ اس سے بھی زیادہ عنایت کیجئے)

جواب ملا: انت غوث العلمین (آپ جہانوں کے غوث ہیں)

پھر عرض کی: یارب زدنی (اس سے بھی زیادہ عنایت کیجئے)

جواب ملا: بعد ھذا درجۃ الانبیاء ولیس الرسالۃ بعد ختم الانبیاء والمرسلین محمد مصطفے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ولکن اعطیک اسماء من اسمائی انت الشیخ الکبیر المنیر وللّٰہ الا سماء الحسنی فادعوہ بھا۔ حضرت گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ آپ اس کے بعد حالت صحو میں آئے۔(۴)

جو دم غافل سو دم کافر

حضرت شیخ الاسلامؒ کسی وقت بھی یاد الٰہی سے غافل نہ رہتے تھے ایک لمحہ آپ غافل ہوئے تو آسمانوں میں آپ کی موت مشہور ہو گئی تھی واقعہ اس طرح ہے:

"ایران سے چند درویش حضرت شیخ الاسلامؒ کی زیارت کیلئے ملتان کو چلے جب کوہ سلیمان کی تلٹی میں پہنچے، چند چڑیوں نے جو یہاں درخت پر بیٹھی چہچہا رہی

تھیں۔ درویشوں کو دیکھ کر کہنا شروع کیا۔ ایک نے کہا "یہ درویش زکریاؒ کو ملنے ملتان جا رہے ہیں"

دوسری بولی: "مگر ان کا تو آج انتقال ہو چکا ہے۔"

تیسری چڑیا نے افسوس کرتے ہوئے کہا: "آہ بے چاروں کا یہ سفر رائیگاں جائے گا"

درویش رک گئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ایک درویش بولا: "صاحبو! جب شیخ ہی نہیں رہے تو پھر ملتان جانے کی کیا ضرورت ہے؟ چلو واپس چلیں۔" ایک درویش نے کہا "اگر شیخ کی زیارت ہی ہماری قسمت میں نہیں رہی تو کیا ہم ان کی قبر پر فاتحہ بھی نہ پڑھیں: ہمیں ملتان ضرور جانا چاہیے" تمام درویشوں نے بھی اتفاق کیا۔ یہ گروہ چلتا رہا اور یہاں تک کہ ملتان پہنچ گیا۔ درویش قلعہ کے بڑے دروازے سے لمبے لمبے قدم بھرتے خانقاہ معلی تک پہنچے۔ وہاں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ منبر پر بیٹھے وعظ فرما رہے ہیں۔ درویش حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کہ کیا معصوم پرندے بھی جھوٹ بول سکتے ہیں؟ حضرت شیخ الاسلامؒ نے کشف کے ذریعے ان کے دل کا تردد معلوم کر لیا۔ جب وعظ ختم ہوا درویش اور قریب پہنچ کر قدم بوس ہوئے تو فرمایا "تعجب نہ کرو جو کچھ راستے میں سنا وہ بھی صحیح تھا اور جو کچھ اب دیکھ رہے ہیں یہ بھی درست ہے۔" وہ سوچ میں پڑ گئے کہ یہ دونوں باتیں کیسے درست ہو سکتی ہیں حضرت شیخ الاسلامؒ نے انہیں پھر مخاطب کیا اور فرمایا:

"ایک لمحہ اس فقیر پر ایسا آیا تھا کہ اس کا دل خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تھا۔ جس پر فرشتوں نے یہ مشہور کر دیا کہ بہاء الدین مر گیا۔ چڑیوں نے یقیناً کسی فرشتے سے یہ بات سنی ہو گی۔ (حاشیہ اردو ترجمہ کشف المحجوب از مترجم)

سبحان اللہ! یہ وہ باعظمت اور پروقار لوگ تھے جو خدا کی یاد میں غافل ہونے کو موت سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی واقعہ سے ان کی عبادت و ریاضت کا اندازہ لگایئے۔ ظاہری شان و شوکت اور تمول کے باوجود آپ شب بیدار تھے۔ حالت استغراق و عالم تحیر کی یہ کیفیت تھی کہ کئی کئی دن کھانے پینے اور کسی سے بات

کرنے کی نوبت نہ آتی۔ آپ تجلیات الٰہی کے مشاہدے میں ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتے تھے۔

ذق و شوق

(i) آپ اکثر ذوق و شوق سے مغلوب اور معرفت الٰہی سے ہم آغوش رہتے تھے۔ ایک بار آپ کو عالم وجد میں دیکھا گیا۔ حالت یہ تھی کہ ایک ہاتھ ایک طبق (کواڑ) میں اور دوسرا ہاتھ دوسرے طبق میں اپنے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ اور اس شعر کی تکرار کر رہے تھے۔

کردی صنما بر سرما بار دگر　　ماہیچ فکر دیم خدا می داند

(ترجمہ) ہمارے محبوب نے ہمارے سر پر بار بار ظلم کیا ہے اور ہم نے اس ظلم کو گوارا کیا ہے۔ خدا جانتا ہے۔ خدا معلوم وہ کونسی ایسی بات تھی جو بار بار آپ سے یہ شعر کہلوا رہی تھی۔"(۵)

(ii) حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے آپ کی ان واردات کا کئی بار مشاہدہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "ایک دن آپ حالت شوق و ذوق میں مستغرق تھے اور ہر بار نئ نئ کیفیت اور حالت پیدا ہوتی تھی۔ ہائے ہائے کر کے زار و قطار روتے تھے اور بے خودی کے عالم میں یہ اشعار زبان پر تھے۔

بادرد　بساز　چوں　دوائے　تومنم
درکس　منگر　چوں　آشنائے　تومنم
گربر　سر　عشق　من　کشتہ　شوی
شکرانہ　بدہ　کہ　خون　بہائے　تومنم

سات دن انہی دو شعروں میں مستغرق رہے کہ دنیا و مافیہا کی خبر تک نہ رہی تھی۔(٦)

زہد

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ فرماتے(۷) ہیں۔ ایک مرتبہ میں اور برادرم بہاء الدین یکجا بیٹھے تھے۔ اور زہد کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی برادرم بہاء الدینؒ

نے فرمایا کہ زہد تین چیزوں کا نام ہے۔ جس میں یہ نہیں ہیں اسے زاہد کہلانے کا حق نہیں اول دنیا کو پہچاننا اور اس سے مایوس ہونا' دوم خدمت مولی(۸) اور اس کے حقوق کی نگہداشت کرنا' سوم آخرت کی طلب اور اس کے حصول میں لگاتار کوشاں رہنا۔ (زہد کے تین حرف ہیں اول زا اس سے دنیا کی زیب و زینت کرنا دوم "ہا" میں اپنے ہوا و ہوس کو چھوڑنا۔ سوم دال۔ دنیا و دولت سے درگزر کرنا۔)

ایک موقع پر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے اپنے مریدوں سے ذکر کیا کہ برادرم بہاء الدین زکریاؒ نے فرمایا ہے۔ جو شخص "تصوف" کی دنیا میں داخل ہونے کا آرزو مند ہو' اسے چاہیے کہ سب سے پہلے توبہ کرے اور اپنے دل کو عادات ذمیمہ(۹) سے پاک کر کے تب اس میدان میں قدم رکھے۔ وہ عادات ضمیمہ یہ ہیں۔

غل (کینہ رکھنا)' غش (بدنیتی) حسد و بغض (کسی کے قصور کو معاف نہ کرنا ہمیشہ دل سے بدلہ لینے کا ارادہ رکھنا) کبر (اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اچھا سمجھنا) ریا (بناوٹ' دکھلاوا) ربا (سود)' زنا' غضب' غصہ' غیبت (کسی کی عدم موجودگی میں برائی بیان کرنا) نمیمہ (جھوٹی سچی روایات کو ادھر ادھر لگانا) کذب (جھوٹ بولنا) تنابز (کسی کو برے القاب سے مخاطب کرنا) بہتان (کسی پر جھوٹ جوڑنا) کفر و شرک' بخل (دوسرے کا فائدہ دیکھ کر کڑھنا) ظلم' نفاق (دورنگی پن) حقد (کینہ رکھنا) ان مذمومات کو ترک کرنے کے بعد مقاربت زناں' بہت بولنے' سیر ہو کر کھانے اور بہت سونے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ حضرت زکریاؒ نے فرمایا جب آدمی دل کو ان اوصاف سے سے پاک نہ کر لے تحصیل تصوف میں قدم نہ رکھے۔ اس کی مثال حضرت نے یہ دی ہے۔ کہ کسی متبرک مکان میں داخل ہونے پہلے آدمی کو چاہیے کہ با طہارت ہو اور جوتا اتار ڈالے۔ اسی طرح تصوف ایک مقدس مکان ہے۔ اس کے شائقین کو چاہیے کہ وہ توبہ استغفار یعنی پچھلے گناہوں اور غلطیوں سے پشیمان ہوں اور دل سے ان کو ترک کرنے کا مصمم ارادہ کر لے اور عہد کریں آئندہ ایسی غفلت نہ کریں گے۔ حضرت بابا فریدؒ نے فرمایا ہے کہ برادرم بہاء الدین زکریا علیہ الرحمتہ نے چالیس سال گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ اور اس سارے عرصے میں لوگوں سے بہت کم ملتے تھے۔

"شیخ بہاء الدین زکریا کی تعلیمات اور فکر کی اساس راسخ الاعتقادیت کے دفاع پر تھی۔ یہ امر سہروردیہ مکتبہ فکر کے عمومی رجحان کے عین مطابق تھا۔ عمومی صوفیانہ رویے کے برعکس سہروردیہ خاندان کے افراد سیاسی معاملات میں براہ راست شرکت کو پسند کرتے تھے۔ ان کا سیاسی نقطہ نظر رجعت پسندانہ تھا۔ انہوں نے اپنے رویے سے بغاوت کی اس روح کو تصوف سے خارج کر دیا جو ابتدا ہی سے اس کا جزو لاینفک تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سہروردیوں کا طرز عمل رفتہ رفتہ درباری علماء اور امراء جیسا بن کر رہ گیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح اور سید جلال الدین مخدوم جہاں گشت جیسے اکابر سہروردی حکمرانوں کی غیر مشروط اطاعت کا درس دینے لگے تھے۔ حکمرانوں کے ساتھ تعلق کی تاویل یوں کی گئی تھی کہ اس طرح شاہی دربار میں اسلامی ماحول پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے۔ تاریخ نے اس دعویٰ کی تردید میں کافی ثبوت فراہم کر دیئے ہیں۔ تصوف اور رجعت پسند سیاست کے ملاپ نے بالاخر تصوف کو ہی نقصان پہنچایا اس ملاپ کا آغاز شیخ بہاء الدین زکریا کے زمانے سے ہو چکا تھا۔ التمش کے ساتھ ان کے تعلقات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ شیخ زکریا کے صاحب زادے شیخ صدرالدین عارف نے اپنے والد کے طرز عمل سے انحراف کیا تھا۔(۱۱) تاہم ان کے صاحب زادے شیخ رکن الدین ابوالفتح نے ازسرنو پرانی روایت کو زندہ کر دیا۔"(۱۲)

○

حواشی

۱۔ خلاصتہ العارفین (قلمی)

۲۔ انوار غوثیہ۔

۳۔ خلاصتہ العارفین (نو لکشور) ص ۳۴۔

۴۔ اسرار الاولیاء ص ۱۶۔

۵۔ فوائد الفواد ص ۲۲۲۔

۶۔ اسرار الاولیاء ص ۵۶۔

۷۔ راحت القلوب ص ۵۵۔

۸۔ بعض کتابوں میں خدمت مولی کی بجائے "اولاد یا نوکروں کی خدمت" لکھا ہوا ہے۔

۹۔ انوار غوثیہ ص ۵۷ تا ۶۰۔

۱۰۔ نزہتہ الخواطر، اردو ترجمہ ج ۱ ص ۲۸۸، ۲۸۹۔

۱۱۔ پنجاب کے صوفی دانشور۔ قاضی جاوید۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۹ء ص ۹۳۔

○

نواں باب

کشف و کرامات

حضرت بہاء الدین زکریاؒ اکابر اولیائے پاک و ہند اور عظمائے مشائخ سہروردیہ میں سے ہیں۔ آپ دیار ملتان کے صاحب ولایت تھے۔ آپ ہی کے وجود باجود سے برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی اشاعت ہوئی۔ "اخبار الاخیار" (ص ۶۲) میں ہے کہ "آپ صاحب کرامات ظاہرہ و مقامات باہرہ و برکات شاملہ تھے۔" صاحب "مراۃ الاسرار" آپ کی شان میں تحریر فرماتے ہیں کہ "وے را دریں طریق شانے عظیم وحالے قومی بود' در ریاضات و مجاہدات نظیر نداشت و در کشف و کرامات میان مشائخ کبار ممتاز بود۔"

(ترجمہ = ان کی شان تصوف کی راہ میں عظیم تھی اور روحانی استقامت و استحکام کا یہ حال تھا کہ وہ خود ریاضت و مجاہدات نفسی میں بے مثال تھے اور اپنے کشف و کرامات میں دنیا کے زبردست مشائخ میں ممتاز تھے)

سلوک کے (ا) مراتب

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں "بعض مشائخ کرام نے سلوک کے سو مراتب مقرر کیے ہیں اور کشف و کرامات کو سترھواں درجہ دیا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک کامل مرد وہ ہے جو اپنے تیئس سترھویں درجے پر کشف نہ کرے اگر کرے گا تو آگے ترقی نہیں کر سکے گا۔ اگر سویں درجے پر پہنچ کر کشف کرے تو جائز ہے۔ حضرت بایزیدؒ اور شاہ شجاع کرمانیؒ نے سلوک کے پچاس مراتب مقرر کیے ہیں۔ جن میں دسواں درجہ کشف و کرامات کا ہے جو درویش دسویں مرتبے پر پہنچ جائے وہ ان کے نزدیک صاحب کشف و کرامات ہے۔ خواجگان چشت اہل بہشت

نے سلوک کے پندرہ مراتب مقرر کیے ہیں۔ جن میں سے پانچواں درجہ کشف و کرامات کو دیا ہے۔"

جو شخص پانچویں درجے میں کشف و کرامات ظاہر کرے وہ بس اسی درجے پر رہتا ہے وہ آگے ترقی نہیں کر سکتا اور باقی درجے طے نہیں کر سکتا۔ کامل مرد ہی ہے جو پندرھویں پر بھی کشف نہ کرے۔" ایک مرتبہ "خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ" کے پاس سلوک کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ راہ سلوک میں مرد کامل وہ ہے کہ جب پندرھویں درجے میں پہنچے جو کہ ولایت کا درجہ ہے اگر اس وقت مردے کے حق میں دعا کرے تو وہ زندہ ہو جائے گا۔ خواجہ صاحب ابھی بات ختم نہ کر پائے تھے کہ ایک بڑھیا روتی ہوئی آئی اور عرض کی "حضور میری فریاد سنئے بادشاہ نے میرے لڑکے کو بے گناہ پھانسی پر لٹکا دیا ہے۔" یہ سنتے ہی آپ احباب کے ہمراہ بڑھیا کے پاس لاش پر پہنچے۔ شیخ نے مصلوب کی گردن پکڑ کر آسمان کی طرف نگاہ کی اور کہا "اے پروردگار اگر یہ لڑکا بے گناہ سولی پر چڑھایا گیا ہے تو اسے زندہ کر دے" ابھی یہ جملہ حضرت کے منہ میں تھا کہ لڑکا زندہ ہو گیا۔

حضرت محبوب الٰہی دہلویؒ یہ روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مرد کامل اسی قدر ہوتا ہے۔ جب انسان اس درجے پر پہنچ جائے تو پھر اس سے آگے کا مقام سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں " درویشی کے ستر مرتبے ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ جب درویش اسے طے کر لے تو اسے اتنی روحانی قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ اگر زمین کی طرف نگاہ کرے تو تحت الثریٰ تک کی چیزیں دکھائی دینے لگیں اور اگر آسمان کی طرف نظر اٹھائے تو عرش عظیم بے حجاب نظر آئے لیکن جو درویش ستر ہزار مراتب طے کر لیتا ہے اس کی روح عظمت کبریا کے ساتھ مل جاتی ہے یہ بات عقل و فکر میں نہیں آ سکتی۔ یہ عقل کی حد سے باہر ہے"

پھر فرمایا: "جس طرح درویشی کا مقام ستر ہزار عالم پر بالاتر ہے۔ اسی طرح جو درویش ستر ہزار عالم سے باخبر نہیں، وہ درویش ہی نہیں۔ اس میں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جب مراتبہ کرے تو اٹھارہ ہزار عالم کے گرد پھر آئے اور جب واپس آئے تو

اپنے تئیں سجادہ پر پائے"(۲) محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں " اولیائے کرام اور ابدالین سے افعال خداوندی میں سے بعض ایسی چیزیں منکشف ہوا کرتی ہیں جو خرق عادات و رسوم ہونے کے ساتھ ساتھ محیر العقول بھی ہوا کرتی ہیں۔"(۳) "امام مستغفریؒ"(۴) کتاب "دلائل النبوۃ" میں لکھتے ہیں کہ کرامات اولیاء حق ہے۔ جس پر کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ اور اجماع اہل السنت و الجماعہ شاہد ہے۔"

"امام مستغفریؒ کہتے ہیں کہ منکرین پر بطریق آثار جو حجت ہے سو وہ بہت سے ہیں۔ ان میں سے حضرت ابوبکرؓ صدیق کی وہ بات ہے کہ جو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہی تھی وہ یہ ہے کہ اے بیٹے اگر کسی دن عرب میں اختلاف پڑ جائے تو پھر تم اس غار میں چلے جانا کہ جس میں میں اور حضور ﷺ گئے تھے اور وہیں رہنا بے شک تم کو صبح و شام وہیں رزق آیا کرے گا ان کے اس قول میں کہ تم کو صبح و شام رزق آیا کرے گا اولیاء کی کرامات کا اثبات ہے اور امام مستغفری نے اپنے سند سے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حکم کیا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھ کو اس دروازہ کے سامنے لانا جس میں کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف ہے۔ پھر اس کو کھٹکھٹانا اگر وہ تمہارے لیے کھول دیا گیا تو مجھ کو وہاں دفن کرنا (ورنہ نہیں) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ گئے اور جا کر دروازہ کھٹکھٹایا ہم نے کہا یہ ابوبکرؓ ہیں چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے قریب دفن کئے جائیں، پھر دروازہ نور کھل گیا۔ اور ہم نہیں جانتے تھے کہ کس نے وہ دروازہ کھول دیا اور ہم سے کہا کہ ان کو داخل کر دو اور ان کی بزرگی کی وجہ سے وہاں دفن کر دو۔ یہ آواز تو ہم نے سن لی مگر نہ کسی شخص کو وہاں دیکھا اور نہ کوئی چیز۔ امام مستغفری نے اپنے اسناد سے نافع سے وہ حضرت عمرؓ سے اور ایک روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ مدینہ میں خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں آپ نے یہ الفاظ کہے اے ساریہ بن زنیم پہاڑ کے پیچھے ہو۔ پہاڑ کے پیچھے ہو۔ جو شخص کہ بھیڑیئے کو چرواہا بنائے وہ ظالم ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو ساریہ کا ذکر کرنا بے موقعہ معلوم ہوا۔ کیونکہ وہ تو عراق میں تھے پھر لوگوں نے

حضرت علیؓ سے پوچھا کہ ہم نے حضرت عمرؓ کو منبر پر ساریہ کو پکارتے سنا ہے حالانکہ وہ عراق میں ہے انہوں نے فرمایا کہ تم پر افسوس ہے چھوڑ دو عمرؓ کو۔ کیونکہ وہ کسی امر میں داخل نہیں ہوتے مگر اس میں سے صاف نکل جاتے ہیں (یعنی ان کا کام بلاوجہ نہ ہو گا)۔ پھر کچھ دن نہ گذرے تھے کہ قاصد آگیا۔ اس نے بیان کیا کہ ساریہ ایک لشکر کا امیر ہو کر گیا تھا۔ دشمن سے لڑا اور ان کو بھگا دیا۔ پھر لوٹ کا مال پہاڑ کی ایک طرف لایا۔ دشمن نے چاہا کہ ان میں اور مال غنیمت اور پہاڑ کی طرف میں حائل ہو جائے۔ اتنے میں آسمان کی طرف سے آواز آئی کہ اے ساریہ بنی زنیم پہاڑ کے پیچھے ہو' جو شخص کہ بھیڑیئے کو چرواہا بناتا ہے تو وہ ظالم ہے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا یہی گمان تھا کہ جو آواز سنی تھی۔ وہ حضرت عمرؓ ہی کی آواز تھی۔ ایک روایت امام مستغفریؒ کی ان کے اسناد سے یہ ہے کہ جب مصر فتح ہو گیا تو اس کے باشندے حضرت عمرو بن العاصؓ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ اے امیر ہمارے اس دریائے نیل کی عادت ہے کہ اس عادت کے پورا ہونے کے بعد وہ جاری نہیں ہوا کرتا۔ آپ نے کہا کہ وہ کیا ہے کہنے لگے کہ جب اس مہینہ کی تیرہ تاریخ ہوتی ہے تم ہم ایک کنواری لڑکی کی تلاش کرتے ہیں اور اس کے والدین کو راضی کر لیتے ہیں۔ اس کو عمدہ عمدہ لباس اور زیور جہاں تک ہو سکے پہناتے ہیں پھر اس کو نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ عمروؓ نے کہا بلاشک یہ کام اسلام میں کبھی نہ ہو گا کیونکہ بلاشبہ اسلام پہلی بری رسموں کو مٹاتا ہے تب تین ماہ گذر گئے کہ دریائے نیل کا پانی بند ہو گیا اس کا تھوڑا بہت جاری ہونا موقوف ہو گیا یہاں تک کہ لوگ جلاوطنی کیلئے تیار ہو گئے۔ جب یہ معاملہ ہوا تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ بن خطابؓ کو یہ حال لکھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو جواب میں لکھا تم نے بہت اچھا کیا بے شک اسلام پہلی رسوم کو مٹا دیتا ہے اور ایک پرچہ لکھ کر خط میں ڈال دیا اور ان کو لکھا کہ میں نے تم کو ایک پرچہ لکھ کر بھیجا ہے اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب وہ خط حضرت عمرو بن العاصؓ کو ملا تو انہوں نے وہ پرچہ نکالا اور کھول کر دیکھا تو اس میں یہ مضمون تھا کہ "یہ خط خدا کے بندے عمرؓ امیرالمومنین کی طرف سے دریائے نیل کی طرف ہے۔ امابعد اگر تو اپنی مرضی سے جاری ہوا کرتا ہے تو بے

شک مت جاری ہو۔ اگر تجھ کو اللہ واحد قہار سبحانہ ہی جاری کرتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ واحد قہار سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔" پھر وہ پرچہ دریائے نیل میں ڈال دیا اور لوگوں نے جلاوطنی کی تیاری کر لی تھی اور نکلنے لگے تھے کیونکہ ان کی ضرورتیں تمام اسی دریا پر موقوف تھیں لیکن جب صبح ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک ہی رات میں سولہ ہاتھ تک گہرا جاری کر دیا اور اس بری سنت کو آج تک وہاں سے موقوف کر دیا۔ ایک اور روایت اسی امام کی اپنی اسناد سے ہے کہ امیرالمومنینؓ نے ایک شخص کو رحبہ کے بارہ میں بات پوچھی' تو اس نے جھوٹ بتلایا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے جھوٹ کہا۔ اس نے کہا کہ میں جھوٹ نہیں کہا۔ تب آپ نے فرمایا کہ میں خدا سے دعا مانگوں گا اگر تو جھوٹا ہے تو تجھے اندھا کر دے۔ اس نے کہا ہاں آپ دعا مانگیں پھر حضرت امیرالمومنین علیؓ نے اس پر بددعا کی تب وہ اندھا ہو گیا۔ رحبہ سے جو نکلا تو اندھا تھا۔ اس طرح تمام صحابہ و تابعین و تبع و تابعین و مشائخ طریقت سے سلسلہ دار اس قدر کرامات اور خرق عادات کا اظہار ہوا ہے کہ جو تحریر و تقریر میں آ نہیں سکتیں۔(۵)

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ اپنی کتاب "اعلام اللہ و عقیدت ارباب التقی" میں لکھتے ہیں "یہ ہمارا اعتقاد ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت میں سے اولیاء ہیں۔ جن کی کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ علی ہذا ہر ایک رسول کے زمانہ میں ان کے تبعین ہوتے تھے جن سے کرامات و خرق عادات ظاہر ہوا کرتے تھے۔ اولیاء کی کرامات انبیاء علیہم السلام کی معجزات کا تمتہ ہے لیکن جو شخص کے احکام شرعیہ کا ملتزم نہیں اور اس کے ہاتھ پر خرق عادات کا ظہور ہو تو ہمارے اعتقاد میں وہ شخص زندیق بے دین ہے۔ اور جو کچھ اس سے ظاہر ہوتا ہے وہ مکر و استدراج ہے۔(٦)

کرامات و خرق عادات کے اقسام

خرق عادات کے اقسام تو بہت ہیں جیسے معدوم کا موجود کر دینا' موجود کا معدوم کر دینا' ایک پوشیدہ امر کا ظاہر کرنا اور ظاہر امر کا چھپا دینا۔ دعا کا مقبول ہونا'

مسافت بعیدہ کا تھوڑی مدت میں طے کر جانا' جو امر کہ جس سے غائب ہے اس کی اطلاع و خبر دینا' ایک ہی وقت میں متعدد مکانوں میں حاضر ہونا' مردوں کا زندہ کرنا' زندوں کا مارنا' حیوانات' نباتات' جمادات کا کلام تسبیح وغیرہ کا سننا۔ بوقت حاجت بدوں اسباب ظاہر یہ کھانے پینے کا موجود کر لینا۔ یعنی ان کے سوا طرح طرح کے کام جو کہ عادت کے برخلاف ہوں۔ مثلاً ہوا پر چلنا اور ہوا میں سیر کرنا اور موجود شے سے کھانا کھا لینا' وحشی حیوانات کا مسخر کر لینا یا ان کے اجسام میں قوت کا آ جانا مثلاً ایک شخص سماع کی حالت میں چکر لگا رہا ہو اور وہ اپنے پاؤں سے درخت کو جڑ سے اکھیڑ دے یا دیوار پر ہاتھ مارے تو پھٹ جاوے۔ اور بعض اپنی انگلی سے کسی شخص کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وہ گر جائے پھر وہ اسی وقت گر جاتا ہے یا اشارہ سے کسی کی گردن اڑا دیں تو فوراً اس کا سر اڑ جائے۔ خلاصہ یہ کہ جب حق سبحانہ تعالیٰ اپنے دوستوں میں سے بعض کو اپنی قدرت کاملہ کا مظہر بناتے ہیں تو جہاں کے ہوتے ہین جس طرح وہ چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ درحقیقت وہ اثر تصرف حق سبحانہ تعالیٰ کا ہی ہوتا ہے کہ جو اس میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ خود درمیان نہیں ہوتا۔"(۷)

حضرت شیخ الاسلامؒ اور کشف و کرامات

حضرت محبوب الٰہی دہلویؒ فرماتے ہیں "شیخ اسلام بہاء الدین زکریاؒ نے درویشی کے ستر ہزار علوم طے کر لیے تھے ان تمام پر اپنے عمل کو حد کمال تک پہنچا دیا تھا انہیں اتنی روحانی قوت مل چکی تھی کہ اگر آسمان کی طرف نظر اٹھائے تو عظمت عظیم نظر آتی۔ اگر زمین پر نظر ڈالتے تو تحت الثریٰ تک کی چیزین نظر آتیں۔ اس کے باوجود بارہا فرماتے تھے کہ درویشی کا مرتبہ اس سے بھی اعلیٰ ہے۔ اگر کہہ ڈالوں تو سننے والوں کا زہرہ آب ہو جائے یہ تو درویشی کا ادنی درجہ ہے(۸)

گذشتہ اوراق میں ہم نے شیخ الاسلامؒ کے کئی کشف و کرامات کے واقعات بیان کئے ہیں کچھ یہاں بیان کرتے ہیں۔ آپ سے اتنی کرامتیں ظہور میں آئیں کہ شمار میں نہیں آ سکتیں یہ یاد رہے کہ آپ کرامت کے اظہار کو پسند نہ فرماتے تھے بلکہ اپنے خلفاء اور مریدوں کو بھی کرامت چھپانے کی ہدایت کر رکھی تھی اور خود

بھی بڑے محتاط تھے۔

(i) ایک دفعہ آپ اور شیخ المشائخ فریدالدین گنج شکرؒ شام کے وقت کسی ایسے دریا پر جا پہنچے جہاں کشتی وغیرہ کا انتظام نہ تھا۔ اور چوروں کا مسکن تھا۔ حضرت گنج شکرؒ فوراً آگے بڑھے اور سطح آب پر قدم رکھ کر دوسرے کنارے پر جا پہنچے۔ لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ وہیں رک گئے کہ کرامت کا اظہار کروں یا نہ کروں۔ حضرت گنج شکرؒ نے کشف کے ذریعے حضرت کے اس تردد کو معلوم کر لیا فرمایا: " بھائی صاحب یہ مقام بے حد خطرناک ہے۔ چوروں کا مسکن ہے۔ یہاں کرامت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں۔ بلاتکلف چلے آئیے" یہ سن کر حضرت بھی پانی پر قدم رکھ کر دورے کنارے پر آ پہنچے(۹) اور فرمایا "اپنے تئیں کشف کرنا بہتر ہے لیکن موقعہ پر۔ نہ کہ بے موقعہ۔"

اسرار دوست فاش مکن

حضرت گنج شکرؒ کی بابت آپ کو اطلاع ملی کہ ان سے مسلسل کرامات کا اظہار ہو رہا ہے۔ آپ نے ان کو نصیحت کی کہ دوست کے راز کو مت ظاہر کرو اور لکھا "اے درویش یہ کیا نادانی کر رہے ہو اسرار حق کرنا اہل اسرار کیلئے ٹھیک نہیں" حضرت گنج شکرؒ نے جواباً" تحریر فرمایا "بھائی جان کام گفتگو سے گذر گیا میرا سینہ اسرار دوست سے اس قدر پر ہو چکا ہے کہ ذرہ بھر جگہ خالی نہیں رہی۔ اب چونکہ گنجائش نہیں رہی اس لیے عالم انوار سے جو اسرار متجلی ہوتے ہیں' وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اے بھائی میں تو بڑی کوشش کرتا ہوں کہ محفوظ رکھوں اور ذرہ بھر ظاہر نہ کروں لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں اب آپ ہی فرمائیں کہ میں کیا کروں۔"

جب یہ خط شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے سر جھکا لیا اور فرمایا: "یارمن کار خویش بکمال رسانیده" (ہمارے یار نے اپنا کام انجام تک پہنچا لیا ہے۔"(۱۰)

(ii) "راحت القلوب" (ص ۱۳) اور "حديقة الاولياء" ٠ص ۱۴۸) میں ہے کہ ایک روز عندالتذکرہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے آپ سے پوچھا کہ

آپ نے اس قدر مجاہدہ و ریاضت میں کہاں تک رسائی پیدا کی ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ

"ہاں اس قدر کہ ان کرسیوں کو جن پر ہم اور تم بیٹھتے ہیں اگر میں کہوں تو ابھی ہوا میں پرواز کر جائیں۔ اتنی بات حضرت کی زبان مبارک سے نکلی ہی تھی کہ دونوں کرسیاں زمین سے اٹھ کر ہوا میں پرواز کرنے لگیں۔ حضرت نے کرسیوں پر ہاتھ مارا تو کرسیاں نیچے آگئیں اور فرمایا یہ گفتگو بسبیل تذکرہ تھی نہ بسبیل ارشاد تم اسی جگہ قائم رہو۔"

شیخ سعد الدین حمویہؒ کا جنازہ

"فوائد الفواد" (ص ۲۷۱) اور "اسرار الاولیاء" میں حضرت بابا صاحبؒ سے روایت ہے کہ ایک روز میں برادرم مولانا بہاء الدین زکریاؒ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے اور سلوک اور معرفت کی باتیں ہو رہی تھیں کہ یکایک آپ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون' میں نے پوچھا کیا حال ہے فرمایا اٹھ کر دیکھو میں نے دیکھا حضرت شیخ سعد الدین حمویہؒ قدس اللہ سرہ کا جنازہ لیے آتے ہیں اور مسجد بغداد کے سامنے نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ بعدہ خبر آئی کہ اسی روز حضرت شیخ کا انتقال ہوا۔

جمال و جلال

"افضل الفوائد" (ص ۴۲) میں حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ سے منقول ہے کہ اہل محبت ایک ایسا گروہ ہے کہ ان کے اور حق کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک روز ایک درویش شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کی خدمت میں آکر شرف بیعت سے مشرف ہوا۔ بعدہ اس درویش نے التماس کی میری درخواست یہ ہے کہ مخدوم مجھے ایسی نعمت بخشیں کہ ملتان سے دہلی تک میری نظر کے سامنے کوئی حجاب نہ رہے۔ شیخ نے فرمایا کہ جا چلہ کر' جب درویش نے چلہ کیا ملتان سے دہلی تک کچھ اس سے پوشیدہ نہ رہا۔ شیخ کی خدمت میں یہ حال بیان کیا پھر اور التماس کی کہ اب ایسا چاہتا ہوں کہ کوئی چیز زمین

و آسمان میں عرش سے فرش تک پوشیدہ نہ رہے۔ شیخ نے فرمایا ایک اور چلہ کر۔ اس درویش نے ویسا ہی کیا اور عرش سے فرش تک اس پر کوئی حجاب نہ رہا۔ پھر شیخ کی خدمت میں آیا اور حال بیان کیا شیخ نے فرمایا اسی پر کفایت کر۔ اس نے پھر التماس کی کہ ایسا چاہتا ہوں کہ مجھے حجاب عظمت تک کا مکاشفہ حاصل ہو جائے۔ شیخ اس پر غصہ ہوئے اور فرمایا یہ مت کہہ تو ہلاک ہوتا ہے۔ شیخ نے یہ بات کہی تھی کہ درویش نے نعرہ مارا اور جان بحق تسلیم کی (وہ جمال حقیقی کے مشاہدہ کی تاب نہ لا سکا)۔ اس کے بعد خواجہ نظام الدین اولیاء آب دیدہ ہو گئے اور فرمایا شیخ بہاء الدینؒ نے دیکھ لیا تھا کہ جب وہ کمال کو پہنچ گیا ہے اور کون جانتا ہے کہ شاید وہ اس قدم سے پھر جائے اس لیے اس کو اسی مقام پر تمام کر دیا اور حق آگاہ کر دیا یہ تھا حضرت کا کمال روحانی کہ اپنے مرید کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

پیاسوں کو پانی پلانا

"ایک دفعہ حضرت زکریاؒ کے چند عقیدت مند بغداد سے ملتان چلے اتفاقاً" وہ ایک صحرا میں گھر گئے۔ پانچ روز تک پانی نہ ملا۔ پیاس کی شدت سے وہ قریب المرگ ہو گئے۔ مایوسی کے عالم میں انہوں نے آپ کا نام لے کر پکارنا شروع کیا۔ اچانک ایک درویش نمودار ہوا۔ اور انہیں کوزہ سے پانی پلا کر چلا گیا۔ ان کو حضرت کی زیارت کا پہلے اتفاق نہیں ہوا تھا۔ جب ملتان پہنچے تو دیکھا کہ جس درویش نے صحرا میں پانی پلایا تھا۔ وہ تو خود حضرت بہاء الدین زکریاؒ ہیں بے اختیار قدموں میں جھک گئے" (۱۱)

تعبیر خواب

"ایک دفعہ ایک سپاہی شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی خدمت میں آیا اور آپ سے کہا "میں نے رات کو خواب میں یوں دیکھا ہے کہ میری نماز قضا ہو گئی۔ شیخ نے فرمایا "جا توبہ کر تیری موت قریب ہے" جب سپاہی اٹھ کر چلا گیا تو آپ ہی خانقاہ کا ایک صوفی آیا۔ اس نے بھی یہی خواب دیکھا تھا۔ جب اس نے صوفی نے اپنا خواب بیان کر دیا تو حضرت شیخ نے تامل کیا اور فرمایا "وہ ایک لشکری تھا۔ مارا گیا۔ تجھ سے

نماز یا وظائف ترک ہو جائیں وہ بھی موت کی مثل ہیں" حضرت شیخؒ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا (غور فرمائیے۔ نماز قضا ہونے کو موت کے برابر قرار دیا گیا ہے")(۱۲)

خواجہ علیؒ کی کایا پلٹ دی

خواجہ ابو علی کھیری کا واقعہ محبوب الٰہی دہلوی نے اس طرح تحریر فرمایا ہے۔ کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی شریعت کے معاملے میں بڑے تشدد تھے ان کے زمانے میں خواجہ ابو علی کھیری نامی ایک شخص ملتان سے باہر ایک غار میں رہا کرتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت غوثؒ سیر کرتے ہوئے ادھر سے گزرے اور ابو علی سے کلام کرنے لگے۔ خواجہ ابو علیؒ نے اپنی کسالیت اور خوارق کے دکھانے کے واسطے ایک مٹی کا ڈھیلہ زمین پر دے مارا۔ جس سے وہ زر خالص (سونا) بن گیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے کہا یہ عجب آدمی ہے جواب مجھے اپنا تماشہ دکھا رہا ہے۔ خیر خاموش ہو رہے۔ تھوڑی دیر بعد سورج غروب ہو گیا۔ ابو علیؒ نے چراغ کو ذرا سا اشارہ کیا اور وہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہو گیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کو ملال پیدا ہوا۔ اور کہا: "ابو علی! شاید تجھے نفس امارہ نے لے لیا ہے۔"

یہ کہہ کر آپ چلے گئے لیکن علی کھیری کا برا حال ہو گیا اسے نفس امارہ نے شکنجہ میں کس لیا۔ وہ طرح طرح کے مکروہات میں پھنس گیا۔ منجملہ ان کے ایک جوع البقر کا عارضہ تھا کہ کھاتے کھاتے پیٹ نہ بھرتا تھا۔ نہ عبادت میں لطف آتا اور نہ ہی وہ ذوق و شوق باقی رہا۔ ناچار تنگ آ کر بنگال کا رخ کیا۔ یہاں حضرت سید جلال الدین تبریزیؒ کی خدمت مین حاضر ہو کر سارا حال عرض کیا۔

آپ نے فرمایا: بھائی جب تک تمہارے واسطے شیخ الاسلامؒ اجازت نہ دیں، بندہ دعا نہیں کر سکتا۔ الغرض بو علی کی التجا پر آپ نے ایک التجا پر ایک مکتوب حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں لکھا جس کا ماحصل یہ تھا:

"راندۂ آں برادر بما آمدہ است۔ اگر رخصت آں برادر باشد در حق او دعا کنیم"

آپ نے جواب میں تحریر فرمایا: "چوں بطرف شمارضۃ است اگر ازاں

فعل توبہ کند در حق او دعا بکنید۔"

شیخ جلال الدینؒ نے پوچھا: "اے علی! توبہ کرتے ہو؟" اس نے عرض کی۔ "ہاں قبلہ: توبہ کی۔" اس پر شیخ جلال الدینؒ نے اس کے لیے دعا طلب کی۔ خداوند کریم نے وہی نعمت پھر دوبارہ عطا کی اور علی کھیری، خواجہ بو علیؒ ہو گیا۔" (۱۳)

"حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت غوث العلمین استراحت فرما رہے تھے اور علی کھوکھری (۱۴) حضرت کو پنکھا کر رہا تھا۔ اس اثناء میں اسے خیال آیا کہ نفل ادا کروں۔ اس نے پنکھے کی طرف اشارہ کیا۔ پنکھا چلنے لگا۔ حضرت کے غوث العلمینؒ جس وقت بیدار ہوئے دیکھا کہ پنکھا چل رہا ہے۔ اور علی درویش نماز میں مصروف ہے۔ حضرت کی زبان سے بے اختیار "یاغفور۔ یاغفور۔ یاغفور"

انبیاء کو معجزات کا اظہار کرنا واجب ہے۔ اور اولیاء کو کرامت چھپانا واجب ہے۔ علی کھوکھری تو نے واجب کا ترک کیا۔ اب تمہاری اور ہماری دوستی نہیں نبھ سکتی" (۱۵)

افطاری میں شرکت

"ایک دفعہ ماہ رمضان میں حاکم ملتان آپ کے پاس اپنے ایک مصاحب کی شکایت کی کہ وہ باوجودیکہ اہل علم ہے۔ مگر اولیاء کی کرامت کا منکر ہے۔ آپ خاموش رہے مگر حاکم نے یہ ماجرا دو تین بار بیان کیا اور آپ سے ملتجی ہوا۔ کہ اس کو گمراہی سے نکالنے کی تجویز کی جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ آج اعلان کرو کہ شام کو کوئی شخص بغیر ہمراہی حضرت بہاء الدینؒ کے روزہ افطار نہ کرے اور ہر ایک اپنے گھر میں مقیم رہے۔ افطار کے وقت آپ ایک آن میں تمام شہر کے مسلمانوں کے ساتھ افطاری میں شریک ہوئے۔ وہ منکر کرامت حیران رہ گیا اور سمجھ گیا۔ کہ یہ اولیائے اللہ کا تصرف ہے۔ ہر ایک آدمی کو ایسا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔" (۱۵)

عذاب دوزخ سے نجات

حضرت گنج شکرؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنے خلوت گاہ سے باہر تشریف لائے اور سواری کا گھوڑا طلب فرمایا اور سوار ہو کر شہر ملتان کی سیر کو روانہ ہوئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ منادی کرا دو۔ آج جو شخص میرا چہرہ دیکھ لے گا۔ تو عذاب دوزخ سے اس کا ضامن میں ہوں۔ جب یہ آواز اہل اشتیاق نے سنی تو گروہ در گروہ آپ کی زیارت کو جمع ہوئے۔ آپ نے خداوند کریم کو حاضر ناظر کہہ کر فرمایا۔ کہ مجھے غیب سے ندا آئی ہے کہ "بہاء الدین: آج جو تیرے روئے مبارک کو دیکھ لے گا۔ قیامت کے دن آتش دوزخ اس پر حرام ہے۔" پس میں کیوں بخل کروں اس وقت دوست نے ایک راز ظاہر کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسے کون چھپاتا۔"(۱٦)

باطل عقیدہ کی کتابیں جلا دیں

"مولانا صدر الدین قونیویؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مولانا نجم الدین سنامی کے پاس تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: "آج کل کیا شغل ہے؟" میں نے عرض کی "تفسیر کا مطالعہ کر رہا ہوں۔" پوچھنے لگے "کونسی تفسیر کا؟" عرض کی؟ "کشاف ایجاز اور عمدہ کا" مولانا نے فرمایا: "کشاف اور ایجاز کو آگ لگاؤ۔ بس عمدہ کا مطالعہ کرو۔" مجھے یہ بات گراں گزری۔ چنانچہ میں نے پوچھا۔ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں۔""؟ فرمایا: "شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے اسی طرح فرمایا ہے۔" مجھے یہ بات ناگوار گزری جب رات ہوئی تو میں تینوں کتابیں چراغ کے سامنے پڑھنے لگا۔ ایجاز اور کشاف نیچے تھیں اور عمدہ اوپر۔ اسی اثناء میں نیند آ گئی۔ اچانک شعلہ بھڑکا۔ آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ کشاف اور ایجاز جو دونوں نیچے پڑی تھیں جل گئی ہیں۔ لیکن عمدہ سلامت ہے"(۱۷) (صاحب کشاف اور صاحب ایجاز کا عقیدہ باطل تھا)

زمخشری کا انجام

حضرت محبوب الٰہی دہلوی فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلامؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت صدر الدین عارفؒ علم نحو میں "مفصل"(۱۸) پڑھنی چاہی۔ انہوں نے قبلہ

گاہ سے اجازت طلب کی فرمایا "آج کی رات صبر کرو۔ صبح فیصلہ کریں گے۔" جب رات ہوئی شیخ صدر الدین عارفؒ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ اور اسے گھسیٹ کر لے جایا جا رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا "یہ کون ہے"؟ کہا گیا یہ "مفصل" کا مصنف زمخشری ہے۔ اسے ہم دوزخ میں لیے جا رہے ہیں۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے" صبح کو جب حضرت غوث العلمینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: "زمخشری کا حشر دیکھ لیا؟ جو کہتا ہے اس پر عمل نہیں کرتا۔ اس کی یہی سزا ہے" یعنی آپ کے بے عمل مصنف کی کتاب کا مطالعہ بھی گوارا نہ ہوا۔

ایک اور کرامت

"ایک مرتبہ حضرت مجلس میں تورات کی ایک حکایت بیان فرما رہے تھے۔ اتفاق سے تورات کا کوئی عالم بھی اس مجلس میں موجود تھا۔ اس نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کر دیا۔ شیخ الاسلامؒ نے غیب سے تورات کا ایک صحیفہ برآمد کر کے اس کے حوالے کیا اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو یہ واقع اسی طرح درج تھا۔ جیسے حضور نے فرمایا تھا" (۱۹)

عبداللہ قوال کو ڈاکوؤں سے بچانا

آپ کو محفل سماع کا شوق نہ تھا لیکن آپ نے اپنے حضرت پیر کی پیروی مین سماع سنا ہے۔ اس کا قصہ اس طرح ہے "کہ ایک بار عبداللہ قوال جو گانے میں طاق شہرہ آفاق تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بیان کیا کہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہرورویؒ کی خدمت بابرکت میں اکثر حاضر رہا ہوں اور حضرت شیخ الشیوخ نے میرا گانا بشوق تمام سنا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ جب حضرت شیخ الشیوخ نے سنا ہے۔ تو ان کی بیعت میں زکریا بھی سنے گا۔ الغرض آپ نے عبداللہ کو بوقت شب ایک خادم کے ہمراہ حجرہ میں بھیج دیا اور بعد نماز عشاء کے خود تشریف لے گئے۔ اور دو سپارہ قرآن مجید تلاوت فرما کر حجرہ کی زنجیر لگوا دی، حجرے میں حضرت شیخؒ کے علاوہ عبداللہ قوال اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ اور کوئی نہ

تھا۔ عبداللہ کو ارشاد فرمایا کہ ہاں کچھ سناؤ۔ عبداللہ نے یہ بیت تکرار کرنی شروع کر دی۔

بیت "مستاں کہ شراب ناب خوردند
از پہلوئے خود کباب خوردند"

(ترجمہ = مست رہنے والے خالص شراب پیتے ہیں اور اپنے پہلو کو کباب کر کے کھاتے ہیں)۔ آپ کو جنبش ہوئی۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور چراغ گل کر دیا کہ حجرہ تاریک ہو گیا۔ اور آپ اسی طرح وجد فرماتے رہے۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ جب آپ حالات تواجد میں میرے قریب آتے تھے۔ تو سوائے آپ کے دامن کے مجھے اور کچھ نظر نہ آتا اور کچھ نہیں جانتے تھے کہ ان کے وجد کی کیا کیفیت تھی اور کس انداز پر۔ کچھ وقفہ بعد آپ حجرہ سے باہر تشریف لے گئے اور میں حجرہ کے اندر رہا۔ جب صبح ہوئی آپ نے خادم کے ہاتھ مجھ کو ایک خلعت اور بیس نقرئی ٹنکے انعام میں مرحمت فرمائے۔" (۲۰)

محبوب الٰہی دہلویؒ (۲۱) فرماتے ہیں کہ عبداللہ قوال ملتان سے رخصت ہو کر اجودھن (پاک پتن) آیا۔ اور حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ قدس سرہ کی خدمت میں چند یوم بسر کئے۔ یہاں سے دہلی اور دہلی سے پھر واپس پاک پتن آیا اور حضرت شیخ گنج شکرؒ سے عرض کی میرا ملتان جانے کا ارادہ ہے۔ راستہ پر خطر ہے۔ دعا فرمائیں کہ میں خیریت سے ملتان پہنچ جاؤں۔ آپ نے فرمایا: "یہاں سے فلاں حوض تک میری حد ہے۔ وہاں تک تم باخیریت پہنچ جاؤ گے۔ وہاں سے ملتان تک شیخ بہاء الدینؒ کا علاقہ ہے" غرض جب عبداللہ رومی اس حوض کے نزدیک پہنچا کہ جہاں ملتان کی حد تھی۔ تو حوض کی طرف سے ننگی تلواریں لے کر ڈاکو آ گئے۔ جب عبداللہ نے یہ دیکھا تو وہ خوف زدہ ہوا اور اسے موت نظر آنے لگی۔ اس وقت اس نے گھبرا کر حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کو مدد کیلئے پکارا: "یا شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ مدد کیجئے اور اس غول کو مجھ غریب کے سر سے دفع فرمائیے کہ یہ علاقہ آپ کی حمایت ہے۔" اسی وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ چور جو ظاہر ہوئے تھے دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔ اور وہ صحیح سلامت پہنچ گیا۔(۲۲) جب حاضر خدمت ہوا تو

قدم بوسی کیلئے گیا۔ تو وہ سرخ لوئی کا کمبل جو شہر ناگور میں بنا جاتا ہے۔ اوڑھے ہوئے تھا۔ حضرت شیخؒ نے اس کو دیکھا تو فوراً" فرمایا سرخ کمبل کیوں اوڑھے ہوئے ہے۔ یہ شیطانی لباس ہے۔ اسے اتار دے" بتقاضائے بشریت' عبداللہ کو یہ بات ناگوار گزری کچھ بے ادبی بات اس کی زبان سے نکلی کہ لوگوں کے گھر سونے اور چاندی سے بھرے پڑے ہیں ان پر نظر نہیں ڈالتے۔ ایک پرانا کمبل جو نصف ٹنکے میں خریدا جا سکتا ہے۔ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ حضرت سمجھا کہ وہ دائرہ ادب سے باہر جا رہا ہے۔ فرمایا: "عبداللہ ہوش میں آ' زبان بند کر اور اس مصیبت کو یاد کر جو چوروں کی وجہ سے اس حوض پر آئی تھی۔ کیا اس چھٹکارے کا سبب زکریاؒ نہ تھا؟" جب عبداللہ نے ہ بات سنی تو اس نے استغفر اللہ کہا۔ اپنا چہرہ زمین پر ملا اور اپنا سر حضرت شیخ کے قدموں پر رکھ دیا۔ آپ نے نہ صرف معاف کیا بلکہ اس کا دامن دینوی اور دنیاوی سعادتوں سے بھر دیا لیکن پھر اس سے سنانے کی فرمائش نہیں کیں۔"(۲۳)

"سیرۃ السالکین" میں مرقوم ہے کہ ایک روز حسن قوال نے بابا صاحب سے عرض کیا کہ یا شیخ میں نے حضرت شیخ الاسلامؒ کی بہت تعریف سنی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ زیارت کر آؤں۔ فرمایا کہ جانا مگر دیکھو بے ادبی نہ کرنا۔ خدام نے قوال کے آنے کی اطلاع دی فرمایا آنے دو۔ قریب گیا۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک نہایت شاندار رفیع المنزلت محل ہے۔ جو ہر طرح آراستہ و پراستہ ہے۔ قائم دیبا کے قیمتی فرش بچھے ہوئے ہیں ایک جڑاؤ پلنگ بچھا ہوا ہے۔ اسی پر پورے طمطراق سے مخملیں تکئے لگائے ہوئے بیٹھے ہیں فوراً" سوچنے لگا یہ بھی کوئی شیوخت ہے کہ تمام دنیوی عیش اور آلائش موجود ہے۔ فقیری ہے۔ تو میرے ہی مرشد حضرت گنج شکرؒ کے ہاں۔ جہاں گھر میں ایک بوریئے کے سوا کوئی اور شے نہیں۔" آپ اس کے خطرۂ دلی سے آگاہ ہو گئے۔ فرمایا بے ادب' بھائی فریدؒ نے تجھے چلتے وقت سمجھا بھی دیا تھا۔ کہ بے ادبی نہ کرنا مگر نہ مانا اور نہ سمجھا فقر و تصوف میں بے ادبی سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں' چاہیے کہ اسے اٹھا کر پھینک دیں مگر حضرت بابا فریدؒ کا ہاتھ سامنے آ گیا۔ اس لیے آپ نے درگزر کر دی۔ فرمایا تو جانتا ہے کہ اگر اس وقت یہ ہاتھ

درمیان میں نہ آ جاتا اور اس کی رعایت مقصود نہ ہوتی تو یہی بے ادبی تیرا پیغام موت بن گئی ہوتی تو کیا جانے کہ دنیا کیا ہے اور فقیری کسے کہتے ہیں۔ خبردار آئندہ ادب کا خیال رکھنا۔ حسن قوال پاؤں پر گرا اور معافی چاہی "(۲۴)

قاضی جاوید (۲۵) تبصرہ کرتے ہیں:

"شیخ بہاء الدین زکریا کی ذات میں جملہ سہروردیہ اوصاف کی تجسیم ہوئی تھی۔ جہاں تک ان کی عقیدہ پرستی کا تعلق ہے۔ یہ امر پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس کی تشکیل میں قرامطی اثرات کے خلاف عمومی ردعمل نے بھی قابل ذکر کردار ادا کیا تھا۔ گیارہویں صدی عیسوی کے اواخر کا ملتان اور خصوصا" اس کے گرد و نواح کے دیہی علاقے ابھی تک قرامطی اثرات سے محفوظ نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا اس زمانے میں صوفیانہ آزاد خیال کی تبلیغ سیاسی اور مذہبی اعتبار سے ضرر رساں ہو سکتی تھی۔ شیخ نے قطرامی اثرات ختم کرنے پر توجہ دی تھی۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے شاگردوں اور مریدوں پر مشتمل مبلغین کی گئی جماعتیں بنائی تھیں، جنہوں نے نہ صرف قرب و جوار بلکہ دور دراز کے علاقوں مین بھی راسخ الاعتقادیت کے دفاع کے جدوجہد میں حصہ لیا۔

قرامطی اثرات کے علاوہ شیخ زکریا نے تصوف کو غیر اسلامی اثرات سے پاک کرنے کی کوشش بھی کی۔ مذہبی قانون کی پابندی اور بالادستی سے انکار کرنے والے صوفیانہ سلسلوں سے انہیں بہت نفرت تھی۔ شیخ کے زمانے میں مغربی پنجاب اور سندھ کے علاقوں میں قلندریہ فرقے کا رواج ہو چکا تھا جو راسخ الاعتقادیت سے صوفیانہ انحراف کا واضح ترین مظہر تھا۔ شیخ نے اس کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کی۔

عقل پسندی انسان دوستی اور روا داری سے گریز نیز عقیدہ پرستی اور دنیاوی معاملات میں مکمل شرکت سہروردیہ روایت کے امتیازی اوصاف ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر حسی سطح پر زندگی بسر کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ اس فکری رجحان کا پرتو ان کی روزمرہ کی زندگی کے عمومی مظاہرے میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء سے روایت ہے کہ شیخ زکریا آکر میں اول کی طرح مسلسل روزے نہیں رکھتے تھے۔ ان کے دستر خوان پر گوناگوں نعمتیں موجود ہوتی تھیں۔ خود بھی

رغبت سے کھاتے تھے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی درویش کو نہایت رغبت سے شوربے میں روٹی بھگو کر کھاتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور کہا "سبحان اللہ! ان درویشوں میں یہی مرد کھانا کھانا جانتا ہے۔"

○

حواشی

۱- راحت المحبین ص ۱۶۴، ۱۱۶-

۲- راحت المحبین ص ۱۶۶-

۳- فتوح الغیب ص ۲۱-

۴- نفحات الانس ص ۲۲-

۵- نفحات الانس ص ۲۶ تا ۲۸-

۶- نفحات الانس ص ۲۶-

۷- نفحات الانس ص ۲۹، ۳۰-

۸- راحت المحبین ۱۶۸-

۹- راحت المحبین ص ۱۵۵، ۱۵۶-

۱۰- اسرار الاولیاء ص ۱۵، ۱۶-

۱- خلاصۃ العارفین ص ۳۷، ۳۸-

۱۲- فوائد الفواد ص ۴۲۰-

۱۲- خلاصۃ العارفین (قلمی)، انوار غوثیہ ص ۹۱، ۹۲-

۱۴- بعض نسخوں میں علی کھیری لکھا ہوا ہے۔ ملتان کے مضافات میں کھیری اور کھوکھر دو قومیں آباد ہیں۔ خدا معلوم حضرت علی کھیری تھے۔ یا کھوکھر۔

۱- "تذکرہ حضرت صدرالدین عارف ص ۱۸"

۱- انوار غوثیہ ص ۱۱۲-

۱- اسرار الاولیاء ص ۱۶۔ انوار غوثیہ ص ۹۵-

۱- فوائد الفواد ص ۲۳۵-

- یہ مخشری کی علم نحو پر کتاب ہے۔

۱- فوائد انوار ص ۲۳۵-

- خلاصۃ العارفین (اللہ والے) کی قومی دکان۔ ص ۴۵۔ ۴۷-

۲۲۔ بوستان غوثیہ ص ۱۴۔ سیرۃ العارفین ص ۱۶۰ فوائد الفواد ص ۲۸۱۔

۲۳۔ فوائد الفواد ص ۲۸۲، سیرۃ العارفین ص ۱۶۰۔

۲۴۔ بوستاں غوثیہ ص ۱۴۔

۲۵۔ سیرالعارفین ص ۱۶۱-۱۷، فوائد الفواد ص ۲۸۳۔

۲۶۔ سیرالاخیار ص ۱۸۷۔

۲۷۔ پنجاب کے صوفی دانشور۔ قاضی جاوید۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہر ۱۹۷۹ء، ص ۹۳۔ ۹۵۔

○

دسواں باب

موسیقی اور شاعری

ذوق سماع

آپ کو اگرچہ سماع کا شوق نہ تھا۔ لیکن اپنے پیر حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کا اتباع کر کے قوالی سنی تھی۔ جس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ محبوب الٰہی حضرت نظام الدینؒ اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلامؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت مجلس سماع قائم کی گئی۔ دونوں بزرگوار وجد میں آ گئے۔ کہتے ہیں کہ آٹھ پہر تک دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ تھی۔ اور یہ ایک مصرعہ وردِ زبان تھا۔

ع حاجی بسوئے کعبہ رود من بسوئے دوست

حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ یہ ان اولیاء اللہ کی آخری ملاقات تھی۔ جب اس مقام سے جدا ہوئے تو پھر ملاقات نہ ہوئی۔ آپ فخرالدین عراقی کے اشعار سن کر بھی وجد میں آ جاتے تھے اور کتنی دیر تک آنکھیں بند کر کے جھومتے رہتے تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع "مقالات دینی و علمی حصہ اول (ص ۲۶۶۔ ۲۶۷) میں تحریر کرتے ہیں:

"فقیر اللہ نے "راگ درپن" میں جناب شیخ الاسلامؒ کو ماہرن موسیقی میں شمار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ امیر خسرو کی طرح انہوں نے بھی چند راگ اور راگنیاں ایجاد کیں مثلاً ملتانی دھنا سری انہی کی ایجاد ہے۔ جس میں دھنا سری اور مالسری کو مخلوط کیا گیا ہے۔ آپ نے چھند کی طرز پر کئی نغمے اختراع کیے۔ جن میں خدائے واحد کی ستائش اور داستان عشق اور بندگی کے طریق پر عجز و انکسار کی کیفیت بیان کی۔" (اگرچہ سہروردی سلسلے کے لوگ موسیقی کے طرفدار نہیں تھے مگر اسے خلاف شرع اور ناجائز بھی قرار نہیں دیتے تھے)

لیکن مولانا نور احمد فریدی اپنی کتاب "تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانی" (ص ۲۶۵۔ ۲۶۴) میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتے اور بتاتے ہیں "دراصل جنھوں نے راگ اور سرایجاد کئے تھے وہ مخدوم بہاء الدین برناوی تھے۔ فقیر اللہ نے "راگ درپن" میں اور محمد کرم امام خان نائیک نے انہی کا ذکر کیا ہے۔" لیکن پروفیسر محمد اسلم صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور اپنی کتاب "تاریخی مقالات" میں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی موسیقی میں مہارت رکھتے تھے۔ (دیکھئے ص ۱۳۱۔ ۱۳۲)

"سہروردی حضرات کا یہ کہنا کہ برصغیرپاک و ہند میں موسیقی کی ترویج میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی کوششوں کو بڑا دخل حاصل ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ شیخ موصوف" راگ کے زیروبم سے کماحقہ واقف ہونے کے علاوہ اس فن کے بڑے سرپرست تھے۔" (سیف خان۔ راگ درپن) مخطوط علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری ورق ۱۴ الف)

شاہنواز خان حضرت کے کمل فن کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے "ایشاں درتودی مالسری راودہنا سری راضم نمودہ ملتانی دہنا سری نامیدہ اندوایں مرغوب طبع حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ بود" (حضرت بہاء الدین زکریا نے توڈی مالسری اور دہنا سری کو ملا کر ملتانی دہنا سری بنائی یہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی" کو بہت مرغوب تھی)۔ شاہنواز خان۔ مرات آفتاب نما' مخطوط پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور' فارسی نمبر ۲۴ ورق ۱۹۴ الف' عنایت خان راسخ۔ رسالہ ذکر مغنیاں ہندوستان' مطبوعہ پٹنہ ۱۹۶۱ء ص ۴۰)

محمد اشفاق علی خاں نے "نغمات الہند" (مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ ص ۳۶' ۷۷) میں "ملتانی راگ کی ایجاد بھی آپ ہی کی طرح منسوب کی ہے۔ ملتانی دھنا سری کے علاوہ حضرت بہاء الدین زکریا نے نٹ ھیر اور اہیر کو ملا کر گور راگ بنایا۔ یہ راگ گجرات میں بہت مقبول ہے۔ اسی ترح آپ نے رام کلی' سیام اور گندھار کو ملا کر گوجری راگ بنایا۔"

"ان راگوں کے علاوہ آپ نے پوربا اور دھنا سری کو ملا کر پوربا دھنا

سری راگ ایجاد کیا۔" (شاہنواز خان۔ ورق ۲۹۴ الف)۔ ماہرین موسیقی کے ان بیانات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا اس فن لطیف میں مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ ہمارے خیال میں موسیقی ایک لطیف فن تھا اور صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں موسیقی کو غذائے روح سمجھ کر سنا جاتا تھا۔ نیز موسیقی یا سماع میں دلچسپی سے حضرت شیخ الاسلام کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

شعروشاعری سے لگاؤ

آپ کو شعروشاعری سے لگاؤ تھا۔ اشعار کی کیفیات سے بہت محظوظ ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ کو فخرالدین عراقی کا کلام بہت پسند تھا۔ ان کے اشعار پر سوز سے آپ پر اکثر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ اور عالم استغراق و تحریر میں ڈوب جاتے تھے۔ جناب شیخ کے نامور مریدوں میں سے دو مشہور شاعر ہیں۔ ایک شیخ فخرالدین عراقی مصنف "لمحات" اور دوسرے امیر حسینی ہروی ہیں، جو مثنوی "کنزالرموز"، "زادالمسافرین" اور "نزہتہ الارواح" کے مصنف ہیں۔

"ان دونون بزرگوں نے جناب شیخ الاسلام کی تعریف اپنے اشعار میں بہت جوش سے کی ہے۔ ایک نے آپ کی جان پاک کو "منبع صدق و یقین" کہا تو دوسرے نے آپ کی جبین کو "مشرق نور یقین" بتایا ہے۔ ایک نے آپ کی وجہ سے ہندوستان کو "جنت الماویٰ" کہا ہے تو دوسرے نے آپ کو "شیخ جہان" اور "امام زبان" اور "قطب وقت" لکھا ہے۔"(۱)

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے آپ کی کئی فارسی رباعیوں کا ذکر کیا ہے جو آپ عالم استغراق میں پڑھتے تھے۔ "ملتان" کیب ارے میں یہ شعرا بھی حضرت زکریاؒ کا ہی ہے:

ملتان مابجنت اعلیٰ برابر است   آہستہ پانبہ کہ ملک سجدہ مے کنند

"ہمارا ملتان مرتبہ میں بہشت برین کے برابر ہے۔ قدم آہستہ رکھئے کہ فرشتے سجدہ کر رہے ہیں)۔

"خم خانہ تصوف" (ص ۴۹۔ ۴۸) میں لکھا ہے کہ آپ شاعر بھی تھے۔ "بوستان

غوثیہ" (مولفہ شاہ عبداللطیف قادری ۱۹۰۸ء میں ۲۳۔ ۲۴) میں غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی شان میں آپ کی یہ ایک مشہور منقبت درج ہے۔

معلا جب سبحانی مقدس قطب ربانی ۔ علی سیرت حسن ثانی محی الدین جیلانی
زہے منظور پیغمبر نہال باغ آں سرور ۔ زہے طوبائے رضوانی محی الدین جیلانی
بمعنی پیر کنعانی بصورت یوسف ثانی ۔ بہمت شاہ مردانی محی الدین جیلانی
رخت لعل بدخشانی لبت یاقوت رمانی ۔ حدثیت فیض حقانی محی الدین جیلانی
چہ عبرانی چہ تورانی سگان درگت دانی ۔ عطا بخش محبانی محی الدین جیلانی
نظام جملہ و درانی قوام چار ارکانی ۔ چو خورشید فلک ثانی محی الدین جیلانی
زخاکت چہرہ نورانی جہاں راپیر حقانی ۔ مبارک شیخ یزدانی محی الدین جیلانی
عطا بخش مریدانی و لیکن ہیچو خاقانی ۔ توئی دیوان دیوانی محی الدین جیلانی
زہے سیمائے نورانی زہے فرخندہ پیشانی ۔ کمال حسن انسانی محی الدین جیلانی
زخاک پاک افشانی باز کحل صفاہانی ۔ نہاں باغ پنہانی محی الدین جیلانی
مدد یا شاہ جیلانی بریں افتادہ حیرانی ۔ تو ملجائی و جانانی محی الدین جیلانی
بکن کارم کہ بتوانی غریلیم در پریشانی ۔ جہان را پیر پیرانی محی الدین جیلانی
چہ تابد باشنا خوانی اگر خواہد ہمیدانی ۔ کنی ہر مشکل آسانی محی الدین جیلانی
بدل از صدق روحانی چو مدح پیر پیرانی ۔ مرا از غم تو برہانی محی الدین جیلانی
مدد یا شاہ جیلانی نظر یا شاہ صمدانی ۔ کرم یا شیخ ربانی محی الدین جیلانی
جہان جسم است تو جانی جہان برتست قربانی ۔ نہانی راز تودانی محی الدین جیلانی
سگ درگاہ جیلانی بہاء الدین ملتانی ۔ لقائے دین سلطانی محی الدین جیلانی

مجھے ایک قلمی نسخے سے مندرجہ ذیل اشعار ملے ہیں۔

در جسم جہاں جانی، نہ جانی بلکہ جانانی ۔ بارخ خورشید تابانی باعارض ماہ رخشانی
باقد سرو گلستانی، چوں گلشن خندہ پیشانی ۔ قبول ذات سبحانی، محی الدین جیلانی
توئی اے سیدو سرور، باخیل اولیا افسر ۔ بملک و مہر سر دفتر، بحر مکرمت گوہر
با دنیا ہادی و رہبر، باعقبے حامی برتر

علیم علم انسانی، فہیم سر روحانی

علیؓ سیرت حسنؓ ثانی محی الدین جیلانی

تو محبوب خدا ہستی، چراغ مصطفیؐ ہستی
بادنیا رہنما ہستی، باعقبے پیشوا ہستی

دل اہل دلاں ہستی، نہ دینی بلکہ ایمانی
محی الدین جیلانی

منم سر در فدائے تو، فدائے خاک پائے تو
فقیرے تو گدائے تو، گدائے بے نوائے تو

باجاں جویم رضائے تو، بادل دارم وفائے تو
کند ہر دم ثنا خوانی، بہاالدین ملتانی

کہ توئی محبوب سبحانی، محی الدین جیلانی

"انوار غوثیہ" کے صفحہ ۱۲۰ پر کچھ اشعار دیئے گئے۔ ان کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔ پہلے شعر ہی سے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ اشعار کسی عقیدت مند نے لکھے ہیں:

اسمائے گرامی حضرت غوث عالم شیخ المشائخ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ

گفت مولانا بہاء الدینؒ زکریا قریش
نام من در ہر ولایت داں جداگانہ ہمیش

نام من در ملک عربستان مولانا کبیر
در فرنگم مستطیع و در ختن شاہ شمیر

بوالحسن در مغرب و مشکلکشا در ملک چیں
بوالفرح توران و در شیراز و در ایراں زمیں

در عراقم میر اسود در و مشقم بوعلی
در صفاہاں حق نماء و در جبش احمد ولی

اہل مغرب غوث عالم اہل مشرق پیر دیں
بریاں عبدالقوی و بحریاں عبدالمتیں

جنیاں عبدالمہین پریاں عبدالوہاب

قوم دیواں گفت مارا شاہ دیں عالی جناب
دریمن داں پیر عیسیٰ در کرم غوث الزماں
در خراسانم بہاء الدین نامم شدعیاں
ہندیاں ، مخدوم گوئیند کر خیانم اتقیا
زنگیاں قطب جہاں سلطان عالم رہنما
ہست در ہر آسماں اسمائے من یک یک جدا
قدسیاں خوانند ورد نام من صبح و مسا
اولیں عبدالجلیل و در دوم عبدالغفور
در سوم عبدالرحیم و چارمی عبدالشکور
قطب عالم پنجمین عبدالصمد در ششمیں
ہفتمیں خوانند مرا محبوب رب العالمیں
حاملان عرش مے خوانند زکریا مرا
بو محمدؐ خواندہ احمد خواجہ ہر دوسرا
غوث عالم شیخ اسلام است از حق نام ما
بوالفتح میخواند پدرم بوالفضل مادر مرا
نام من بدر المشائخ از عطای پیرماست
والئے ملتان نمودہ حکم من بالا و راست
مولدم خطہ کروڑ ازدہ ہاے دیپالپور
بست و ہفتم ماہ رمضان شب آدینہ ضرور
شاہ محمدؐ غوثؒ پدرم فاطمہؓ مادر مرا
شاہ جیلان است جدم از طرف مادر مرا
ہر کہ خواند نام من صبح و مسابا صدیقیں
مشکلش آساں شود از لطف رب العلمین

"جناب عبدالباقی، لیکچرار اردو، گورنمنٹ کالج شجاع آباد سے ہمیں ایک منظوم سوال و جواب ملا ہے جو اس سلسلے میں ہے اور جس کا یہاں درج کرنا خالی از

دلچسپی نہ ہو گا۔ یہ ایک قلمی کاپی میں تحریر ہے جو خواجہ محمد شاہ بخش عاصی ملتانی از اولاد عراقی حسین آگاہی ملتان کی بیاض ہے اور انہیں کے کتب خانہ سے دستیاب ہوئی ہے۔ ہم ان صفوں کو ہو بہو لکھ دیتے ہیں۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر اور حضرت بہاء الدین زکریا ہم زمان بزرگ گزرے ہیں حضرت فرید الدین کی خانقاہ پر فقر و درویشی غالب تھی تو حضرت بہاء الدین کی درگاہ میں شاہانہ انداز نمایاں تھا۔ درج ذیل سوال و جواب میں یہی چیز واضح کی گئی ہے۔

(سوال حضرت شیخ فریدالدین گج شکر از حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی)

پوشش تو اطلس و دیبا حریر — نخبہ زدہ خرقہ پشمین ما
خواں خور صحنک سیمین تو — ثقب زدہ کا سک چوبین ما
خوردن تو مرغ نوشی و می — بی نمک نانک خشکین ما
قاقم و سنجاب ترا تکیہ گاہ — خار خس و بستر بالین ما
اسپک تو نازی بازیں از — بہتر ازاں کفشک جومین ما
باش کہ تا صبح قیامت و مد — ایں بنو کاریا آں بماء

ابیات حضرت غوث بہاءالدین زکریا ملتانی درجواب حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر۔

دنیا چراگاہ کمینہ خران ماست — عقبی شکار گاہ شکار سگان ماست
ماعرش و لوح پیچم زیر قدم نہیم — اسلام و فکر سوزیم ایں امتحان ماست
جملہ بشر کواکب افلاک انجمن — جبرئیل یا ملائک از چاکران ماست
مرسل بنی طفیل من از انبیاء شدند — عیسیٰ و خضر و یونس از پیروان ماست
معبود خود بدیدمہ زاں اولیا شدم — فرمان شد کہ جنت تو لامکان ماست
ماخود خدا شدیم خودی در خدا ماست — بیزارم از خدا کہ بیا خدانہ ماست

بشنو تو از بہاء — سخنان بوالعجب
واللہ مکان وحدت — از مسائباں ماست

حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے ساتھ کچھ اشعار بھی منسوب کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر زیدی نے مختلف تذکروں اور ملفوظات سے ان کے کچھ اشعار اکٹھے کئے ہیں۔ جو سب کے سب فارسی زبان میں ہیں۔(۲۲) ڈاکٹر روبینہ ترین لکھتی ہیں: مجھے ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ذاتی لائبریری سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا دیوان فارسی (قلمی) دستیاب ہوا ہے۔ اس کی فوٹو سٹیٹ کاپی میرے پاس موجود ہے۔ یہ اشعار مثنوی کی صورت میں ہیں اور ان کی کل تعداد ۲۱۰ ہے۔ اس کے علاوہ ایک قصیدہ عربی زبان میں در مدح سید المرسلین محمدؐ خاتم النبیین بھی شامل ہے۔ جو غالباً" نامکمل ہے کیونکہ بہت مختصر ہے اور دس بارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قلمی نسخے پر کوئی تاریخ وغیرہ درج نہیں ہے اور نہ ہی کتاب کا نام لکھا ہے۔ اس کتاب کا ذکر کسی مورخ یا سوانح نگار نے بھی نہیں کیا۔ تاہم اس کے ٹائٹل صفحے پر لکھا ہوا ہے "ایں کتاب تصنیف حضرت شیخ غوث بہاء الحق ملتانیؒ"۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کا دعوی ہے کہ یہ نسخہ ان کی دریافت ہے اور انہیں ایک دیہاتی سے دستیاب ہوا ہے اور واقعی غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے فارسی کلام کا حامل ہے۔ اس فارسی کلام میں اخلاق' اور تعلیمات مذہبی کی تلقین جا بجا موجود ہے۔ شریعت' طریقت' معرفت' ترک' فقر' خودداری اور محبوب حقیقی کی طرف رجوع اور توجہ کا ذکر اشعار میں بار بار آتا ہے۔ مثلاً یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

شریعت آزاد و طریقت قمیص ۔ حقیقت عمامہ شنوائی حریص
ردا معرفت ترک باشد کلاہ ۔ بدیں پنج جامہ شوی پادشاہ
ترا بادشاہی مسلم بود ۔ چو بنیاد در فقر محکم بود

(دیوان فارسی قلمی) (صفحہ ۱)

دوسروں کی محتاجی اور دستگیری سے اجتناب' درویشی اور فقیری مسلک اختیار کرنے کی نصیحت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق خاطر پیدا کرنے کی تلقین ان اشعار میں ملاحظہ فرمائیے۔

تو محتاج غیری مشو در دیار ۔ کہ محتاج غیری بباشد خوار
کسی را کو فقرش بود استوار ۔ بمیدان مرداں بود شہسوار
کسی را کہ فقرش بگردد تمام

بصدر سلاطین نشنید مدام

توجہ بہ سوئی دلارام بہ — کہ در کنج بادوست آرام بہ

(دیوان فارسی قلمی صفحہ ۲)

دنیا میں تونگر حرص و ہوس کی بدولت پریشان حال رہتا ہے۔ اسی طرح بادشاہوں کا اضطراب اور بے سکونی اور دنیا کے مسائل و معاملات کے ہاتھوں لوگوں کے غم اور دکھ کی داستان بھی ان اشعار میں بیان ہوئی ہے۔

تونگر ہمہ عمر حیراں بود — کہ در کار دنیا پریشاں بود

ہوائی ملوکاں کجا کم شود — کہ بر پائی شاں جملہ عالم بود

نہ بینی کہ شاہان چہ حیران تراند — کہ بہر ہوائے پریشان تراند

غم ملک و آلام گنجی کشند — کہ از صبح تا شام رنج کشند

قراری ندارد کسی درجہاں — کہ غم ہا پریشاں کند ہر زماں

(دیوان فارسی قلمی، صفحہ ۴)

اس دنیا میں انسان کو ہزارہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ زندگی پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں کا بستر ہے۔ چونکہ صوفی کو ریاضتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس لیے اسے زندگی کے دکھوں اور غموں کا تجربہ عام آدمی سے زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ اپنے تجربوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس میں تعلیم کا رنگ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ مثنوی کے یہ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

یکی آدم و صد ہزاراں بلا — ہمیشہ بود در بلا مبتلا

بر فرزند آدم غم روزگار — کند ہر دمشق دربلا باشکار

نہ حاصل مرادش نہ حاصل قرار — بہ ہر دو کہ گردد بگردد خوار

حضرت بہاء الدین زکریاؒ شکم پروری اور شکم سیری کے مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

شکم را رہا کن زبند بلا — شکم را ندیدم بجز این دوا

کہ مرد شکم پر چوگاؤ خراست — نہ بل از سگ و خوک ہم بدتراست

(صفحہ ۶)

اسی طرح دنیا کی بے ثباتی، صبح و شام کی گردش، تغیر کا عالمگیر نظام اور نفس

انسانی کی بے حقیقی کے مضامین بھی اس کلام میں موجود ہیں۔

چو در صبح آید نماند بہ شام — بیک حال ہرگز نماند دوام
ثباتی ندارد بباید رود — بقائی ندارد شتاباں رود
بمشکل دہر دست آساں رود — بمشکل بباید شتاباں زود
چو خواب است دنیا ندارد خیال — یکی را بزینت نماند جمال
چوبندی دل خود بریں بیوفا — کہ آید' گریزد' بنیند قفا

(صفحہ ۸)

صوفی کے اوصاف میں سے ایک پسندیدہ وصف قناعت اور توکل ہے۔ قناعت کا سبق تصوف کے اولین اسباق میں سے ہے۔ اس مثنوی میں قناعت کی تلقین بھی ملتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

بغیر از قناعت بگردد خوار — کہ عزت نہ بیند گہی در دیار
قناعت بدرویش گنج خدا است — گر ایں گنج دارد کسی پادشاست

(صفحہ ۱۰)

فقراور قناعت کے ساتھ ساتھ صوفی صبر و تحمل سے بھی کام لیتا ہے کیونکہ صبر کی قوت انسانی نفس کو مجاہدے پر مائل کرتی ہے اور اسے مشکلات کے مقابلے میں سرخرو بناتی ہے قرآن اور حدیث میں صبر کی خوبی کو سراہا گیا ہے۔ ایک مقام پر جاکر صبر اور فقر ہم معنی لفظ بن جاتے ہیں۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے کلام میں صبر کی تعریف اس طرح ہے۔

ہمہ کار بستہ کشاید ز صبر — کہ ہر حاجت تو برآید ز صبر
ترا صبر با دوست سازد بلند — کہ صبر است نزدیک دانا پسند
نماید ترا عقل جبل متین — کہ اللہ باشد مع الصابرین
اگر فقر با صبر باشد ترا — سود در جہاں ملک حاصل ترا
ترا "فقر فخری" نماید جمال — بدیں فقر فخری بہ یابی کمال

(صفحہ ۱۱)

عشق کی فضیلت کو کون نہیں جانتا۔ یہ جذبوں کا سرتاج اور تصوف کی اقلیم

کا فاتح ہے لیکن عشق کا جام ہر بوالہوس کے لئے نہیں ہے۔ اسے پینے والے رندان بلانوش ہوتے ہیں۔ جن کے پاس ظرف بھی ہوتا ہے اور شوق بھی۔ بہاؤالحق ملتانی جذبہ عشق کی تمام کیفیتوں سے واقف ہیں۔ اس لیے شعر کے حوالے سے حقائق بیان کرتے ہیں۔

بجز عشق یاری دگر ہیچ نیست — کہ احوال عالم' بجز ہیچ نیست
نہ ہر عشق از جملہ فائق تراست — نہ ہر کس بدیں شوق لائق تراست
نہ ہر مرد در بحر غواص شد — نہ ہر بندۂ مرد خواص شد
بعشاق حضرت بگیر و مقیم — مگر ایں کہ آید بقلب سلیم
(صفحہ ۱۳)

ظاہر ہے کہ عاشق ہمیشہ معشوق کی خوشنودی کا خواہاں رہتا ہے اور اس کے لیے ہر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ عاشق صادق کا سارا عیش دراصل معشوق کے وجود کا مرہون منت ہوتا ہے۔ سوائے عشق کے اس کے لیے کچھ زیبا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جان تک اس راہ میں دے دیتا ہے لیکن یہ عشق دراصل حقیقت کا عشق ہے۔ وجود مطلق کو پانے کا عشق ہے اور یہی عشق ہے جو ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دیتا ہے۔ بہاؤالدین زکریاؒ نے اس مضمون کو اس طرح پیش کیا۔ فرماتے ہیں۔

ہمہ عیش عاشق بہ معشوق ہست — کہ از بہر او ہر دو عالم شکست
بجز عشق جانا چہ زیبا بود — بجز جاں دریں رہ کہ شیدا بود
ہمہ وقت عاشق بہ تقویٰ بود — از ادنیٰ گذشتہ بہ اعلیٰ بود
ترا عشق باید کہ باحق بود — کہ عاشق در عشق مطلق بود
چو چوگان عشقت بدست آوری — تو گوئی سعادت زسیداں بری
(صفحہ ۱۹)

عشق ہمیشہ ابدی ہوتا ہے اور اس کا تعلق بھی ابدیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ فانی اور عارضی چیزوں سے اس کا کوئی گزارا اور واسطہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ دنیا تو چل چلاؤ کا مقام ہے اور اس کی ہر چیز فنا پذیر ہے۔ اس لیے حضرت بہاؤالدین

زکریاؒ فرماتے ہیں۔

اقامت نہ دارد کسی درجہان ‏ ‏ سفر پیش آید بگردد رواں

چنیں رسم دنیا کہ فانی فناست ‏ ‏ دل خود بہ فانی بہ بستن خطاست

(صفحہ ۲۰)

غرض اس مختصر سی مثنوی میں اخلاق و معارف کے کتنے مضامین ادا ہوئے ہیں۔ جو انسان کی فلاح کے لیے ایک مثالی لائحہ عمل پیش کرتے ہیں۔ اسلوب نہایت سادہ عام فہم اور رواں دواں ہے جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے۔ حیرانی اس بات پر ہے کہ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے ساتھ پنجابی' ملتانی یا اردو کا ایک جملہ بھی منسوب نہیں ہے۔ حالانکہ ان کے ہمعصر بابا فرید گنج شکرؒ حضرت جمال الدین سرخ بخاریؒ' حضرت راجو قتالؒ' حضرت شمس سبزواریؒ سب کے یہاں مقامی اور دیسی زبانوں کے جملے' فقرے' اقوال یا اشعار ملتے ہیں۔ دراصل اس دور کی علمی و ادبی اور سرکاری و درباری اور تحریری زبان فارسی ہی تھی اس لیے بہاؤ الدین زکریاؒ ملتانی کے یہاں بھی فارسی زبان کا استعمال ہی ملتا ہے۔"

"ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ از ڈاکٹر روبینہ ترین)" (ص ۱۳۷' ۱۳۸' ۱۴۶ تا ۱۴۹)

○

گیارھواں باب

تصنیفات و تعلیمات

اگرچہ "تذکرہ علمائے ہند" (ص ۱۳۱) میں لکھا ہے "(وی را تصانیف عدیدہ خاصہ بعلم سلوک ہستند") کہ جناب شیخ الاسلامؒ کی متعدد تصانیف خصوصاً" علم سلوک میں ہیں۔ لیکن تذکروں میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ افسوس ہے کہ آپ کے علم و فضل کے ثمرات اوراق میں بہت کم محفوظ رہے۔ کتب خانوں میں ان کی کسی تصنیف یا مجموعہ ملفوظات کا سراغ نہیں ملتا۔ آپ کی جو کتابیں ہم تک پہنچی ہیں۔ ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ الاوراد

صوفیانہ رنگ کی ایک فقہی تصنیف "الاوراد" بھی آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہے جس کے ایک قدیم الخط نسخے کی تفصیل پروفیسر مولوی محمد شفیع مرحوم نے اپنے مقالے "الشیخ الکبر شیخ الاسلام بہاء الدین ابو محمد زکریا ملتانی" میں دی ہے۔

یہ کتاب فارسی میں لکھی گئی ہے لیکن اس میں بیشتر دعائیں اور اوراد عربی میں ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب عربی کی معلوم ہوتی ہے۔ گو اس کا نام اوراد ہے حقیقتاً یہ اوراد و وظائف کی کتاب نہیں بلکہ صوفیانہ رنگ کی فقہی تصنیف ہے۔ اس کی ہر فصل کا عنوان لفظ "ذکر" سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں نماز' روزہ' طہارت' توبہ اور اخلاص وغیرہ کی تعریف کی گئی ہے اور اس کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ مسائل کو فقہی ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں "مختلف نمازوں اور دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے جو مختلف تقریبوں میں پڑھی جاتی ہیں یہ تقریبیں سونے' جاگنے' کھانے پینے' آنے جانے' غرض زندگی کے ہر پہلو سے رکھتی ہیں۔ علم ادعیہ اور اوراد میں آپ کی یہ ایک گراں پایہ تصنیف فقہی ہے۔ اس علم کا شمار فروغ حدیث میں ہے۔ اور اس میں

دعاؤں اور اوراد کے کلمات کا ضبط اور اوراد کی روایت کی تصحیح وغیرہ امور سے بحث ہوتی ہے۔ متعدد ائمہ اسلام نے اوراد جمع کئے چنانچہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے پیر شیخ شہاب الدین سہروردی نے بھی ایک مجموعہ اوراد کا مرتب کیا جس میں مشائخ کبار اور جمہور سالکان طریقت کی جمع کردہ دعائیں درج ہیں۔

اپنے پیر کے طریقہ پر شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ نے بھی اوراد جمع کئے جو صدیوں تک صلحاء کے معمولات میں شامل رہے۔ اصل اوراد کے کئی نسخے رام پور لائبریری میں اور ایک نفیس قدیم الکط نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔ اس قدیم نسخہ سے پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم کے اس شبہ کی تردید ہوتی ہے کہ یہ اوراد شیخ شہاب الدین سہروردی کے ہیں۔(۱) "الاوراد" کے اصل مصنف کے بارے میں خود مولوی محمد شفیع کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں شک تھا کہ یہ کتاب شیخ الاسلامؒ کے مرشد کی تصنیف ہے۔ حالانکہ ہر دو بزرگوں کی کتابیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایسے ٹھوس شواہد موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اوراد کا مجموعہ جو "الاوراد" کے نام سے موسوم ہے، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا مولفہ ہے۔

کتاب "الاوراد" کی نہایت نفیس اور معتبر فارسی شرح "کنز العباد" دو ضخیم جلدوں میں، جو نہایت فاضلانہ طریق سے لکھی گئی، موجود ہے۔ یہ شرح حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے مرید خاص مولانا علی بن احمد غوری کی تالیف کردہ ہے۔ اس شرح کا ایک قلمی نسخہ ۸۵۶ھ میں سمرقند میں لکھا گیا، لکھنے والے شمس الدین احمد بن مولانا صدر الدین ہیں۔ شارح نے صاف طور پر کتاب کے آغاز میں "بہاؤالحق و الشرع والدین" لکھا ہے۔ جس سے ان حضرات کی تردید ہوتی ہے جن کو "الاوراد" کے حضرت زکریا ملتانی کی تالیف ہونے میں شک ہے۔(۲)

"شرح میں صرف فقہی تشریحات ہی نہیں بلکہ ادعیہ و آیات قرآنیہ کی لغوی توضیحات، تفسیری نکات، متصوفانہ تسیقات اور تعریضات بھی درج ہیں۔ اور ہدایہ و محیط کے حوالوں کے ساتھ ساتھ بستان ابولیثؒ، عوارف اور شرعہ ایسی کتابوں کے حوالے بھی متشرحا" موجود ہیں۔ غرض حضرت شیخ الاسلامؒ کا متن اگر کوزے مین دریا کی مثال ہے تو مولانا غوریؒ کی شرح ایک بحر محیط ہے۔"

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مخطوط کو اسلامک بک فاونڈیشن لاہور نے "الاوراد" کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ ساتھ ہی اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدینؒ سہروردی کی جانب سے "اجازت(۳) نامہ" اس بات کی دلیل ہے کہ روایت میں ان کا ایک منفرد مقام ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدینؒ سہروردی کی جانب سے

اجازت نامہ

برائے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ علی نبیہ محمد والہ الطیبین

میں خوش ہو ان انعامات سے جو اللہ تعالیٰ نے الشیخ العارف بہاؤالدین زکریا (ملتانی) پر کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُن میں اور اضافہ فرمائے۔ مجھ کو وہ سب باتیں بھی معلوم ہوئیں جو ان کی برکت صحبت کے بارے میں ان کے وطن (ملتان) کے چاروں طرف مشہور و معروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے حسن استعداد کی بنا پر خطہ کبیر عطا فرمایا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے مزید اجتہاد اور علم نافع سے مزید حصہ طلب کیا ہے۔ ایسا علم نافع جو طریق استقامت پر چلنے کے لیے معین و مددگار ہو اور میں نے ان کو اجازت دی ہے کہ وہ جس کو چاہیں خرقہ پہنائیں میں نے ان کو اجازت دی ہے کہ وہ میری تمام مسموعات و مجموعات کی روایت کریں اور اس کتاب کی بھی اجازت دے دی ہے کہ جس کا نام عوارف المعارف ہے۔ مُیں نے عوارف المعارف کا ایک نسخہ بھی ان کو دے دیا ہے۔ پس شیخ بہاؤالدین (رحمتہ اللہ علیہ) کو مطالعہ کرنے اور اللہ تعالیٰ نے حسن فہم اور آگاہی مانگنے کے بعد اس کتاب کے درس و روایت کی اجازت ہے۔ اللہ ہی توفیق دینے والا اور مددگار ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ والہ اجمعین۔

یہ تحریر ۲۱ ذی الحجہ کی شب کو ۶۲۶ھ میں مکہ معظمہ میں حرم شریف کے اندر لکھی گئی ہے۔

بہاؤالدین زکریاؒ کی دوسری کتاب "شروط اربعین فی جلوس المعتکیفین" ہے۔ اس کتاب کا متن عربی اور فارسی زبان سے مخلوط ہے۔ یہ کتاب "انوار غوثیہ" میں شامل ہے جو مخدوم حسن بخش کی تصنیف ہے، الگ سے دستیاب نہیں ہے۔ اس کتاب میں اعتکاف اور اس سے متعلق احکامات اور ہدایات وغیرہ کی تفصیل موجود ہے۔ جابجا قرآنی آیات، احادیث اور بزرگان دین کے حوالے دیے گئے ہیں۔ یہ کتاب ہم یہاں درج کرتے ہیں:

شروط اربعین فی جلوس المعتکفین مع شرح

ازافادات حضرت غوث بہاء الحق والدین زکریا ملتانی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت غوث زماں علیہ الرحمتہ والغفران کی تالیفات کا کسی اور موقع پر ذکر کیا گیا ہے امتداد زمانہ سے کسی کو اس طرف خیال نہ آیا۔ کہ ان درہائے شاہوار کو زیب وہ قرطاس کیا جاوے۔ افسوس یہ گنج شائیگاں اس طرح رائگاں ہو گئے۔ آپ کی ایک نادر تالیف شروط اربعین فی جلوس المعتکفین بھی ہے۔ چونکہ طالبان حق کے لیے اعتکاف ایک نہایت ضروری ہے امر ہے اور آپ نے اس منزل کے طے کرنے کے واسطے چالیس شرطین ارشاد فرمائی ہیں۔ جو نہایت ضرورت ہیں اس واسطے مناسب سمجھا گیا ہے کہ آپ کے اقوال و ارشادات کے ضمن میں ان شرائط کو بھی لکھ دیا جاوے۔ تاکہ عام شائقین اور خصوصاً مریدین ان پر عمل کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔ ان شرائط کے ساتھ مختصر طور پر شرح بھی لکھدی گئی ہے تاکہ ہرایک شخص بخوبی سمجھ سکے۔ وماتوفیقی الا باللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ شرط اول: طالب کو چاہیے کہ وہ مرنے کی نیت

سے (ہوا و ہوس و حظائظ نفسانی کو چھوڑ کر) غسل کرے گویا وہ مردہ ہے کما قال المشائخ ان من لوازم حال المرید الکجلوس فی الخلوۃ وان یغتسل دینوی فی غسلہ ان غسل المیت لیکون بین یدی اللّٰہ تعالیٰ کالمیت بین یدی الغسال فی عدم حظوظ النفس و ھواھا۔ جیسا کہ مشائخ کا قول ہے کہ مری د کے واسطے خلوۃ نشینی لازمی ہے۔ اور وہ لذات دینوی کو ترک کر کے اپنے آپ کو مردہ تصور کر کے غسل کرے۔ اور یہ خیال کرے کہ میں خداوند کریم کے دست رحمت سے غسل کرتا ہوں۔ جیسا کہ غسال مردہ کو غسل دیتا ہے۔ واما نیت الموت فلقولہ صلعم موتوا قبل انت موتوا۔ نیت موت کی جیسا کہ حدیث مذکورہ سے ظاہر ہے۔ یعنی خاک شو پیش از انکہ خاک شوی۔ ولا یخفے ان المراد بالموت قبل المت ان یری نفسہ میتا فی عدم حظوظ النفس و ھواھا و ھذا ھو نیت الموت اور اس موت کا مطلب حقیقی یہ ہے کہ طالب اپنے آپ کو عدم حظوظ نفس اور ترک ہوا میں مردہ تصور کرے۔ اور یہی نیت موت کی ہے۔ نعم ماقال کسی بزرگ نے کیا ہی عمدہ کہا ہے۔

نمیری گر بمردن خوبگیری بمیر از خویش تاہر گزنہ نمیری

شرط دوم

طالب کو چاہیے کہ اپنے دل میں نیت کرے کہ میں نے خلق خدا کو بہت دکھ دیا ہے۔ اور اب اس حالت اعتکاف میں خلق میرے شر سے امن میں رہے۔ اور دل میں یہ نیت نہ ہو کہ اس اعتکاف سے میں اپنے تئیں خلق خدا سے نگاہ رکھوں۔ اور ان کے شر سے امن میں رہوں۔

شرط سوم

ان شرائط کے پورا کرنے کیلئے خلت نشینی یا تو مسجد میں کرے۔ یا حجرہ میں خص الاعتکاف بالسمجد۔ جیسا کہ نص قرآنی ہے۔ وانتم عاکفون فی السماجد۔ یعنی تم مسجدوں میں اعتکاف کرو۔

شرط چہارم

طالب کو چاہیے کہ حالت اعتکاف میں اہل و عیال یعنی عورت اور بچوں سے تنہا رہے کہ یہ موجب فتنہ و فساد ہیں۔ کلام پاک ہے۔ انما اموالکم واولادکم فتنة۔ کہ مال و اولاد فتنہ ہیں۔

شرط پنجم

طالب کو مناسب ہے کہ ماسوی اللہ جو اندیشے اور تفکر ہیں۔ ان کو دور کر دیوے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ واذکر ربک اذا نسیت ای نسیت الغیر۔ یعنی جب تو ماسوی اللہ کو ترک کرے۔ تو اپنے اللہ کا ذکر کر۔ اور اسے یاد کر۔

آنانکہ بجز روئے تو جائے نگر انند
کوتہ نظر انند چہ کوتاہ نظر انند

یعنی جو لوگ بجز خدا کے کسی اور طرف متوجہ ہیں۔ وہ کوتاہ نظر ہیں۔

شرط ششم

طالب کے واسطے ضروری ہے کہ ہمیشہ کلمہ طیبہ لا الہ اللہ اللّٰہ کا ذکر جاری رکھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یایہا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ و قولوا قولا سدیدا"۔ یعنی اے ایمان والو خدا سے ڈرو۔ اور کلمہ شریف لا الہ الا اللّٰہ کا ورد کرو۔

رفتم بطبیبے کہ زحق آگاہ است
بر تخت ولایت حقیقت شاہ است
گفتم کہ دوائے دل بیمارم چیست
خوش گفت کہ لا الہ الا اللّٰہ است

شرط ہفتم

طالب کو چاہیے کہ قدرت الٰہی کا جلوہ مشاہدہ کرے۔ اور اس میں فکر اور غور و خوض کرے۔ جیسا کہ کلام ربانی ہے۔ الذین یذکرون اللّٰہ قیاما وقعود اوعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض یعنی جو لوگ کہ

حالت قیام و قعود اور لیٹے ہوئے اپنے مولا کا ذکر کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش اور ان کی نیرنگیوں میں سوچتے ہیں اور غور کرتے ہیں۔ اور فرمایا ہے رسول خدا صلعم نے تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ کہ ایک گھڑی کا سوچنا اور غور کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

باہر کہ ذکر و فکر نمودند ز ابتدا
ذکرش چوشہد آمد و فکرش چو انگبیں

شرط ہشتم

کھانے میں احتیاط اور اعتدال چاہے۔ یعنی نہ بہت زیادہ کھاوے۔ اور نہ بہت کم۔ کیونکہ اگر بہت تھوڑا کھائے گا۔ تو اس کی حالت غیر ہو جائے گی۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کلوا و اشربوا ولا تسرفوا یعنی کھاؤ اور پیو۔ مگر اسراف نہ کرو۔

معتدل گشت ہرکہ اہل دل است — درجمیع امور معتدل است
ہر کہ بیروں زاعتدال افتد — زود در عرصہ زوال افتد
چوں خوری بیش پیل باشی تو — کم خوری جبرئیل باشی تو

شرط نہم

ہمیشہ حلال کھائے۔ اور حلال کا کپڑا پہنے۔ جیسا کہ نص قرآنی ہے کلوا مافی الارض حلالا طیبا و من اکل الحلال اربعین یوما نور اللّٰہ تعالیٰ قبلہ واجری ینابیع الحکمہ من قبلہ و لسانہ۔ یعنی ہمیشہ حلال کھاؤ۔ اور حدیث میں ہے کہ جو شخص چالیس یوم کسب حلال سے لقمہ کھاتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے دل کو منور فرماتا ہے۔ اور اس کی قلب اور زبان سے حکمت کے چشمے جاری ہوتے ہیں۔ یعنی وہ صاحب حکمت و کمال ہو جاتا ہے۔ اور لباس کے واسطے اللہ فرماتا ہے۔ ولباس التقوے۔ یعنی بہتر لباس جو تمہارا ہونا چاہیے۔ وہ پرہیز گاری ہے۔

شرط دہم

ہمیشہ اعتکاف سے پہلے اپنے مرشد سے اذن حاصل کرے۔ جیسا کہ اس پر قرآن مجید ناطق ہے۔ یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین۔ یعنی اے مسلمانو۔ خدا سے ڈرو۔ اور ہمیشہ صادقین یعنی اولیاء کرام کی رفاقت اختیار کرو اور حدیث شریف میں آیا ہے۔ الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ ومن لا شیخ فینحنہ یعنی مرشد اپنی قوم میں ایسا ہے کہ جیسا نبیؑ اپنی امت میں ہوتا ہے۔ اور جس کا مرشد نہیں ہے۔ وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔

شیطان آنکس کہ بعالمش نباشد پیرے
از قول نبیؑ مرید شیطان باشد

یعنی شیطان وہ شخص ہے۔ جس کا پیر نہ ہو۔ کیونکہ قول نبیؑ صلعم سے ہویدا ہے۔ کہ وہ شیطان کا مرید ہوتا ہے۔

تاتو نرسی بشیخ باحق نرسی
زیرا کہ میان شیخ و حق نیست دوئی

خبردار ہو کہ جب تک تو پیر کی خدمت میں نہ جائے گا۔ کبھی خدا تک نہ پہنچے گا۔ کیونکہ شیخ اور حق کے درمیان دوئی نہیں ہے۔

شرط یازدہم

ہمیشہ وضو سے رہنا چاہیے۔ قال اللہ تعالیٰ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المتطھرین۔

باوضو باش درہمہ اوقات تا ترا نور دل قرین باشد
بروضو کس مواظبت نکند غیر مومن کہ پاک دین باشد

قال علیہ السلام الوضوء سلاح المومن۔ یعنی وضو مومن کا ایک ہتھیار ہے۔ جس شخص کے پاس ہتھیار ہوتا ہے۔ لشکر شیاتین اور جن اس پر فتح یاب نہیں ہوتا اور ان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

شرط دوازدہم

نیند بالکل نہ کرنا۔ اور اپنا پہلو زمینپر نہ لگانا۔ قال اللہ تعالیٰ تتجافی

جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا و طعما۔

در خواب مشوکہ خواب بامرگ است جفت
از خواب کسے را گل شادی نشگفت
برخیز و نیاز کن بدرگاہ خدا
کاندر لحد تنگ بسی خواہی خفت
گر تو ہستی مرد عاشق شرم دار
خواب را بادیدہ عاشق چہ کار
چشمی کہ در تو خاربود چوں، خسپد
آنرا کہ غم یار بودچوں خسپد
اے آنکہ گنہ میکنی و می خسپی
آنکس کہ گنہگار بود چوں خسپد

شرط سیزدہم

طالب کو چاہیے کہ ہمیشہ روزہ دار رہے۔ جیسا کہ بی بی عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے۔ ولا اعتکاف الابصوم ولا اعتکاف الافی مسجد جامع۔ یعنی روزہ کے سوا اعتکاف درست نہیں ہوتا۔ اور اعتکاف ہمیشہ مسجد جامع میں ہونا چاہیے۔

شرط چہاردہم

پنجوقت نماز کا باجماعت ادا کرنا اعتکاف کی نہایت ضروری شرط ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وارکعوا مع الراکعین۔ کہ نماز باجماعت ادا کرو۔ کسی بزرگ کا قول ہے۔

چوں نماز است احسن الاعمال باجماعت نماز بگذارید

یعنی جب نماز احسن الاعمال (سب عملوں سے اعلیٰ اور عمدہ) ہے تو ضروری ہے کہ اسے باجماعت ادا کیا جاوے۔

شرط پانزدہم

طالب کو چاہیے کہ وہ دانائی حاصل کرے۔ تاکہ اس کے ذریعہ حق و باطل میں تمیز کرے۔ اور ان کو ایک دوسرے سے جدا کر سکے۔ جیسا کہ آنحضرت کا فرمان ہے۔ فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔

ایک فقیہ (عالم) شیطان کے مقابلہ میں ہزار عابد کی طاقت سے زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ یعنی اگ رہزار عابد مل کر شیطان کو بھگانا چاہیں تو شائد وہ بھاگ نہ سکے۔ مگر ایک عالم باعمل فوراً شیطان کو بھگا دے گا۔

شرط شانزدہم

طالب کو چاہیے کہ ہمیشہ دنیا کی فضول باتوں سے خاموشی اختیار کرے۔ لیکن مطلق خاموشی ہر ایک قسم کی بات ہے نازیبا ہے۔ بلکہ سخن آخرت جائز اور روا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔ مایلفظ من قول الا لدیدر قیب عتید۔ انسان جو کلام کرتا ہے۔ اور جو کچھ بولتا ہے۔ اس کا جواب وہ اسے ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اس کی کلام پر پہرہ دار مقرر ہیں۔ یعنی طالب کو چاہیے کہ امر معروف اور نہی عن المنکر کے واسطے زبان بند نہ کرے۔ جسیا کہ فرمان الٰہی ہے۔ وامر بالمعروف وانہ عن المنکر

سخن بسیار دانی اندکے گو یکے راصد مگو صدر ایکی گو

شرط ہفدہم

طالب کو چاہیے کہ حالت اعتکاف میں بیٹھا رہے۔ اور اس جگہ سے سوائے حاجت انسانی یعنی بول براز کے باہر نہ آوے۔ اور اگر بلاعذر شرعی باہر چلا آئے گا۔ تو اس کا اعتکاف نہ رہے گا۔

شرط ہجدہم

ہمیشہ اپنی نظر اور معہود ذہنی عقبے ہی کی طرف رکھے۔ اور دنیائے دوں کی طرف نظر نہ کرے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ ومن کان یرید حرث الاخرۃ نزدلہ فی خرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نوتہ منھا ومالہ فی

الاخرة من نصیب۔ یعنی جو شخص کہ آخرت کی کھیتی چاہتا ہے۔ ہم اس کی کھیتی میں برکت اور زیادتی عطا کریں گے۔ اور جو شخص اس دنیا کی کھیتی اور خیر و برکت چاہتا ہے۔ تو اسے یہ عطا کرے گے۔ اور جو شخص اس دنیا کی کھیتی اور خیر و برکت چاہتا ہے۔ تو اسے یہ عطا کریں گے مگر آخرت کا حصہ اسے نہ ملے گا۔

نزد مرداں حب دنیا زہر قاتل آمدہ است
زہر خوردن اے جواں جز کار رحمقی کے بود

خدا پرستوں کے نزدیک جب دنیا زہر قاتل ہے اور زہر کا کھانا احمق کا ہی کام ہے۔

شرط نوزدہم

طالب کو چاہیے کہ فانی نعمت اور آرام سے دور رہے۔ اللہ تبارک و تعالٰی سے فرمایا ہے۔ وما عندکم ینفدوما عند اللہ باق۔ یعنی کہ جو تمہارے پاس ہے وہ تو فنا ہو جائے گا۔ اور جو اللہ کے پاس ہے۔ وہ باقی رہنے والا ہے۔

سرورک فی الدنیا غرور و غفلة
و عیشک فی الدنیا محال و باطل

شرط بستم

ضروری ہے کہ طالب اپنے دل کو فضولیات سے خالی کرے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔ الیس اللہ لکاف عبدہ۔ کیا اے بندے میں تیرے واسطے کافی نہیں۔

شرط بست و یکم

طالب کو چاہیے کہ جملہ دنیا سے زہد یعنی کنارہ کشی اختیار کرے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سلبنا کہ جو لوگ ہمارے طرف سعی اور جہد کریں گے۔ تو ہم ان کو اپنا راستہ دکھائیں گے۔ وقال النبیے صلعم الزاھدون فی الدنیا الراغبون فی الاخرة الامنون یوم القیمة اور حضرت

رسول کریم صلعم نے فرمایا ہیں۔ جو لوگ دنیا سے کنارہ کش ہیں۔ اور آخرت کے شائق ہیں۔ وہ قیمت کے دن امن میں ہوں گے۔

شرط بست و دوم

چاہیے کہ معتکف ہمیشہ یاد حق میں رہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبھم۔ کہ وہ لوگ ہر وقت خدا کے ذکر میں رہتے ہیں۔ خواہ وہ حالت قیام یعنی کھڑے ہوں۔ خواہ بیٹھے ہوں خواہ لیٹے ہوں۔

ہر آنکو غافل از حق یکزمان است
دراں دم کافراست اما نہان است

جو شخص خدا سے ایک لحظہ بھی غافل ہو جاتا ہے۔ تو وہ اس وقت گویا کافر ہے۔ مگر پوشیدہ ہے۔

شرط بست و سوم

طالب کو چاہیے کہ تلاوت قرآن پر مداومت کرے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔ ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم الایہ۔ کہ یہ قرآن مجید وہ راستہ دکھاتا ہے جو کہ نہایت سیدھا اور مستقیم ہے۔ وقال النبی صلعم الصیام والقرآن یشفعان للعبد یوم القیامۃ۔ اور آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآں مجید اور روزے قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔

شرط بست و چہارم

ضروری ہے کہ طالب نفع و نقصان اور خیر و شر میں خداوند کریم کی تقدیر پر شاکر رہے۔ اور راضی برضاء کا مسئلہ اس کے پیش نظر رہے۔ جیسا کہ اللہ فرماتا ہے۔ لئن شکر تم لا زید نکم وقال اللہ تعالٰی النعمۃ منی واشکر منک البلاء منی والصبر منک القضاء منی والرضاء منک۔ کہ اے بندو۔ اگر تم شکر کرو گے۔ تو میں تمہیں نعمت زیادہ کروں گا۔ اور اس میں برکت دوں گا۔ اور حدیث قدسی ہے کہ نعمت کا عطا کرنا ہمارا کام ہے اور شکر کرنا تمہارا۔ اور بلا یعنی

آزمائش ہماری سرکار سے ہیں۔ اور صبر کرنا تمہارا فرض ہے۔ قضا ہماری طرف سے اور رضا تمہاری طرف سے۔ ایک بزرگ کا قول ہے۔

ہر کہ درین بزم مقرب تراست
جام بلا بیشترش میدہند

کہ جو آدمی اس بار گاہ الٰہی میں مقرب اور زیادہ پیارا ہے۔ اس کو آزمائش اور امتحان کا پیالہ زیادہ ملتا ہے۔

شرط بست و پنجم

طالب کو چاہیے کہ اپنا سر ننگا نہ رکھے۔ بلکہ اسے ڈھانپ رکھے۔

شرط بست و ششم

ضروری ہے کہ معتکف سر منڈائے اور موئے لب موافق سنت رکھے۔

شرط بست و ہفتم

پاؤں ننگا رکھنا مناسب نہیں ضروری ہے کہ نعلین کا استعمال جاری رکھے۔

شرط بست و ہشتم

طالب کو واسطے مناسب ہے کہ آسمان کی طرف نگاہ نہ کرے اور اوپر نہ دیکھے۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے۔ے

سالکان ازبار اندوہ بر نمیدارند سر

یعنی کہ سالک بار اندوہ سے سر نہیں اٹھاتے۔

شرط بست و نہم

معتکف کو چاہیے کہ ایسے شغل اور تعلقات ترک کر دیوے۔ جو اسے حق کے پہنچے سے روک رکھتے ہیں۔ ایک بزرگ کا قول ہے۔

تعلق حجاب است و بیحاصلی
چو پیوند ہا بگسلی واصلی

اے انسان یہ تعلق اور دنیاوی جھگڑے حجاب ہیں۔ اور جب تو یہ پردے اور مجھے چھوڑ دے گا۔ تو واصل بحق ہو جائے گا۔

شرط اسی ام

ضروری ہے کہ معتکف اپنے آپ کو عجب اور تکبر سے بچائے رکھے۔ جیسا کہ حضرت شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا ہے۔ العیوب کثیرۃ اعظمھا اعجاب المرء بمافعل من الطاعات۔ کہ انسان میں یوں تو بہت عیب ہیں۔ مگر سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اپنی حالت پر گھمنڈ اور غرور کرے۔

شرط سی ویکم

ضروری ہے کہ خلوت سلامتی دین کے واسطے اختیار کرے۔ نہ کہ شہرت اور ناموری کے واسطے لوگ کہیں۔ فلاں شخص اعتکاف میں ہے۔ کیونکہ اس شہرت میں آفت ہے۔

گر شہرہ شوی بہ شہر شر الناسی
ورگوشہ نشینی تو ہم از وسواسی
آں بہ کہ اگر خضرؑ اگر الیاسیؑ
کس نشناسد ترا کس رانشناسی

ایک درویش کا قول ہے کہ اگر تو جہاں میں شہرت پیدا کرنا چاہے تو تو شر الناس ہے یعنی تمام لوگوں سے زیادہ خراب اور شری رہے اور اگر گوشہ نشینی ہے تو بھی شہرت تجھے تباہ کر دے گی۔ بہتر یہ ہے کہ خواہ تو خضرؑ اور الیاسؑ ہی کیوں نہ ہو۔ ایسی حالت اختیار کر کہ نہ تو کسی کو جانے اور نہ کوئی تجھے پہچانتا ہو۔

شرط سی و دوم

ضروری ہے کہ تقدیر الٰہی پر کوئی اعتراض یا نکتہ چینی نہ کرنی چاہیے۔ حدیث قدسی ہے۔ من لم یرض بقضائی ولم یصبر علی بلائی ولم یشکر

علی نعمائی ولم یقنع بعطائی فلیطلب ربا سوائی۔ یعنی جو شخص میری تقدیر پر راضی نہیں ہوتا اور میری بلا پر صبر نہیں اختیار کرتا اور میری نعمتوں پر شکر نہیں کرتا اور میرے عطیوں پر قانع نہیں ہوتا۔ تو پس اس آدمی کو چاہیے کہ کوئی اور خدا تلاش کرے۔

شرط سی وسوم

وہ وسوسے جو دل کو خطرہ اور آفت میں ڈالنے والے ہیں خاطر سے دور کر دیوے۔ الخواطر ھو رکن عظیم لان القلب مالالم یخل من ذکر الخیرہ یوثر ذکر اللہ فیہ اصلا۔ اور یہ بڑی ضروری شرط ہے۔ کیونکہ جب تک انسانکا دل ذکر غیر سے خالی نہ ہوگا۔ ذکر خدا اس میں ہرگز اثر نہ پیدا کرے گا۔

شرط سی وچہارم

جمعہ کی نماز ہمیشہ پڑھنی چاہیے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ اعتکاف الافی المسجد الجامع کہاعتکاف ہمیشہ جامع مسجد میں ہونا چاہیے۔

شرط و پنجم

معتکف کے واسطے ضروری ہے کہ کلمہ استغفار کو بلاناغہ پڑھتا رہے۔ بلکہ اس کی مداومت کرے جیساکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ واستغفر اللہ ان اللہ غفور رحیم و فی الخبر قال اللہ تعالیٰ یا ابن ادم منک الاستغفار رومنی المغفرۃ ۔ اور حدیث قدسی میں ہے۔ اے آدم زاد! استغفار تیرا کام ہے اور مغفرت ہمارا کام ہے۔

شرط سی و ششم

موت کو ہمیشہ یاد کرنا چاہیے اور اس سے محبت رکھنی ضروری ہے جیساکہ خبر میں ہے لکل شئی اصل و فرغ فان اصل الطاعات ذکر الموت والطاعۃ فرعہ وان اصل المعاصی نسیان الموت والمعاصی فرعہ ہر ایک چیز کی

اصل اور فرع ہوتی ہے۔ عبادات کی اصل اور جڑ ذکر موت ہے۔ اور اس کی فرع طاعت ہے۔ اور گناہوں کی جڑ نسیان موت ہے اور اس کی فرع یعنی شاخ گناہ اور عصیان ہے ایک خدا رسیدہ بزرگ کا قول ہے۔

بامید وصالت میدہم جاں وگرنہ طاقت ہجراں کہ دارد

اے اللہ تیرے وصل کی امید پر میں جان دیتا ہوں۔ ورنہ کسے توفیق ہے۔ کہ وہ ہجر برداشت کر سکے۔

شرط سی و ہفتم

ہمیشہ عذاب الٰہی سے خائف رہے اور گریہ سے محبت رکھے ایک بزرگ کا فرمودہ ہے۔

گریہ گر کس کند برائے خدا
عفو سازد خدا گنہ اورا
گرچہ باشد گناہ آنکس را
بیشتر از ستارگان سما

اگر کوئی شخص اپنے گناہوں کو یاد کر کے بارگاہ الٰہی میں رو دے۔ اور زاری کرے خداوند کریم اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے گناہ آسمان کے ستاروں کی طرح بیشمار ہوں۔ تو بھی خداوند کریم سب بخش دیتا ہے۔ حضرت رسول کریم صلعم نے فرمایا ہے۔ من بکی نفسه من خشیة الله یدخل الجنة ضاحکا۔ جو شخص خوف سے روتا ہے۔ خداوند کریم اسے بہشت میں داخل کرے گا۔ درحالیکہ وہ ہنستا ہوا ہو گا۔

شرط سی و ہشتم

معتکف کو چاہیے۔ کہ خداوند کا طالب دیدار۔ اور اس کی رحمت کا طلب گار رہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ لاتقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا۔ اے میرے بندو! تم میری رحمت سے ناامید کبھی نہ ہونا۔ تحقیق جس پر اپنا فضل کرنا چاہتا ہوں۔ تو اس کے سب گناہ بخش دیتا ہوں۔

ایک فقیر فرماتے ہیں۔

بخشش و فضل حق نہ حدبیاں
ہست ایں قول درجہاں شائع
آنکہ بر کافراں ببخشائد
مسلماں را کجا کند ضائع

تمام دنیا میں مشہور ہے کہ رب تعالٰی کی بخشش اور فضل کا شمار نہیں ہو سکتا۔ وہ رحیم و کریم جو کافروں پر بھی عنایت کرتا ہے۔ مسلمانوں کو کب محروم کرے گا۔

شرط سی و نہم

بول و براز کے متعلق جو آداب ہیں۔ ان کا بھی خیال رکھے۔

شرط چہلم

ضروری ہے کہ خلوت میں ادب کو نہ چھوڑے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمودہ ہے کہ جو شخص بے ادب ہے۔ اسے شرف حاصل نہیں ہو گا۔ یعنی ادب میں عزت ہے۔

بے ادب مرد کے شود مہتر
گرچہ او را جلالت نسب است
ادب تاجیت از فضل الٰہی
بنہ برسر برو ہر جاکہ خواہی
باادب باش تا بزرگ شوی
کہ نتیجہ بزرگی ادب است
ے دل بیا بکوئے وفا خلوتے گزیں
در سلک سالکاں برہ بے نشاں نشیں
ازہرچہ غیر دوست بنہ انما بیدل
وانگہ بجق نمای نمای تو لاچو اہل دیں

تجرید شوز ہرچہ دریں رہ نہ درخواست
برآستان دوست بر آور ایک اربعین
تاہر کدورتیکہ بود باصفا شود
ازدست دیونفس زہرجان نازنین
پس نور حق مشاہدہ افتد ترا بسر
مرآت روی دوست شوی از سر یقین
سلطان تخت مملکت سرمدی بعشق
شاہی بود کہ کسب کند دولت چنیں

(تمام شد رسالہ اربعین مصنفہ حضرت غوث بہاء الدین زکریا ملتانیؒ)

۳۔ رسالہ معنی بیان طریقت

حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے ملفوظات میں سے ایک غیر معروف غیر مطبوعہ نسخہ ملفوظات مولوی محمد شمس الدین مرحوم تاجر کتب لاہور کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ لطیف ملک نے رسالہ "صحیفہ" لاہور بابت ماہ جنوری ۱۹۷۱ء میں شائع کر دیا تھا۔ ملک صاحب لکھتے ہیں:

ابتدائی سطور کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ "معنی بیان طریقت" میں ہے جس کے متعلق آپ کے کسی مرید نے التماس کی تھی اور آپ نے استخارہ کرنے کے بعد اس کا جواب تحریر فرمایا تھا۔

یہ قدیم الخط نسخہ جس پر سنہ کتابت درج نہیں، خوبصورت نستعلیق خط میں لکھا ہوا ہے اور "۸۶۲x۴۶۲" کی تقطیع پر (فی صفحہ ۱۵ سطور) لوح سے تمت تک کل ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، لیکن شکست و ریخت کی یہ کیفیت ہے کہ ہر صفحہ کی بالائی پانچ پانچ سطروں کے تقریباً نصف الفاظ ضائع ہو چکے ہیں، لہٰذا موجودہ صورت میں اس نسخے کی صرف وہی عبارات محفوظ ہیں جو صفحے کے وسط سے شروع ہوتی ہیں۔ ان میں بھی بعض سطور اور الفاظ مرمت کی وجہ سے ناپید ہیں، تاہم یہ مختصر و مجمل رسالہ غنیمت ہے کیونکہ ملفوظ کے رنگ میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس

سرہ کی کسی تحریری یادداشت کا کوئی ذکر یا حوالہ دستیاب نہیں' اور فی الوقت یہ واحد رسالہ دکھائی دیتا ہے جو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی یادگار کے طور پر دست برد زمانہ سے محفوظ رہا ہے۔ اس رسالے کا ایک اقتباس "مجمع الاخبار" میں بھی شامل ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسالہ "مجمع الاخبار" سے قدیم تر ہے اور شیخ بہاء الدین زکریا کے احوال و ارشادات میں اول درجے کے ماخذ میں شمار ہونے کے لائق ہے۔

رسالے کا متن حتی الوسع احتیاط سے نقل کیا گیا ہے۔ جو الفاظ و عبارات ناپید ہیں ان کی جگہ نقاط ڈال دیے گئے ہیں۔ دو تین نقطے صرف ایک آدھ لفظ غائب ہونے کی علامت ہیں اور زیادہ نقاط اسی نسبت سے زیادہ عبارت کے ناپید ہونے کی نشان دہی کرتے ہیں۔ متن ملاحظہ ہو:

"هذالرسالة من كلام الشيخ المشائخ والاولياء

قطب الاقطاب صدر مشايخان بهاء الحق والشرع

والدین زکریا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد قریشی قدس سرہ

الحمد لله الذی ابدع الخلايق بدلالة وابتلاهم بشكر من غير حاجته و هو ولی الهدايه و صلى الله عليه وسلم على خير خلقه محمد و آله اجمعين وسلم تسليما كثيرا كثيرا۔ امابعد جلعنا الله واياكم من الفايزين۔ آنچه التماس افتاد در معنی بیان طریقت آخرت آن کاری بزرگ و کیفیت آن حال دریافت است بگفت و گوی راست نیاید و لیکن چون التماس کر دی بحکم التماس تو استخاره کردم و از خدای تعالٰی معونت خواستم تادر سخن پیوندیم واند کی از معانی رفتن آن راه بیان کنیم تا اگر کسی... افتد و احوال خود روشن کند و بدانداز بهر چه میکند باشد که بر سر رشته خود باز آید و ذلک فضل الله يوتيه من يشاء ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم... توفیق و منه النصرة والغفران و عليه الثقة والتكلان۔

بدان اسعدک الله وایانا که اول قدم اندرین راه ترک دنیاست مع

العلایق کلها و ما بعث الانبیاء قط الا لانصراف.... من ترکها ملک و من
اخذها هلک.... بهمان قدر از حق باز ماند جنج مردی خواهد که.... قدر که
روی سوی پشت کند پیش روی حجاب شود.... دوستی دنیا لانها
مبغوضة الحق و از بهر آن باز داشته.... چون بدنیا مشغول شود از ان
مقصود که بهر آن آفریده شده است باز ماند.... آن مقصود عبودیة است
قوله تعالٰی: وما خلقت الجن والانس الالیعبدون.... عبودیة سریست از
اسرار خدای تعالٰی و آن سر قربتست و بنده از بهر..... مصلحت آفریده
شده است و اما حجاب در میان است از سبب آن حجاب بخدای عزوجل
نمیرسد اما حق تعالٰی رامکان نیست که دران.... آسمان و زمین و کوه
حجاب شود تعالٰی الله عمایصف.... و هو اقرب الیه من حبل الورید
حجاب.... و آن یاد مخلوقاتست و طلب دنیا.... حق دور باشد و آن
حجاب بس.... حق است چون بنده.... بیگانه گردد حجاب از میان
بر دارند این.... و بی نهایت است.... وقعت گاه مریدان بدان و محل اعراض
طالبان اتباع.... مامور ست بخلاف کردن بوانفس قال علیه السلام....
اخوف ما..... اتباع الهواء و طول الامل والهوی ظلم و در بر عضوی از
اعضاے آدمی را شهوتی و بو ایست مرکب که سبب حجاب وقت اوبمی
شود چنانک چشم شهوت اور دیدنست و نگریستن بحرام و بمچنیں
گوش راوبینی رابوئیدن و کام راچشیدن و زبان راگفتن و تن رابسودن و
سینه راند یشیدن.... حق را باید تاراعی و حاکم وقت خود باشد و روز
شب اندران.... باطل که اندر حواس پیدامی آیداز خود ددفع کنده و جاء
فی الا..... من حفظ.... اکرمته بست من حفظ لسانه من.... حفظ بصره
من غیر اکرمته بروبتی ومن حفظ.... حفظ قلبه من حب الدنیا اکرمته
بنظری و..... یوم القیامة پس سر بمه سعادتها آنست که مردم.... بحکم
طبیعت بر سر شهوت نرود واز حق تعالٰی معونت.... صفت کند که
خبیثها باطن برود و پاک شود زیراکه بر که در شهوة.... واندر بوا مبتلا

شودو آنگاه معانی حقیقت محجوب شو و جاء فی الحدیث الاسرار: ان اللہ تعالیٰ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا احمد و احذر ان لاتکون مثل صبی اذا نظر الی الشئی الاخضر والاصفر احبہ و اذا اعطی شیاء من الحلو والحامض اغتر یا احمد ان اول المعصیۃ التی یعملھا العبد شبع البطن و فتح اللسان فیما لا یعنیہ و مخالطۃ المخلوق باھو اہم واصل در آدم زاد دل است چون دل صلاحیت یابدتن آدمی زاد راہم صلاحیت شود۔ دل را حیاتست و مماتست جزاین موت کہ مردم را در گور نہد دل خود حیات و ممات جداگانہ دارد چنانک حق تعالیٰ میفر ماید اور من کان میتا فاحییناہ یعنی بکثرہ شغل الدنیا..... احییناہ یعنی بذکر مولی و ہر گاہ کہ دل بلذات و شہوات و ماکولات و مشروبات مشغول شود غفلت در وی اثر کند وسواس اور ار مستولی شوداز ہر جنسی اندیشہ پیش خاطر آمدن گیرد و اندیشہ جز حق دل را سیاہ کند۔ چون دلؓ سیاہ شود حکم موت گیرد چنانک ہر زمینی کہ در وی خاشاک بسیار آید تخم قبول نکند گویند آن زمین مردہ است ہمچنان ہر..... اورا مستولی شود و تاثیر قال اللہ تعالیٰ و من یعش..... فھولہ قدیر ظاہر گردد ہمچنان ہر دلی کہ کشتگاہ دیو..... حق است نپذیرد و آنچہ مراد کلام حق است نشنود..... زندگانند نہ مردگان قولہ تعالیٰ: انک لاتسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعا اذا و ہو مدبرین و ما انت بمسمع منؔ فی القبور و اما ہر گاہ کہ تعلق دنیا از دل زایل شود و ہوانفس از وی منفی شود و بندہ برست وقت خود پیوستہ ذاکر و تالی بود آن دل بنور ذکر زندہ شو دقولہ تعالیٰ: ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب اوالقی السمع و ھو شہید۔ بس اصل درین راہ صلاحیۃ دل..... وصلاحیت دل حاصل نشود تا اندرونہ خوداز مذمومات کل پاک نگر داند و ھو الغل والغش والحقد و الحسد..... والحرص والکبر والبغض والریا کما قال انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم..... و تمسی و لیس فی قلبک

غل..... و ذلک من سنتی ومن..... حیاتی کان معی فی الجنة و آن اصل معتبر ست و کاری بزرگ و فاضل ترین چیز ہاست که مہتر عالم صلی اللّه علیه وسلم فرموده است در احیاسنت..... کنند یعنی دل را بطہارت ظاہر و باطن..... داده اند از خیانة و از غل و غش و جدوجہد کردن در..... ظاہر و باطن اعمال کار درویشانست و جوہر درویشی اینجا..... فضل فقرا اینجا ظاہر شود زیراک نشان غل و غش و طلب جاه و رفعت و منزلت جستن نزدیک ایشان دوستی دنیا و للفقر شہدوا فی ذلک کله و چون دوستی دنیا در دل ایشان ہیچ نماند تا قبول ورد خلق در دل ایشان برابر باشد فاصبحوا وامسوا و لیس فی قلوبہم غل و غش علی احد قوله تعالیٰ: و نزعنا ما فی صدورہم من غل اخوانا و این مذمومات و خباثت را طریق اخلاص آنست که قولاً و فعلاً و ظاہراً و باطناً از جمله معاصی تجنب کند و از صغایر و کبایر احتراز نماید و ھکذا قال المشایخ رضوان اللّه علیہم اجمعین لا یصیر المرید مریداً حتی لا یکتب علیه شئی صاحب الشمال عشرین سنة یعنی تا فرشة دست چپ اصلا بیست سال در نامه اعمال بنده ہیچ بدی ننویسد مرید نشود و ترک معاصی آن صفت میسر نشود باز..... دلی که اور مشغول بود بدون حق ممنوع بود از قربت حق و از مقامہا..... نمازست و در نماز میفرماید لا تقربو الصلوة و انتم سکاری قیل فی..... حب الدنیا زیراک سکر عبارت از چیزی..... که چه میکند و یاچه میگوید پس ہر که در نماز در آید..... کرده باشد قرآن میخواند و نمی داند که چه میخواند و در..... ونمی داند که چه میکند اورا آن نماز حقیقه نبود زیراک نماز عبارت..... و نیاز از خشیت بود و خشیت از علم بود و علم دانستن بود و ہر که بکند و بگوید و نداند عین جہل بود و جہل مانع قربست قال اللّه تعالیٰ: حتی تعلموا ما تقولون زیراک زبان ترجمان دلست و دل در مقام عیانست، پس ہر که خواہد که در نماز رود و دلش جای دیگر بود نه دل در عیان بود نه زبان در گفتار و نه قالب

در..... چنانک سید عالم علیه السلام فرمود مر آن مرد را که نماز میکرد
قم فصل فانک لم تصل نظر مهتر عالم بر وی افتاد که حق نماز نمی داند
اورا فرمودکه آن نماز نبودکه تو کر دی٬ باز بسر سخن رویم و آن آنست
که دل ازین بلید ہا پاک کندو آن جمله شاخہاکه دل را تباه کند از یک اصل
خیزدو آن دوستی دنیا است حب الدنیا راس کل خطیئۃ و دوستی دنیا از
دل نرود مگر بخلوۃ و عزلت٬ و مشائخ گفته اند که اول قدم در راه حقیقت
خلوۃ است و جنید رحمة اللّٰه گوید من اختار الخلوۃ قد استمسک بعمود
الاخلاص و هی رکن من ارکان الصلوۃ و خلوت..... تواند کرد و اصل
در خلوت ورع ور زیدنست..... من المتقین والتقوی که امر عظیم وجاء
فی الاسرار ان اللّٰه..... علیه السلام یا احمد ان احببت ان تکون اورع الناس
فازہد فی الدنیا وارغب فی الاخرۃ قال الٰہی کیف ازہد فی الدنیا وارغب
فی الاخرۃ قال اللّٰه تعالٰی خذ من الدنیا خفا من الطعام والشراب و اللباس و
لاتجس شیاء لغد و تدام علی ذکر قال یارب کیف ادوم علی ذکرک قال
بالخلوۃ عن الناس و تبغضک للحلوا و الحامض و فراغ بیتک و بطنک
من الدنیا٬ و چون خلوۃ بگذیند ده چیز باید مر خلوت راتا خلوۃ وی
صحیح باشد٬ اول باید که علم باشد تاخلوت وی صحیح بود که حق از
باطل جدا تواند کرد٬ دوم زہد بود اندر جملگی دنیا٬ سیوم شدت و محنت
بگزیند باختیار خود نه بضرورت از راحت و نعمت٬ چہارم خلوت برای
سلامتی گزیند٬ پنجم نظرش در عقبی بود٬ ششم خودرا کمترین خلق
داند تا زشت خود از مر دمان دور کند٬ ہفتم در عمل فترت نکند لان
الفراغ بلاء٬ ہشتم عجب نکند اندر آنچه او ہود٬ نہم خانه دل از فضولی
خالی کند و مرید رافضولی آن بود که زیادت..... قوت نگاہدارد٬ دہم
خصلت آنست که ہر چیزی که او را از حق باز دارد..... قطع کند و دربیان
خلوت و عزلت مشائخ..... بعضہم لافرق الخلوۃ والعزلة و قال بعضہم
الخلوۃ..... من امارات الوصلة و فرق میان خلوت و عزلت..... علامات

خلوت بود تا با خلق اختلاط نکند و از جماعت مردمان..... رغبت ننماید و پرہیز کند۔ جملہ خلق چنانک با عیال و فرزندان خود نیز بمجرد طبیعت و غلبہ شهواتی نہ نشیند تا او را نیتی از بهر حق ظاہر شود۔ آنگاه بحکم آن نیت باعیال و فرزندان خوش بنشنید و زود بر خیزد بسوے خلوت شود و استغفار بسیار گوید بتضرع وزاری بحضرت عز جل جلالہ باز گردد و ازان نشستن از حق آمرزش خواہد زیراچہ اگرچہ باعیال و فرزندان نشستن مجرد عبادتست لکن حسنات الابرار سیاست المقربین و بحسب حال خود ہر کسی راگناه است و ھذا ذنب حالہ اما خلوت آن بود بجز حقاندر دل ہیچ اغیار نماند و مراقب وقت حال خود شود و این ضعیف راچنان سماع افتادکه روزی شیخ شهاب الدین عبداللہ عمر بن محمد سہروردی رحمتہ اللہ باشیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر رحمۃ اللہ در حرم کعبہ بود شیخ ابوالنجیب عبدالقادر بر سر وقت بود خضر علیہ السلام آمد شیخ بدو..... باز گشت چون شیخ بخود باز آمد آنگاه بخدمت..... پرسید کہ شیخ چگونہ بود کہ نبی از انبیا علیہ السلام بزیارت..... التفات نکرد ید۔ شیخ در وی نگریست و روی سرخ کرد و..... تو چگونہ دانی اگر خضر آمد و بازرفت باز آید۔ اما آن وقت کہ مارا باحق بوداگر برفتی باز نیامدی و ندامت آن تاقیامت بماندی۔ ہمدران بودند کہ خضر علیہ السلام در آمد۔ شیخ برخاست و استقبال کرد و تواضع نمود نر جو میامن برکتہم من اللہ الکریم پس مرید را مراقب وقت و شحنہ روزگار خود باید بود و ہرچہ جز حق بوداز دل دور کند و صحبت خلق بر خود حرام کند و اگر او را باذکر خدای تعالیٰ موانست نبوداز خدای تعالیٰ بوی نیابد۔ و مرید باید کہ عالم باشد بعلم شریعت و علم توحید تا عمل کند و علم راه بر او باشد تا شیطان دست از و کوتاه کند۔ زیراکہ عمل بی علم اصلی ندارد و نعوذ باللہ منہا من عمل بلا علم و علم بلاعمل۔ اما باید کہ بندہ مر خداوند خودار

مخلص شو و صادق بود در طلب خدای بحسب نیت تا حق تعالیٰ
یقینش بر مزید گرداند و صف در باطنش.... دہد بحسن سیاست
شریعت و صدق متابعت نبوی ہمواره باشد..... ذکر ہا بیرون آید جز از ذکر
خداوند عزوجل واز جمله مراد ہا بیرون آید..... و از جمله مطالبات نفس
تیراکند بجمیع..... شغل قلب العبد وله فی الدنیا حاجة ومداومت....
معبود بی ہمتارا من غیر فتور و قصور ظاہر او باطنا..... و ترتیب آنست
که مادام نفس محبت و انشراح دارد جہد کند..... درو بیند قیام ترک
آرد نشسته نماز کند زیراکه آن نفس را آسان تر نمایدو اگر ازین ہم بماند
مراقب دل شود و مراقب علم بود که حق تعالیٰ نگرد مادام که بنده مراقب
باشد و اگر ازین ہم بماند و حدیث نفس غلبه بکند بخسپد که خفتن عالم
بندگی خداوند ست نوم العالم عبادة و این آنست که برای خدای تعالیٰ
کسی نخسپد و خفتن عالم به از بیداری دیگران، اگر مرید از ذکر زبان و
اعمال جوارح بیابد و ہمواره در طاعت عبادة اشد و ہیچ فتور و قصور بر
خود راه ندہد و اگر در تلاوة قرآن مجید بود چندان بخواند و چنان خواند
که بجای حدیث نفس معنی قرآن شنید و اگر خواندن قرآن ساعتی
بیا۔ساید تفکر کند که تفکر ساعة خیر من عبادة سنة و تفکر در خلق
کند نه در خالق و تفکر در آلایه و نعمایه و در آفرینش آسمان و زمین و
بہشت و دوزخ بود و ہرچه جز این بود احتراز باید کرد که این حدیث
نفس..... و در دل بینا و امور العماصی حدیث النفس و اگر خواندن قرآن
نداند ملازم ذکر..... که ہر کس چه ذکر باید فرمودا ما بیشتر لا اله الا اللّٰه
محمد رسول اللّٰه اختیار کرده اند و این کلمه را خاصیت است..... معیت
دل چون بنده ملازمت نماید درین کلمه گفتن قولا و قلبا..... صادقا"
مخلصا" مطلقا" و در خلوة بنشیند و روی بخدای عالی آردو این کلمه در
زبان میراندو بامواظبات کلمه اندر دل چندان بکوش تاہمین کلمه اندر دل
وی نقش شود بجاء حدیث و خواطر پریشان و دوستی دنیا این کلمه

بنشیند تا حالی شود که اگر ساعتی از گفتن زبان بیاساید دل بحق حاضر باشد تاچنان شود که بیش ہیچ اندر دل وی نگذرد بجز یادِ حق، چون ارادات او مر حق راقوی شود حق تعالٰی اورا نفس بینا گرداند تا ہیچ حرکاتی و سکناتی اور رانفسانی نماند ہمہ ربانی شود فحین ایذا صار ھذا العبد باربنا فینا فوقع فی حمایۃ اللہ ورحمۃ و بری من دعاوی نفسہ معنی چنین باشد چون بندہ ربانی شود و از ان نفسانی بیرون آید در گناہ داشت خدای تعالٰی باشد مرحوم و مغفور گردد و ہر گاہ بندہ درین مقام عالی رسد امید بود کہ باری تعالٰی او را بمقصود و منتہی دل رساند و اندکی سیر بکند کہ در صحرا شوق عرصات محبت افتد و در ریاض رضوان و بساتین انس و بساط انبساط.... و مجلس و کرامت او را کرامت کند تا خیالہ.... در دنیا بود دل وی اندر عقبی در اقطار عرش.... ینظر المرید تاہمہ چیز روی بدو آرد و از ہمہ روی بگر داند.... از غایت شوق و ذق او زیادت می شود تا رسل حق بدو رسد.... وی قبض کند الی روح و ریحان بشری و رضوان من رب راضیۃ غیر غضبان نفس پاکیزہ تمام انیس کہ از سرای فانی و بساط سفلی الی حضرۃ الباری عز اسمۃ باملاک اعلٰی در مقر ریاض جنۃ برندش بنگرد بندہ ضعیف بیچارہ عاجز دولت بی نہایۃ و مملکت بزرگ عالی اذرایت نعیما و ملکا" کبیر او شادے حاصل شود۔ بندہ را از خداوند رحیم و مفضل کریم جل ذکرہ از لطف و تعطف و انعام و اکرام کہ وصف تنواند کرد.... واصفی ہر روز مزید بود الی ابدالاباد زہی سعادت عظیم و دولت عالی فسال اللہ الباری الرحیم سبحانہ ان یمن علینا لہذا النعمۃ العظیم و ماذلک علی اللہ بعزیز و ان لا تجلعنا من الذین لانصیب لھم من ہذا الامر و ان لایجعل من علم علینا حجۃ من الذین لانصیب لھم من ھذا الامر و ان لاتجعل من علم علینا حجۃ یوم القیامۃ و ان توفقنا اللعمل بذلک والقیام مما تحب و ترضی انہ ارحم الراحمین والاکرمین۔

(نوٹ: اس حصہ کا اردو ترجمہ زیرِ عنوان "صوفیانہ تعلیمات" (۳) میں درج کیا گیا ہے۔)

۴۔ قلمی نسخے

(i) حضرت مخدوم لال عیسنؒ (کروڑ لال عیسنؒ) کے مزار مبارک کے سرہانے ایک قلمی قرآن مجید رکھا ہوا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔ پہلے یہ حضرتؒ کے مقبرہ شریف میں رکھا ہوا تھا۔ جب شیخ لال عیسنؒ ملتان سے کروڑ گئے تو اس قیمتی تبرک کو بھی ساتھ لے گئے۔" نور احمد خاں فریدی "(۵) نے اس متحفہ کی زیارت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسم الخط تو چھٹی صدی ہجری کا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں حضرت کے دستخط یا کوئی ایسی تحریر نہیں مل سکی جس سے اس دعویٰ کی توثیق ہو سکتی۔

(ii) کہا جاتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ نے سید علی ہجویریؒ کی مشہور عالم تصنیف "کشف المحجوب" کو بھی اپنے دست مبارک سے سپرد قلم فرمایا تھا۔ یہ قیمتی نسخہ پیرزادہ(٦) محمد حسین مترجم "عجائب الاسفار" کے کتب خانے میں موجود تھا۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں محفوظ نہ رہ سکا۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد شفیع (ریٹائرڈ پرنسپل اورینٹل کالج لاہور) نے یہ انکشاف کیا کہ "کشف المحجوب" کا وہ نسخہ ان کے پاس موجود ہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند جناب احمد ربانی کی وساطت سے اوقاف پنجاب نے اس کو شائع کیا۔ نور احمد فریدی(۷) لکھتے ہیں کہ "اس پر تکمیلی دستخط ٦٦۴ھ کے ہیں۔ حالانکہ شیخ الاسلامؒ ٦٦۱ھ میں فوت ہو جاتے ہیں۔ اور اگر تاریخ وفات ٦٦٦ھ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو کوئی صاحب فہم و ادراک یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو گا کہ ۹٦ برس کی عمر میں اتنی ضخیم کتاب لکھی گئی ہو۔ مشہور ہے کہ ضعیفی عالم میں آپ ہر وقت عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ اور دنیا سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ وہ اس ضعیفی کے عالم میں کتاب نہیں لکھ سکتے تھے۔"

صوفیانہ تعلیمات

۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "مجمع الاخبار" کے حوالے سے حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے چند ارشادات اور وصایا "اخبار الاخیار" میں نقل کیے ہیں جن سے آپ کی صوفیانہ تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے۔ اصل کتاب "مجمع الاخبار" جس

سے شیخ محدث دہلوی نے یہ اقوال نقل کیے ہیں' آج ناپید ہے۔ "اخبار الاخیار" کی عبارت جو ان اقوال پر مشتمل ہے کا اردو(۸) ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) "مجمع الاخبار" میں شیخ بہاؤالدین کی نصیحتوں کے باب میں تحریر ہے:

"ہر بندہ پر لازم ہے کہ صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور یہ کیفیت اس وقت حاصل ہو گی جب عبادت و ذکر میں غیر اللہ کی نفی اور دوسروں کا مٹا دینا ہو' اور یہ حالت ہے احوال کی درستی اور اقوال و افعال میں محاسبہ نفس پر پر موقوف ہے' لہٰذا بغیر ضرورت کے نہ کوئی بات ہو نہ کام' اور ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف التجا و تضرع اور اسی سے استعانت ہو' تاکہ اللہ تعالیٰ سے نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔"

(۲) ایک مرتبہ آپؒ نے اپنے ایک مرید کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ

"ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہو' کیونکہ ذکر سے طالب اپنے مطلوب تک پہنچتا ہے اور محبت ایسی آگ ہے جو ہر قسم کے میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے اور جب محبت مستحکم ہو جاتی ہے تو ذکر مشاہدہ مذکور کے ساتھ ہوتا ہے اور یہی وہ ذکر کثیر ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے فلاح و کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے' ارشاد ہے واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون (یعنی بکثرت اللہ کا ذکر کرو' تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ)

(۳) آپ نے اپنے ایک مرید کو ایک خط میں تحریر کیا کہ

"میں نے سنا ہے کہ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردیؒ اپنے شیخ ابوالنجیب عبدالقاہرؒ کے ساتھ حرم کعبہ میں تھے' شیخ ابوالنجیبؒ عالم اسرار میں پہنچ گئے' حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے لیکن شیخ نے ان کی طرف التفات نہ فرمایا' حضرت خضر علیہ السلام تھوڑی دیر کھڑے رہ کر واپس چلے گئے' جب شیخ ابوالنجیبؒ کو افاقہ ہوا تو ان سے شیخ سہروردیؒ نے ہمت کر کے دریافت کیا کہ حضرت! یہ کیا ہو گیا تھا کہ ایک نبی آپ کی ملاقات کو آئے لیکن آپ نے ان کی طرف بالکل التفات نہ فرمایا' شیخ ابوالنجیبؒ نے ان کی طرف دیکھا اور چہرہ سرخ ہو گیا' پھر فرمایا' افسوس' تمہیں کیا پتہ' اگر حضرت خضر علیہ السلام آ کر واپس چلے گئے تو پھر آ جائیں گے' لیکن ہمارا یہ وقت حق کے ساتھ مشغول تھا' اگر یہ چلا جاتا تو پھر ہاتھ نہ آتا اور اس کی ندامت

قیامت تک باقی رہتی' ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لے آئے' شیخؒ نے کھڑے ہو کر استقبال کیا' اور خاطر تواضع کی"

لہٰذا مرید کو اپنے اوقات کی نگرانی و حفاظت کرنا چاہیے' غیر اللہ کو دل سے دور کر دینا مخلوق سے میل جول اپنے اوپر حرام کر لینا اور ذکر حق سے انسیت حاصل کرنا چاہیے' اور اگر اس کو ذکر سے انس حاصل نہ ہو گا تو حق تعالیٰ کی محبت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔

(۴) ایک خط میں ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ بدن کی سلامتی کم کھانے میں' روح کی سلامتی ترک گناہ میں اور دین کی سلامتی حضرت خیر الانام محمد ﷺ پر درود بھیجنے میں ہیں۔

"سفینۃ الاولیاء" میں ہے کہ "در ملتان از علوم ظاہر و باطن و فقہ و حدیث و باصول و فروع عالم و کامل و قطب و غوث وقت در عہد خویش در اسلام وا ز نظیراں روزگار' حنفی مذہب بود"(۹)

۲۔ ملا فضل اللہ معروف بہ درویش جمالی نے کتاب "سیر العارفین" میں بر سبیل تذکرہ جو اقوال درج کئے ہیں ان میں سے مندرجہ ذیل ارشادات ملفوظی اہمیت کے حامل ہیں:

"حضرت شیخ الاسلامؒ جس شخص کو مرید کرتے تھے تو بیعت کے وقت اور نصیحتوں سے پہلے یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو تو مجھ کو اپنا پیر سمجھنا اور ہر دروازے پر ہر شخص کے پاس نہ جانا۔ ایک دروازہ پکڑنا چاہیے اور مضبوطی سے پکڑنا چاہیے۔"(۹) حضرت کا یہ قاعدہ نہیں تھا کہ ان کے معتقدین اور مریدین زمین پر سر رکھیں یا سجدہ کریں۔ جب وہ ان کے سامنے آتے تو سنت نبوی کے مطابق "السلام علیکم" کہتے تھے۔ اور آپ بھی "وعلیکم السلام" فرماتے تھے۔ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو عبادت کی طرف متوجہ رہنے کی ہمیشہ تلقین کرتے تھے۔

"کہتے ہیں کہ ایک دن ایک آوارہ مزاج مسافر حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق والدینؒ کی ملاقات کے لیے آیا' سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ حضرت شیخ نے اس کی

طرف توجہ نہ کی اور کھانے کی قسم سے بھی کچھ اس کے سامنے نہ رکھا۔ مسافر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ جس نے کسی زندہ سے ملاقات کی اور وہاں کچھ کھایا پیا نہیں تو گویا وہ کسی مردے سے ملا۔ حضرت شیخ اس حدیث پر کیوں عمل نہیں فرماتے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ مخلوق دو قسم کی ہے عام اور خاص۔ مجھے عام لوگوں سے کوئی سرورکار نہیں لیکن جب خاص لوگ میرے پاس آتے ہیں تو اپنے حالات کے مطابق مجھ سے فیض یاب ہوتے ہیں اور فروغ حاصل کرتے ہیں۔ میں ان سے خدا، رسولؐ، سلوک و معرفت اور اس طرح کے اور وسائل کے بارے میں گفتگو کرتا ہوں۔ اس سے ان کو فائدہ ہوتا۔ حدیث کے یہ معنی ہیں۔"(۱۰)

۳۔ رسالہ "معنی بیان طریقت" (جس کا متن پیش کیا جا چکا ہے) میں حضرت شیخؒ کے ملفوظات و ارشادات زیادہ تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اس میں سے چند اقتباسات کا ترجمہ (۱۲) تبرکاً" پیش کیا جاتا ہے:

"لکھتے ہیں کہ اس راستے میں پہلا قدم ترک دنیا ہے۔ جب آدمی دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے تو وہ اس مقصود سے کہ جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے باز رہتا ہے۔ وہ مقصود عبودیت ہے قولہ تعالٰی وماخلقت الجن والانس الالیعبدون (ترجمہ = میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے)، عبودیت اللہ تعالٰی کے اسرار میں سے ایک سر ہے اور وہ سر قربت ہے، اور بندہ کو مصلحت کے لیے پیدا کیا گیا ہے لیکن چونکہ درمیان میں حجاب ہے اس سبب سے وہ اللہ عزوجل تک نہیں پہنچ سکتا..... آدمی کے ہر عضو بدن میں شہوت اور خواہش بھری ہوئی ہے جو اس کے حجاب کا سبب ہوتی ہے، چنانچہ آنکھ کی شہوت دیکھنے اور حرام چیزوں کی طرف نگاہ کرنے میں ہے اسی طرح کان کی شہوت سننے، ناک کی سونگھنے، تالو کی چکھنے، زبان کی بولنے، بدن کی شہوت آرام کرنے اور سینے کی شہوت اندیشہ کرنے میں ہے۔

آدمی میں اصل چیز دل ہے، جب دل کی اصلاح ہو جاتی ہے تو آدمی کے بدن کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔ دل کی بھی حیات اور ممات ہے سوائے اس موت

کے جو لوگوں کی قبر میں لے جاتی ہے۔دل کی اپنی جداگانہ نہ حیات و ممات ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اومن کان میتا فاحییناہ (ترجمہ = اور جو مردہ تھا اس کو ہم نے جلا دیا) یعنی شغل دنیا کی کثرت سے' فاحییناہ (ترجمہ = ہم نے زندہ کیا) یعنی ذکر مولی سے' اور ہرگاہ کہ دل لذات و شہوات و ماکولات و مشروبات میں مشغول ہوتا ہے اس میں غفلت سرایت کر جاتی ہے' اس پر وسواس کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اس میں ہر قسم کا اندیشہ داخل ہونے لگتا ہے۔ ماسوائے حق کا اندیشہ دل کو سیاہ کر دیتا ہے۔ جب دل سیاہ ہو جائے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے' جیسے کہ وہ زمین جس میں خس و خاشاک بہت پیدا ہو تخم قبول نہیں کرتی تو کہتے ہیں کہ یہ زمین مردہ ہے۔

لیکن جب دل سے دنیا کا تعلق زائل ہو جائے اور اس میں سے ہوائے نفس دور ہو جائے اور بندہ اپنے وقت میں پیوستہ ذکر و تلاوت میں مصروف رہے تو وہ دل نور ذکر سے زندہ ہو جاتا ہے۔ پس اس راستے میں اصل کام صلاحیت دل ہے اور صلاحیت دل اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ آدمی اپنے باطن کو مذمومات سے کلی طور پر پاک نہ کرے مثلاً غل و غش و حقد و حسد و حرص و کبر و بغض و ریا وغیرہ اور ان مذمومات و خباثت سے خلاصی پانے کا طریقہ یہ ہے کہ قولاً" و فعلاً" و ظاہراً" و باطناً" تمام گناہوں سے اجتناب کرے اور صغائر و کبائر سے احتراز کرے' اسی طرح مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا ہے لایصیر المرید مریدا حتی لایکتب علیہ شئی صاحب الشمال عشرین سنۃ یعنی جب تک کہ بائیں ہاتھ کا فرشتہ کامل بیس سال تک بندہ کے نامہ اعمال میں کوئی بدی نہ لکھے وہ مرید نہیں ہوتا اور ترک معاصی کی صفت میسر نہیں ہوتی۔

لکھتے ہیں کہ نماز نیاز سے ہے اور نیاز خشیت سے ہے اور خشیت علم سے ہے اور علم سے مراد جاننا ہے' اور جو شخص کہ کرے اور کہے اور نہ جانے تو یہ عین جہل ہے اور جہل مانع قرب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تعلموا ماتقولون (ترجمہ = جو تم کہتے ہو اسے جاننا بھی چاہیے) کیونکہ زبان و دل کی ترجمان ہے اور دل مقام عیان میں ہے' پس جو کوئی نماز پڑھے اور اس کا دل کسی دوسری جگہ ہو تو نہ اس کا

دل عیاں میں ہوتا ہے نہ اس کی زبان گفتار میں اور نہ قالب کردار میں، جیسا کہ سید عالم علیہ السلام نے ایک غازی کو فرمایا قم فصل فانک لم تصل۔ (ترجمہ = اٹھ اور نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی) مہتر عالمؑ کی نظر اس شخص پر پڑی جو نماز کا حق نہیں جانتا تھا۔ اس کو فرمایا کہ یہ کوئی نماز نہ تھی جو تو نے پڑھی۔ پھر ہم سر سخن کی طرف آتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دل کو ان پلیدیوں سے پاک کرے، وہ تمام شاخیں جو دل کو تباہ کرتی ہیں ان کی اصل ایک ہی ہے اور وہ دنیا کی دوستی ہے۔ حب الدنیا راس کل خطیئتا، (ترجمہ = دنیا کی محبت ہر غلطی کی جڑ ہے) اور دنیا کی دوستی دل سے نہیں نکلتی مگر خلوت و عزلت سے اور مشائخ نے کہا ہے کہ راہ حقیقت میں پہلا قدم خلوت ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ خلوت اختیار کرنے کے لیے دس باتوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ آدمی کی خلوت صحیح ہو۔ اول علم ہونا چاہیے تاکہ اس کی خلوت صحیح ہوا ور وہ اس کے ذریعے حق کو باطل سے جدا کر سکے۔ دوسرے تمام اسباب دنیوی میں زہد ہونا چاہیے۔ تیسرے وہ شدت و محنت کو اپنی مرضی سے اختیار کرے نہ کہ راحت و نعمت سے ضرورت کے طور پر۔ چوتھے خلوت کو سلامتی کی خاطر اختیار کرے۔ پانچویں اس کی نظر عقبی کی طرف ہو۔ چھٹے وہ اپنے آپ کو سب لوگوں سے کمترین خیال کرے تاکہ لوگوں سے اپنی برائیاں دور کر سکے۔ ساتوین عمل میں سستی نہ کرے کیونکہ فراغت بمنزلہ بلا ہے۔ آٹھویں اپنی حالت پر تکبر نہ کرے۔ نویں خانہ دل کو فضول باتوں سے خالی کرے اور مرید کے لیے فضولی یہ ہے کہ وہ اپنی خوراک سے زیادہ بچا کر رکھے۔ دسویں خصلت یہ ہے کہ جو چیز بھی اس کو حق تعالیٰ سے باز رکھے اس سے قطع تعلق کرے..... اور تمام خلق سے پرہیز کرے، چنانچہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ بھی بمجرد طبیعت بیٹھے نہ کہ غلبہ شہوات سے، جب اس کو حق تعالیٰ کے لیے نیت ظاہر ہو اس وقت اس نیت کے حکم سے اپنے اہل و عیال کے ساتھ بیٹھے اور جلد اٹھ کر خلوت میں چلا جائے اور استغفار بہت کہے اور تضرع و زاری سے حضرت عزت جل جلالہ کے پاس واپس جائے اور اس نشست کے لیے حق تعالیٰ سے بخشش کا طلبہ گار ہو کیونکہ اگرچہ اہل و عیال کے

ساتھ بیٹھنا مجرد عبادت ہے۔ لیکن حسنات الابرار سیات المقربین' اپنے حسب حال اس شخص کے لیے گناہ ہے وھذا ذنب حالہ۔ خلوت وہی ہے کہ حق کے سوا دل کے اندر کوئی غیر نہ رہے اور بندہ اپنے وقت حال کا مراقب ہو۔

پس مرید کو چاہیے کہ وہ مراقب وقت اور اپنے اوقات کا پاسبان ہو اور ماسوائے حق کے ہر چیز کو دل سے دور کرے اور لوگوں کی صحبت کو اپنے اوپر حرام کرے اور اگر اس کو خدای تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ موانست نہ ہو تو وہ خدای تعالیٰ کی بو بھی نہ پا سکے گا' اور مرید کے لیے لازم ہے کہ وہ علم شریعت اور علم توحید کا عالم ہو تاکہ وہ علم کے ساتھ عمل کرے اور علم اس کا رہبر ہو تاکہ شیطان اس کی طرف دست دراز نہ کرے کیونکہ عمل بے علم کی کوئی اصل نہیں ونعوذ باللہ منہا من عمل بلا علم و علم بنا عمل' (ترجمہ = ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں بغیر جانے ہوئے عمل سے اور بغیر عمل کے علم سے) لیکن بندہ کو چاہیے کہ وہ اپنے خداوند کا مخلص ہو اور خدا تعالیٰ کی طلب میں بحسب نیت صادق ہو تاکہ حق تعالیٰ اس کے یقین کو مزید کرے....

آگے لکھتے ہیں کہ اگر مراقبہ میں حدیث نفس کا غلبہ ہو تو سو جائے کیونکہ عالم کا سونا اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے' نوم العالم عبادۃ اور وہ یہ ہے کہ خدای تعالیٰ کے لیے سوئے اور عالم کا سونا دوسروں کی بیداری سے اچھا ہے۔ مرید کو چاہیے کہ ذکر زباں اور اعمال جوارح کی پابندی کرے اور ہمیشہ طاعت و عبادت میں رہے اور کسی فتور و قصور کو اپنی طرف راہ نہ دے اور اگر قرآن مجید کی تلاوت کرے تو اتنا پڑھے اور اس طرح پڑھے کہ حدیث نفس کے بجائے قرآن کے معانی سننے لگے' اور اگر قرآن پڑھنے میں کچھ دیر آرام کرے تو تفکر کرے کہ تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ' (ترجمہ = ایک گھنٹے کی سوچ بچار سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے) اور تفکر خلق میں کرے نہ کہ خالق میں' اور اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور نعمتوں اور آسمان و زمین و بہشت و دوزخ کی آفرینش میں تفکر کرے اور جو کچھ اس کے سوا ہو اس سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ وہ حدیث نفس ہے۔

ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جب بندہ کی ارادت حق تعالیٰ کے ساتھ قوی ہو

جاتی ہے تو حق تعالیٰ اس کے نفس کو بینا کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی حرکات و سکنات نفسانی نہیں رہتیں۔ اور وہ تمام ربانی ہو جاتا ہے۔ جب بندہ ربانی ہو جاتا ہے اور نفسانی نہیں رہتا تو خدای تعالیٰ کی نگہداشت میں آ جاتا ہے اور مرحوم و مغفور ہو جاتا ہے' اور جب بندہ اس مقام عالی میں پہنچتا ہے تو امید ہوتی ہے کہ باری تعالیٰ اس کو دل کے مقصود و منتہی پر پہنچا دے گا۔"

پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم لکھتے ہیں "اوراد میں فرماتے ہیں : راحت و آسائش کا دروازہ اپنے آپ پر بند کرنا چاہیے خلقت کی مدح و ذم سے بے نیاز ہو جانا چاہیے۔ خدا سے خدا کے سوا کچھ نہ مانگنا چاہیے 'گفتگو کم کرو' بے فائدہ علم نہ پڑھو ایسا نہ ہو کہ حیلہ جو اور رخصت طلب بن جاؤ تقسیم اوقات اس طرح سے کرو کہ صبح کا وقت بیکار نہ کھویا جائے اللہ ہمیں اور تمہیں غافلوں کی نیند سے بیدار کرے ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"(۱۲)

ملفوظی اہمیت کے ان متفرق اقوال کے علاوہ صوفیانہ رنگ کی فقہی تصنیف "کتاب الاوراد" میں بھی صوفیانہ تعلیمات کے واضح اصول ملتے ہیں۔ چند اقتباسات(۱۳) کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے: "شیخ کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مشائخ سلف رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو طریقہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع پر استقامت کا ہے۔ اس کا پہلا مرتبہ' متابعت میں قدم رکھنا بعداز صحت توبہ کے' رسول اللہ ﷺ کے اعمال کی (کامل) اتباع میں ہے۔ دوسرا مرتبہ' رسول اللہ ﷺ کے اخلاق (حمیدہ) کی اتباع میں ہے۔ تیسرا مرتبہ' ان احوال کا حصول ہے۔ جیسے احوال رسول اللہ ﷺ کے ہیں۔ اور بالاخر استقامت احوال پر ہے اور وہ صفت روح کی ہے۔ اخلاق' دل کی صفت اور اعمال دیگر اعضاء کی صفت ہے۔ اور احوال پر استقامت سعادتوں کی انتہائی حد ہے۔ مگر اس کا حصول اخلاق پر استقامت کے بغیر ممکن نہیں۔" اور اخلاق پر استقامت بغیر اعمال پر استقامت میسر نہیں ہو سکتی۔" لہٰذا اعمال کی نسبت اخلاق سے ایسے ہے جیسے کہ وضو سے استنجا کی نسبت ہے (استنجا ضروری ہے)۔ اور اخلاق کی نسبت احوال سے ایسے ہے جیسے نماز کے لیے وضو کا ہونا۔ اور اعمال پر متابعت یہ ہے کہ قول و فعل سے اعضاء کو بری باتوں

سے روک کر رکھے یعنی گفت و شنید بند کرے اور دنیا کی ہر اس چیز سے نگاہیں پھیر لے جو اسے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مخلوق سے انقطاع کلی کر کے گوشہ نشین نہ ہو جائے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ بغیر خاموشی کے توبہ درست نہیں ہوتی اور بغیر گوشہ تنہائی کے صحیح خاموشی میسر نہیں۔ پس سچے آدمی کو چاہیے کہ خلوت و عزلت یعنی گوشہ تنہائی اختیار کرے۔ شب بیداری کو اپنائے' کم کھائے اور طہارت و پاکیزگی کو لازم کرے۔ ہمیشہ قبلہ رو بیٹھیں۔ نماز یا تلاوت قرآن یا لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرتے رہیں اور نماز ترک نہ ہو۔ اور جب ان سب امور سے طبیعت گھبرا (اکتا) جائے تو مراقبہ کر لیا جائے اور مراقبہ وہ ہوتا ہے کہ دل کو یقین ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے مافی الضمیر کو جانتا ہے اور اگر مراقبہ نہ کر سکے تو سونے سے گریز کرے۔ اور مراقبہ کا درست ہونا یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی یاد کے سوا دل میں کسی چیز کا خیال نہ ہو۔ حق تعالیٰ سے ایسی دوستی رکھے کہ نماز باجماعت فوت نہ ہونے دے اور اگر باہر آنے میں تفرقہ یا کسی برائی کا اندیشہ ہو تو کسی کو بلا لے اور فریضہ نماز باجماعت کو فوت نہ ہونے دے۔ جب اعمال پر استقامت حاصل ہو جائے تو سرور دو عالم ﷺ کے اخلاق پر متابعت کرے اور عادات قبیحہ اور بری خصلتوں سے اپنے نفس کو پاک کرے۔ موت کو زیادہ سے زیادہ یاد کرے تاکہ دنیا کی آرزوئیں اور امیدیں کم ہو جائیں اور دل آخرت کی طرف مائل ہو جائے۔

ذکر الٰہی کے نور سے حرص و حسد اور کذب و تساہل کم ہو جاتا ہے۔ اور ہر لحظہ تائید ایزدی سے نفس کی بری باتوں سے واقفیت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ تزکیہ نفس میں اس وقت تک کوشاں رہے جب تک کہ اس کا دل تمام بری صفات سے پاک نہ ہو جائے اور اس مقام پر پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ "تیرا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔" یہاں مزید بھی کئی باتیں کی جا سکتی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: "اے موسیٰ' تیرا دشمن تیرا نفس ہے پھر تیرا دشمن تیرا نفس ہی ہے۔ جب بری باتوں اور صفات قبیحہ

سے نفس پاک ہو جاتا ہے تو اس کے بعد دل میں وسعت اور کشادگی آ جاتی ہے۔ ان واردات کا قلب پر ظہور ہونا شروع ہو جاتا ہے جو وہبی ہیں۔ اس کا دل اللہ تبارک و تعالیٰ و سبحانہ کے نور سے منور ہو جاتا ہے اور وہ دروازہ عزت والا ہے۔ اور اس جگہ بھی کافی باتیں ہیں مگر زیادہ گفتگو لاحاصل ہے جو کی جائے اور وہ راست نہ آئے۔ "جنت کے رہنے والوں کو جنت مبارک ہو۔"

پس چاہیے کہ کوشش کرے کہ اس کے کاموں کی بنیاد اساس شریعت پر مضبوط ہو جو کہ اس کے کام جدوجہد مضبوط تر اور اس کے حال کی نہایت بلند تر ہو اور اس جگہ فرماتے ہیں۔ نہایت کیا ہے؟ فرمایا اپنی ابتدا کی طرف رجوع کرنا یا پلٹنا۔ پھر فرمایا کہ حق تعالیٰ کے حضور میں التجا کرے اور اس کی امداد چاہیے اور نہ تو کوئی کام کرے اور نہ ہی کوئی بات کرے مگر صرف اللہ تعالیٰ کیلئے۔ تاکہ اس برکت کا حصول ہو۔ جو اپنے قول و فعل کو خدا تعالیٰ سے مربوط کرنے پر ہوتا ہے۔ جو کہ ایک روز اللہ تبارک و تعالیٰ کی معیت میں بیٹھے پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہو۔ اور تمام عمر تک اس کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مشغول رہنے کا دائمی ذوق مل جائے۔ اور جو کچھ اس کے سوا ہو اس کو جلا دے۔ چاہیے کہ جو کچھ کرے اس کے لیے کرے تاکہ وہ خزانوں کے پالے اور اپنے اوپر آسائش و راحت کے دروازے بند کرے اور مخلوق کی طرف سے اپنی تعریف اور تنقیص کے معاملہ میں بے نیاز ہو جائے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے اس کا بدلہ نہ طلب کرے اور گفتگو کو کم کرے اور ان علوم کو نہ پڑھے جو نفع بخش نہ ہو تاکہ اس کا نفس حیلہ سازی اور رخصت طلب نہ کرے۔ اور اپنے وقت کو پراگندہ کرنے والا نہ ہو اس کی جرات کسی بھی زمانے میں اس کو راہ نہ دے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں غافلوں کی نیند سے بچائے۔ اور نہیں کوئی قوت اور نہ ہی کوئی طاقت ہے۔ مگر ساتھ بلند و بزرگ اللہ تعالیٰ کے۔

نوٹ: پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے جس قلمی نسخے "الاوارد" کو دیکھا تھا وہ اس نسخہ سے مختلف ہے جو نسخہ شائع ہو کر بازار میں آ چکا ہے۔ مثلاً نیچے دی گئی مناجات کا ذکر شائع شدہ کتاب "الاوراد" میں نہیں ہے جبکہ پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے

اپنے مقالے میں یہ حصے بھی درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"واقل تہجد چہار رکعت است و اکثر آں قدر کہ تواند' پس ہر دو گانہ اندک می نشیند چند بار تسبیح و استغفار و صلوت گوید' بعد انفراغ ایں مناجات خواند۔

مناجات

بادشاہا! بنظر رضا و رحمت بمانگر! خداوند! ظاہر و باطن مارا در طلب رضائے خود جمع دار! تفرقہ و پریشانی و سرگردانی از راہ ما و از راہ ہمہ مسلماناں بدور دار! عفو و عافیت را قرین وقت ما کن! عنایت و رعایت را سابق و قائد ماگردان! مارا بدست تفرقہ ما بازمدہ! مارا بما باز مگذار! مارا بر ما مگمار! مارا از شرما نگاہدار! کارما و کار آں ہمہ مسلماناں در عافیت و در رضائے خود باصلاح آر! کردۂ مارا درگذار و آیندہ رانگاہدار! ہرچہ بہ بندہ بخشی دہی' بارضائے خویش قرینی بخش! مارا بقہر خود مخزول مکن! مارا بدون خود مشغول مکن! مارا از یاد خود معزول مگردان! اگر پرسی حجتی ندارم واگر بسوزی طاقت نیارم' از بندہ خطا و زلت است و از توہمہ عطا و رحمت' ای قدیم لم یزل و ای عزیز بی بدل اللھم اصلحنا و الصح فساد قلوبنا (الخ)

(اردو ترجمہ) اور کم از کم تہجد کی چار رکعت ہیں اور جس قدر طاقت ہو۔ زیادہ کرے۔ پس ہر دو رکعت کے بعد تھوڑا سا بیٹھے چند بار تسبیح و استغفار اور صلوا ۃ و سلام کہے ان امور سے فارغ ہونے کے بعد یہ مناجات پڑھے۔

مناجات

اے مالک! اپنی رضا و رحمت کی نظر سے مجھے دیکھ۔ اے میرے خدا میرے ظاہر و باطن کو اپنی رضا کا طالب بنا کے رکھ۔ تفرقہ و پریشانی اور حیرانی و سرگردانی مجھ سے اور تمام مسلمانوں سے دور رکھ۔ بخشش و عافیت کو ہمارے قریب فرما۔ ہمارے پچھلوں اور اگلوں پر اپنی عنایت اور رعایت کا رخ پھیر۔ ہمیں ہمارے

تفرقوں سے نجات دے۔ ہمیں ہماری پہلی حالت پر نہ چھوڑ۔ ہمیں ہمارے حال پر نہ چھوڑ۔ ہمیں ہماری شرانگیزیوں سے محفوظ رکھ۔ ہمارے اور تمام مسلمانوں کے کاموں کو عافیت اور اپنی رضا کے مطابق درستی فرما۔ جو کچھ ہم کر چکے ہیں اسے معاف فرما اور آئندہ کیلئے محفوظ رکھ۔ جو کچھ تو بندے کو دینا چاہتا ہے اپنی رضا کی قربت عطا فرما۔ ہمیں اپنے غضب کی زد میں لا کر ذلیل نہ کر۔ ہمیں سوائے اپنے اور کسی کام میں مشغول نہ ہونے دے۔ ہمیں اپنی یاد سے علیحدہ نہ کر۔ اگر تو پوچھے تو میں کوئی حجت اور دلیل نہیں رکھتا اور اگر تو آگ میں جلا دے تو میں بچنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بندہ سے خطا اور ذلت کا صدور ہوتا ہے اور تجھ سے تمام تر عطائیں اور رحمتیں ملتی ہیں۔ اے ہمیشہ سے قدیم اور بے مثل قوت اور غلبے والے۔ یا اللہ ہماری اصلاح فرما اور ہمارے دلوں کے فسادانیت کو درست فرما۔

سید محمد اولاد گیلانی اپنی کتاب "اولیائے ملتان" میں بتاتے ہیں کہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی نظر میں علم، فقیر، صوفی اور عارف کے معنی کیا ہیں؟

علم کے معنی

آپ علم حاصل کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ ان کے نقطہ نظر سے علم کے معنی پہچان کے ہیں۔ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک اللہ کی بارگاہ میں درجات اور مراتب حاصل کرتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ وہ علم حاصل کر کے اس پر عمل بھی کرے۔ پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ علم خداوند کریم اور علم مخلوق۔

آپ نے فرمایا کہ خدا کے علم کے آگے تمام علوم ہیچ ہیں کیونکہ رب اکبر دانا و بینا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے بندے کا علم خداوند کریم کی پہچان ہے۔ بندگان خدا کو ایسا علم زیب دیتا ہے جو ان کے ظاہر و باطن کے لیے مفید ہو۔ جس کا پہلا جز اصولی علم (یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور باطن میں معرفت حق کی تحقیق کرنا) دوسرا جزو فروعی (یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کیلئے صحیح نیت کا رکھنا ہے) علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے علم حقیقت کے تین حصے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم (یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ نہ تو کسی

مکان میں ہے۔ اور نہ کسی جہت میں۔ نہ اس کے کوئی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی مثال ہے۔) دوسرا حصہ خداوند کریم کی صفات کا علم (یعنی وہ عالم الغیب ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے' دیکھتا' سنتا ہے) اور تیسرا حصہ خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم (وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے) گویا علم کی نوعیت دو حصوں پر ہے۔ پہلا علم گویا خدا کا علم ہے اور دوسرا خدا کی طرف سے بندوں کو عطا کیا ہوا علم ہے۔

فقیر' صوفی اور عارف

آپ نے ان کا تجزیہ اس طرح کیا ہے: "فقیر" کی تعریف یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا میں راضی ہو' چاہے اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ دنیا کے مال و زر سے بے نیاز ہو۔ مال ہو تو راہ حق میں خرچ کرنے کیلئے ہو اور نہ ہو تو شکر و قناعت میں پر تکیہ ہو دینا کے مال و متاع سے دور رہے۔ فقیر جس قدر دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اسی قدر اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار کی روشنی سے وابستہ ہوتی ہے۔ فقیر رضائے الٰہی کی خاطر دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ فقیر کے فقر و توکل کو دنیا کی کوئی شے شکست نہیں دے سکتی اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں سما نہیں سکتی۔ فقیر سے قربت الٰہی کے دروازے کھلتے ہیں۔ فقیر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے۔

"صوفی" وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک و صاف ہو' کیونکہ تصوف باب تفعل سے ہے جس کا خاصہ تکلف ہے یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے۔ صوفی اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کے جلووں سے بقا حاصل کرتا ہے اور اپنے نفس کو مار کر حقیقت کی طرف توجہ کرتا ہے اور ذات سے وصل کا خواہش مند ہوتا ہے جو اس کی آخری منزل ہے۔

صوفی کے بعد "عارف" کا درجہ آتا ہے۔ عارف عشق الٰہی میں کھو کر اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے اس کی قدرت کے جلوؤں میں محو و متحیر رہتا ہے۔ عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ تو وہ اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اگر فرشتے بھی اس سے مخاطب ہوں تو وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ عارف کی عالم

سکوت رب اکبر کی بارگاہ تک رسائی ہوتی ہے۔ اللہ کے مقربین پر اس کی نظر رہتی ہے اور وہ ان کی حرکات و سکنات کو دیکھ کر ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے۔

راہ عرفان میں ایک ایسی منزل آتی ہے۔ کہ جب عارف قدم اٹھاتا ہے تو وہ عرش سے حجاب عظمت تک اور وہاں سے آگے بڑھتا ہے تو حجاب کبریائی تک پہنچ جاتا ہے اور دوسرے قدم میں واپس آ جاتا ہے۔ یہ راز خدا ہی جانتا ہے۔ عارف کی خواہشات کے مطابق ہر کام انجام پاتا ہے۔ عارف کا سب سے کم تر درجہ یہ ہے کہ اس میں صفات الٰہی کا ظہور ہو۔ عارف سے اکثر و بیشتر کرامتیں ظہور میں آتی ہیں۔ عارف خاموش رہتا ہے تو گویا خدا سے باتیں کرتا ہے' اور جب وہ آنکھیں بند کرتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس وقت تک آنکھ نہ کھولے جب تک صور اسرافیل کی آواز اس کے کان تک نہ پہنچ جائے۔

عارف گریہ کرتا ہے لیکن جب اس کو قربت خداوندی نصیب ہوتی ہے تو وہ گریہ بند کر دیتا ہے۔ عارف خدا کا دوست اور دنیا کا دشمن ہوتا ہے عارف، وہ ہے جو دم حاصل کرے اور جب یہ دم حاصل ہو جائے تو پھر زمین و آسمان کے بیچ میں اس کو نہ پائے۔ عارف کا دم ذکر خدا ہے۔ عارف وہ ہے جو صبح کو اٹھے تو رات یاد نہ کرے۔ عارف محبت میں کامل ہوتا ہے اور جب وہ اپنے محبوب سے گفتگو کرتا ہے تو وہ ہوتا ہے یا اس کا دوست۔

متفرق

حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی کے ملفوظات میں علم و معارف کے موتی دستیاب ہوتے ہیں۔ آپ نے عاشق کی آہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "چوں صاحب محبت از سینہ خود آہ زند آتش عشق جھنگی دنیا و آنچہ در دنیا

است ناچیز گرداند و خاکستر سازد۔" (۱۷)

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:

"عشق آتش است کہ کثافت ہارا خاکستر می گرداند۔" (۱۸)

زہد کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

"زہد سہ حرف است' اول "ز" کہ مراد ازاں ترک زیب و زینت دنیاست' دوم "ھ" کہ عبارت است از ترک ہوا و ہوس' سوم "د" کہ در گزر کردن از دنیا و دولت مطلوب است۔"(۱۹)

ایک اور موقع پر فرمایا:

"سہ چیز موجب ہلاکت انسان می تواند باشد۔ اول "ارتکاب گناہ بر امید توبہ" دوم "توبہ نہ کردن برامید درازی حیات' سوم "گناہ بزرگ خود را بہ امید عفو و بخشش ناچیز گرداندن۔"(۲۰)

اسی طرح ارشاد فرمایا۔

"ترس از خدا چراغ قلب انساں است' اگر این نباشد انسان در تیرگی ظاہری و باطنی بسرمی برد۔"(۲۰)

○

حواشی

۱۔ مقالات مولوی محمد شفیع جلد پنجم مرتب احمد ربانی، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۳۱۔

۲۔ حدیقۃ الاولیاء (حواشی) مفتی غلام سرور لاہوری، طبع لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۴۶، ۱۴۷۔

۳۔ وصایا شیخ شہاب الدین سہروردی۔ انتخاب و ترجمہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی، المعارف لاہور ۱۹۸۳ء، ص ۴۳، ۴۴۔

۴۔ "تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ" ص ۲۹۱۔

۵۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ ص ۲۹۲۔

۶۔ اخبار الاخیار ص ۶۵، ۶۴۔

۷۔ اخبار الصالحین ص ۲۹۸۔

۸۔ سیر العارفین ص ۱۶۸، فوائد الفواد ص ۹۲۔

۹۔ سیر العارفین ص ۱۶۸، فوائد الفواد ص ۲۸۱۔

۱۰۔ پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع بحوالہ "اولیائے ملتان" ص ۱۷۱ تا ۱۶۶۔

۱۱۔ مقالات، دینی و علمی حصہ اول۔

۱۲۔ الاوراد ص ۲۱ تا ۲۵، اولیائے ملتان ص ۱۵۸ تا ۱۶۰ (متن فارسی)

۱۳۔ خلاصۃ العارفین مرتبہ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی ص ۴۰، ۴۱۔

○

بارھواں باب

رحلت شیخ الاسلام

وفات

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ سے روایت(ا) ہے کہ وفات کے روز آپ اپنے حجرہ میں بیاد الٰہی مشغول تھے اور آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارفؒ دروازہ پر تھے کہ ایک شخص نورانی صورت ایک سربمہر نامہ (خط) ہاتھ میں لئے ہوئے آیا اور حضرت شیخ صدرالدین کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہ نامہ سربمہر حضرت مخدوم صاحب کی خدمت میں پہنچا دو۔ حضرت شیخ صدرالدین عنوان نامہ پر نظر کر کے متحیر و متغیر ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس خط پر یہ کلمات تھے: "ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ" (الفجر: ۲۸) حجرے میں حاضر ہو کر نامہ مذکور آپ کے دست مبارک میں دیا' اور باہر آئے تو قاصد کو غائب پایا۔ اس نامہ کو پڑھتے ہی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ فردوس بریں کو سدھارے۔ حجرہ سے آواز آئی "وصل الحبیب الی الحبیب" (دوست بدوست رسید) یعنی دوست دوست سے جا ملا۔ حضرت شیخ صدرالدین یہ آواز سنتے ہی دوڑتے ہوئے حجرہ میں گئے۔ دیکھا کہ آپ عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

غائبانہ نماز جنازہ

"مراۃ الاسرار" اور "راحت القلوب" ص ۳۳) میں ہے کہ جس وقت حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کا وصال ہوا اسی وقت اجودھن (پاکپتن) میں حضر بابا فرید گنج شکرؒ بیہوش ہو گئے۔ بڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو فرمایا: "برادرم بہاء الدین زکریاؒ را ازیں بیابان فنا بہ شہرستان بقا بردند۔" "خزینۃ الاصفیاء" (ص ۳۰۰۔ ۲۹۹) میں حضرت بابا گنج شکرؒ کا بیان اس طرح کا ہے: "امروز برادرم شیخ بہاء الدین

بخدا پیوست، ہمیں زماں دیدم کہ ہزار فرشتہ پیش و شیخ شہاب الدین سہروردی در پس شیخ بہاء الدین رادرمیان گرفتہ وسوئے آسمان برند" (ترجمہ = آج برادرم بہاء الدین کا وصال ہو گیا۔ میں نے ابھی ابھی دیکھا ہے کہ ایک ہزار فرشتے ان کے آگے اور شیخ شہاب الدین سہروردی ان کے پیچھے ہیں اور شیخ بہاء الدین کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔" اور پھر اٹھ کر مریدوں کے ساتھ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

آپ کے سال وفات میں بھی اختلاف ہے۔ "راحت القلوب" میں ۶۵۶ھ اور "اخبار الاخیار"" "اخبار سہروردیہ" اور "تذکرہ علمائے ہند" میں ۶۶۱ھ "آئین اکبری"" "اذکار ابرار" اور "مراۃ الاسرار" میں ۶۶۵ھ "سفینۃ الاولیاء"" "تاریخ فرشتہ"" "معارج الولائیت"" "مخبرالواصلین"" "نزہتہ الخواطر" اور "مسالک السالکین" میں ۶۶۶ھ ہے۔ "تاریخ فرشتہ" کے سوا سب تذکرہ نگار یوم وصال کے بارے میں ۷ صفر روز پنجشنبہ پر متفق ہیں۔ فرشتہ نے ۱۷ صفر لکھا ہے۔ مراۃ الاسرار میں دہم صفر درج ہے۔ "انوار غوثیہ" میں لکھا ہے "بقول بعض بروز جمعرات ۶ شوال ۶۶۶ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔" آپ کی درگاہ معلی پر تاریخ وفات ۷ صفر ۶۶۱ھ مرقوم ہے۔ مخدوم سید جلال بخاریؒ جو آپ کے مرید، مصاحب اور خلیفہ اعظم تھے، کا بیان ہے کہ یہ واقعہ ۷ صفر ۶۶۱ھ بروز منگل کو ہوا۔ یہ یاد رہے کہ آپ کی وفات بہ عہد سلطان غیاث الدین بلبن ہوئی۔ آپ کی عمر تقریباً" ۹۵ سال سے زائد بنتی ہے۔

نور احمد(۲) فریدی کا کہنا ہے کہ شیخ عمر عمودیؒ نے آپ کو آخری غسل دیا اور حضرت صدرالدین عارفؒ کی امامت میں لاکھوں آدمیوں نے جنازہ ادا کی گئی۔ "انوار غوثیہ" میں مرقوم ہے: "آپ نے وفات سے پہلے مولانا صدرالدین عارفؒ کو وصیت کی تھی کہ میرے جنازے کی نماز آپ ہی پڑھائیں۔ اور اگر کوئی اور شخص بھی پڑھاوے تو اس کو منع نہ کرنا۔ چنانچہ آپ کا جنازہ جب تیار ہوا۔ کم و بیش ستر ہزار آدمی تھے اکثر ان میں اولیائے اللہ اور بزرگان وقت تھے۔ صف باندھے ہوئے کھڑے تھے کہ اتنے میں ایک درویش صفا کیش جو ایرانی الاصل معلوم ہوتے تھے آگے بڑھے اور انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حضرت

(شرف الدین) مصلح الدین سعدی شیرازیؒ تھے جو آپ کے پیر بھائی تھے۔ ان کو بھی حضرت شیخ المشائخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے فیض حاصل ہوا تھا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سعدی علیہ الرحمتہ بہت روز ملتان شریف میں مقیم رہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک نسخہ گلستان اور بوستان کا حضرت صدرالدین عارفؒ کو لکھ کر دیا۔" (۳) ان واقعات کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ خود صاحب "انوار غوثیہ" اسی صفحہ (۱۱۶) پر لکھتے ہیں کہ یہ حکایت قلمی کتابوں میں نہیں ملتی۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین نے پڑھائی اور آپ کو قلعہ ملتان میں دفن کیا گیا۔ یہ وہ مقام ہے جس جگہ آپ اپنی تمام عمر عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ پاس ہی وہ چبوترہ ہے جس پر ہر روز آپ وعظ فرمایا کرتے تھے۔

مزار مبارک

ملتان مین آپ کا مزار گوہربار زیارت گاہ خلائق ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

لوہاری گیٹ سے قلعہ کے اندر جایں تو آپ کے مقبرے سے پہلے آپ کے عظیم پوتے حضرت رکن الدین عالمؒ کا مقبرہ ہے۔ ملتان میں حضرت شاہ رکن عالمؒ کا مقبرہ فن تعمیر کے لحاظ سے ایک عجوبہ ہے۔ "یہ مزار پرانے قلعے کے انتہائی بلند مقام سے بھی ایک سو پندرہ فٹ اونچا ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ "مرنے والون کے احترام میں جو بہترین یادگاریں قائم ہوئی ہیں۔" یہ بھی ان میں شامل ہے۔ ۱۳۲۰ء کے قریب یہ مقبرہ سلطان غیاث الدین تغلق بادشاہ دہلی نے دراصل اپنے لیے بنوایا تھا۔ یہ اس برعظیم میں ہشت پہلو ایرانی طرز تعمیر کا اولین نمونہ ہے۔ مقبرے کی عمارت درجہ بہ درجہ تین منزلوں میں ایک پست گنبد تک بلند ہوتی ہے۔ اس کی دیواریں رنگین، خشتی منبت کاری اور لکڑی کے کام سے مزین ہیں۔ پورے پاکستان میں اس زیادہ نادر کوئی عمارت نہیں ہے۔" (ثقافت پاکستان ص ٦٦)

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا بلند بالا اور نظر نواز مقبرہ ملتان کے قلعہ کہنہ پر بنا ہوا ہے اور ہر آنے والے کو اسلامی فن تعمیر کی عظمت کی یاد دلاتا ہے۔ مقبرہ چہار پہلو مربع ہے جس کی پیائش ۵۱ فٹ ۹ انچ ہے۔ اور نو فٹ کے آثار تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کے اوپر ہشت پہلو ہو جاتا ہے۔ اور سب سے اوپر نیم گول گنبد ہے۔ مقبرے کا اندرونی حصہ نیچے چہار پہلو ہے پھر اسے آٹھ پہلو میں تبدیل کیا گیا پھر اسے گول شکل دینے کیلئے سولہ پہلو اور پھر سولہ کو بتیس پہلو میں تبدیل کیا گیا۔ مقبرے کے اندر ملتانی چینی اور نقاشی کا کام قابل دید ہے۔ مقبرے کی بیرونی دیواریں مصفی خشت کاری (and dressed brick work Cut) سے بنائی گئی تھیں۔ احاطے کی چار دیواری تقریباً ایک ہزار فٹ لمبی ہے۔ مقبرے کے جنوبی دروازے کی چوکھٹ کندہ کاری کا بہترین نمونہ ہے۔ مقبرے کی دوسری منزل بھی مصفحہ خشت کاری سے بنائی گئی۔ اس منزل کے ہر سائیڈ کے روشن دان کے گرد ایک کاشی ٹائلوں کا خوبصورت بارڈر ہے۔ گنبد پر قلعی کا پکا پلستر کیا گیا ہے۔ گنبد کے گردنے پر کاشی ٹائلوں کی ایک پٹی دی گئی ہے۔ مقبرے کے اندر لکڑی کے عمودی تھلے ہیں جن پر کندہ کاری کی گئی۔ مقبرے کے اندرونی جنوب مشرقی اور شمال مشرقی کونے میں غالب کاری (Stalactite work) کا کام کیا گیا ہے۔ مقبرے کا اصل فرش فیروزی رنگ کی روغنی اینٹوں سے بنا تھا۔ جسے حوادث زمانہ نے مٹا دیا بلکہ مزار خستہ حال ہو گیا تھا۔ حکومت پاکستان نے اس مقبرے کی مرمت و درستی حالی کا کام ۱۹۷۶ء سے شروع کیا۔ اور تمام کام اصل کے مطابق کیا گیا ہے۔ کندہ کاری اور منت کاری کا اصل کام بحال کر دیا گیا ہے۔ مقبرے کی مرمت کا کافی کام مکمل ہو چکا ہے۔

"تواریخ ضلع ملتان" اور "ملتان گزیٹیر" کے بیان کے مطابق "حضرت شیخ الاسلام نے اپنا مقبرہ (اپنی زندگی میں) خود تعمیر کرایا تھا۔ برصغیر پاک و ہند میں اس دور کے طرز تعمیر کا دوسرا نمونہ صرف ایک اور ہے جو سونی پت میں ہے۔ روضہ کے اندر آپ کے فرزند اور خلیفہ شیخ صدر الدین عارفؒ اور اسی خاندان کے اور افراد کی قبریں بھی ہیں۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین" (۳)

پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع (مرحوم) تحریر فرماتے ہیں: "سلطانہ رضیہ نے آپ کی خانقاہ کے لیے بہت سے گاؤں دیئے۔ بعد کے زمانے میں محمد تغلق نے بھی خانقاہ اور روضے کے متولیوں کی جاگیریں عطا کیں۔" (۴) (مزار کی) عمارت کا نیچے کا حصہ مربع (۹-۵۱) ہے اس کے اوپر ہشت پہلو عمارت ہے جن کی بلندی مربع لمبائی کا نصف ہے۔ اور اس کے اوپر نصف دائرے کی شکل کا گول گنبد (نیم کروی گنبد) ہے جسے چینی کی خوبصورت کاشی سے مزین کیا گیا ہے۔ "مشرقی رخ کاشی کار ہے' باقی تین طرفوں پر کاشی کا کام اب باقی نہیں رہا۔ ۱۸۴۸ء میں جب انگریزوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا تو گولہ باری سے قلعہ کا میگزین اڑ گیا اور قلعے کی عمارتوں کو بہت نقصان پہنچا۔ چنانچہ اس مقبرہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا۔ مگر مخدوم شاہ محمود (سجادہ نشین) نے چندہ کر کے مرمت کرا دی۔ اسی زمانے میں دیوان مول راج صوبے دار ملتان نے بیان کیا کہ قدیم الایام سے بعہد سلاطین و حکام دیگر دستور تھا کہ جب سرکار سے نیا صوبے دار متعین ہو کر ملتان آتا تو صوبہ دار معزول اور صوبہ دار منصوب خانقاہ جناب شیخ بہاء الحقؒ پر حاضر ہوتے۔ اور کلید قلعہ نئے صوبہ دار کو وہاں دی جاتی اور یہ امر طرفین کے لیے باعث برکت تصور ہوتا۔" (۷)

آپ کا مزار شریف ملتان میں مرجع خلائق ہے جہاں آج بھی دن رات انوار الٰہی کی بارش ہوتی ہے۔ اہل محبت جا کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اور فیوض و برکات سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

اولاد

حضرت شیخ بہاء الدین (بہاء الحق) زکریاؒ کے دو حرم تھے۔ رشیدہ بانو اور بی بی شہربانو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات فرزند دیئے۔ ان فرزندوں کے نام "اذکار ابرار" اور "تواریخ ضلع ملتان" میں دیئے گئے ہیں۔ شیخ صدرالدین عارفؒ، شیخ قطب الدین، شیخ شمس الدین (محمد)، شیخ شہاب الدین۔ شیخ علاء الدین (یحییٰ)، شیخ برہان الدین (احمد)۔ شیخ ضیاء الدین (حامد) "اذکار ابرار" میں شیخ قطب الدین اور شیخ شہاب الدین کے بجائے شیخ کمال الدین اور شیخ محبوب مجذوب کے نام دیئے

ہیں۔

مولانا نور احمد خاں فریدی تحریر فرماتے ہیں: "سیرت کی کتابوں میں حضرت شیخ الاسلامؒ) کی اولاد کی تاریخہائے ولادت درج نہیں ہے۔ شجرے جو سجادہ نشین صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں ان سے صرف ترتیب ولادت کا پتہ چلتا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔ اس سے ان کی عمروں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

نمبر شمار	نام فرزند ارجمند	نام والدہ ماجدہ
۱	شیخ صدر الدین عارفؒ	بی بی رشیدہ بانوؒ
۲	شیخ علاء الدین محمدؒ	" " "
۳	شیخ قدوۃ الدین محمد	بی بی شہربانوؒ
۴	شیخ شمس الدین محمد محبوب خداؒ	" " "
۵	شیخ شہاب الدین محمدؒ (انوری)	بی بی رشیدہ بانوؒ
٦	شیخ ضیاء الدین محمد	بی بی شہربانوؒ
۷	شیخ برہان الدین محمد	بی بی رشیدہ بانوؒ

شیخ ضیاء الدین اور شیخ برہان الدین کی اولاد نہیں ہوئی۔ باقی سارے صاحب اولاد تھے۔"(٦) شیخ شہاب الدین انوری کے لڑکے کا نام قطب الدین، شیخ شمس الدین کے لڑکوں کے نام مولانا بہاء الدین، مولانا عبدالقادر، مولانا نور الدین، شیخ قدوۃ الدین کے بیٹوں کے نام عالم الدین، نصیرالدین، مولانا نورالدین، شیخ علاؤالدین کے بیٹے کا نام شیخ جلال الدین اور شیخ صدر الدین عارف کے بیٹوں کے نام شیخ شمس الدین، شیخ رکن عالم نوری اور شیخ اسمٰعیل شہید ہیں۔

حضرت بہاء الدین زکریاؒ کی دو بیٹیاں نور بی بی اور سلطان بی بی المعروف بی بی فاطمہ، شہربانو کے بطن مبارک سے پیدا ہوئیں۔ نور بی بی کا نکاح فخرالدین عراقی سے کیا گیا۔ جس سے سید کبیرالدین عراقی تولد ہوئے جنھوں نے حضرت بہاء الدین زکریاؒ کی رہنمائی میں پرورش پائی اور آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر بڑے مرتبہ کو پہنچے۔ سلطان بی بی المعروف بی بی فاطمہ کی شادی خانہ آبادی سلطان حمید الدین حاکم سے کر دی۔ اس معصومہ سے سلطان حمید الدین حاکم کے سب سے بڑے

صاحبزادے شیخ نورالدین پیدا ہوئے جو "خاندان جلیلہ" کے مورث اعلیٰ ہیں۔
"رشیدہ بانو سے ایک صاحبزادی (عائشہ) تولد ہوئی تھی۔ اس معصومہ کا میر حسینی سے نکاح ہوا تھا۔ (آپ کے خاندان میں جو شجرہ متوارثا" چلا آتا ہے اس میں "حسین کاشفی رادادہ بودند" درج ہے۔ مگر حسین کاشفی اور بزرگ تھے۔ کاتب سے سہو ہوا ہے۔")(۴) اس کے بعد نور احمد خاں فریدی لکھتے ہیں۔ "صاحبزادیوں میں عائشہ بی بی بڑی تھیں۔"(۵)

حضرت شیخ الاسلامؒ نے صاحبزادوں کی تعلیم کے لئے بڑے نامور اساتذہ مقرر کر رکھے تھے۔ "جن کو انعام و اکرام سے نوازا کرتے تھے۔ ان پر بڑی نوازشیں کیں اور ان کے دامن میں سونا چاندی انڈیل دیا۔"(٦) نور احمد خاں فریدی رقم طراز ہیں: "حضرت قطب الاقطابؒ کے زمانے میں درس و تدریس کا کام آپ کے پوتوں نے سنبھال رکھا تھا۔ جن میں سے مولانا نورالدینؒ، علاء الدینؒ، مولانا عبدالقادرؒ، مولانا موسیٰؒ، مولانا ادریسؒ، مولانا محمد حسینؒ اور مولانا امام بخش خاص شہرت رکھتے تھے۔ اس درس کی اتنی دھوم تھی کہ مخدوم جہانیاں محض تحصیل علم کے لیے اچ سے ملتان تشریف لائے تھے۔"(۷)

شیخ صدرالدین عارفؒ

اولاد میں سے آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارفؒ آپ کی رحلت کے بعد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے اور شیخ الاسلام بھی بنائے گئے۔ "روایت ہے کہ جب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا وصال ہوا تو ترکہ پدری حسب شرع ساتوں بھائیوں میں تقسیم ہوا۔ حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ کو دوسرے اسباب اور سامان کے علاوہ سات لاکھ ٹنکے ورثہ میں ملے۔ انہوں نے اسی دن یہ سامان درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے والد صاحب کے پاس بہت زیادہ دولت تھی۔ اس کے باوجود وہ آہستہ آہستہ خرچ کرتے تھے۔ آپ نے کیوں یکبارگی سب ختم کر دیا اور ترک و تجرید کو اختیار کیا؟ حضرت شیخ صدرالدین نے جواب دیا کہ میرے والد بزرگوار ہمیشہ دنیا پر غالب رہے۔ اور اس

کو مغلوب کر کے خرچ کرتے تھے اس لیے مال و زر نے ان کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔ میں اگرچہ دنیا پر بیشتر غالب ہی ہوں لیکن کبھی میں اس کو مساوی بھی پاتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کسی وقت دنیا مجھ پر غالب نہ ہو جائے۔ اس خیال کے تحت میں نے سارا مال و زر خدا کی راہ میں خیرات کر کے اپنے دل کو مطمئن کر لیا ہے۔ اب کسی بات کا خطرہ نہیں رہا۔"(۸)

"حضرت مخدوم جہانیاںؒ(۹) فرماتے ہیں کہ شیخ صدرالدین عارفؒ کو ہر بار کلام اللہ پڑھنے میں دوہرے معنی ظاہر ہوتے تھے۔ علاوہ ان معانی کے جو پہلے ظاہر ہو چکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے والد محرم سے اجازت چاہی کہ وہ تمام معنی تحریر کریں جن کا اظہار ان پر ہوتا ہے۔ لیکن حضرت نوث العلمین نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: "کلام الٰہی کے ان رموز کو لوگ سمجھ نہیں سکیں گے۔ اور چونکہ یہ معانی بجائے خود درست ہوں گے اگر کسی نے انکار کر دیا تو گناہگار ہو گا۔ لوگ تمہیں بدنام کریں گے۔ لہٰذا اس ارادے سے باز رہو۔" اسی وجہ سے آپ کے نام صدرالدین کے ساتھ عارف بھی کہا جانے لگا۔

○

حواشی

۱۔ راحت القلوب ص ۳۳' فوائد الفواد ص ۳۱۵۔
۲۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ ص ۳۰۳۔
۳۔ انوار غوثیہ ص ۱۱۵' ۱۱۶۔
۴۔ اولیائے ملتان ص ۱۴۸۔ ۱۴۷۔
۵۔ مقالات' دینی و علمی حصہ اول ۲۶۳' ۲۶۲۔
۶۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ ص ۳۰۶۔
۷۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ ص ۳۰۶' ۳۰۷۔
۸۔ فوائد الفواد ص ۳۱۸۔
۹۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ ص ۳۰۷۔
۱۰۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۸۔
۱۱۔ ملفوظ المخدوم ص ۵۰۸۔

○

کتابیات

اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں جن کتابوں اور رسالوں سے لفظاً" و معناً" مدد لی گئی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

○ آب کوثر، شیخ محمد اکرام، فیروز سنز لاہور، ۱۹۵۲ء۔

○ آئین اکبری، ابوالفضل، ایڈیٹر سرسید احمد خاں دہلی، ۱۲۷۲ھ۔

○ آئینہ ملتان، منشی عبدالرحمٰن، مکتبہ اشرف المدارس ملتان، ۱۹۷۲ء۔

○ احوال و آثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و خلاصتہ العارفین، ڈاکٹر شمیم محمود زیدی، انتشارات مرکز تحقیقات فارس ایران، پاکستان ۱۹۷۴ء۔

○ اخبار الصالحین (حصہ اول)، عالیجناب نواب معشوق یار جنگ بہادر، اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد ۱۳۵۲ھ۔

○ اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (اردو ترجمہ مولانا سبحان محمود، مولانا محمد فاضل) مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

○ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد چہارم پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۱ء۔

○ اسرار الاولیاء، بدرالدین اسحاق (اردو ترجمہ) اللہ والے کی قومی دکان لاہور ۱۹۷۳ء۔

○ افضل الفواید۔ امیر خسرو (اردو ترجمہ) اللہ والے کی قومی دکان لاہور ۱۹۷۳ء۔

○ الاوراد۔ بہاء الدین زکریا ملتانی، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۸ء۔

○ الرسالتہ القشیریہ، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری، مصر ۱۳۰۴ھ۔

○ الشیخ عبدالقادر الگیلانی، یونس الشیخ ابراہیم السامرائی، بغداد۔

○ انوار اولیاء (کامل)، سید رئیس احمد جعفری، شیخ غلم علی لاہور ۱۹۷۸ء۔

○ انوار غوثیہ، مخدوم حسن بخش قریشی، کتب خانہ صابر ملتان ۱۹۰۹ء۔

○ اولیائے ملتان، سید محمد اولاد علی گیلانی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۶۴ء۔

○ برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء، قاضی جاوید، نگارشات لاہور ۱۹۸۶ء۔

- بزم صوفیہ، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین علی گڑھ، ۱۹۴۹ء۔
- بوستان غوثیہ، شاہ عبداللطیف قادری، دہلی ۱۹۰۱ء۔
- پنجاب کے صوفی دانشور، قاضی جاوید، شیخ غلام علی لاہور ۱۹۷۹ء۔
- تاریخ افکار و علوم اسلامی، راغب الطباخ ترجمہ افتخار احمد بلخی، مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۳ء۔
- تاریخ تصوف، یوسف سلیم چشتی، محکمہ اوقاف لاہور، ۱۹۷۶ء۔
- تاریخ جلیلہ، پیر غلام دستگیر نامی، لاہور، ۱۹۶۰ء۔
- تاریخ فرشتہ، محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ، نا لکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۴ء۔
- تاریخ سندھ، مولانا سید ابو ظفر ندوی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۴۷ء۔
- تاریخ ملتان (جلد اول) نور احمد فریدی، قصر الادب ملتان، ۱۹۷۱ء۔
- تاریخ ملتان، کرام الٰہی پدر، رہبر ایجنسی لاہور ۱۹۷۸ء۔
- تاریخ مشائخ چشت، خلیق احمد نظامی، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۳ء۔
- تاریخ نامہ ہرات، سیف بن محمد، کلکتہ ۱۹۴۳ء۔
- تاریخ معصومی، محمد معصوم بھکری، پونا ۱۹۳۸ء۔
- تحفتہ الکرام، علی شیر قانع تتوی حواشی امیر احمد، نبی بخش بلوچ، سندھی ادبی ورڈ کراچی ۱۹۵۹ء۔
- تذکرہ اولیائے جھنگ، بلال زبیری، جھنگ ادبی اکیڈیمی جھنگ، ۱۹۶۸ء۔
- تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، نور احمد خاں فریدی (پہلا ایڈیشن) قصر الادب بھگو والا ملتان، ۱۹۵۴ء۔
- " " " " (دوسرا ایڈیشن) علماء اکیڈیمی لاہور، ۱۹۸۰ء۔
- تذکرہ حضرت صدر الدین عارفؒ (جلد اول) نور احمد خاں فریدی، قصر الادب بھگو والا ملتان، ۱۹۵۷ء۔
- تذکرہ سادات گیلانیہ حجرویہ (جلد اول)، سید سعادت علی شاہ گیلانی، مکتبہ باب العلم لائل پور، ۱۹۵۴ء۔
- تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمان علی مرتبہ محمد ایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل

سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء۔

○ تذکرہ صوفیائے پنجاب' اعجاز الحق قدوسی' سلمان اکیڈمی کراچی' ۱۹۶۲ء۔

○ ثقافت پاکستان' شیخ محمد اکرام' ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی (س ن)

○ تصوف (ایک تجزیاتی مطالعہ)' ڈاکٹر عبیداللہ فراہی' ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ' ۱۹۹۱ء۔

○ حدیقتہ الاولیاء' مفتی غلام سرور لاہوری' اسلامک بک فاونڈیشن لاہور' ۱۹۷۶ء۔

○ جمھرۃ انساب العرب' محمد بن علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی' دارالمعارف قاہرہ ۱۹۸۲ء۔

○ خلاصتہ العارفین' اللہ والے کی قومی دکان لاہور ۱۹۰۹ء۔

○ خم خانہ تصوف (تذکرہ اولیائے ہندو پاکستان)' ڈاکٹر ظہور الحسن شارب' صابری دارالکتب لاہور' ۱۹۸۰ء۔

○ خزینتہ الاصفیاء' مفتی غلام سرور لاہوری' نو لکشور پریس لکھنؤ' ۱۹۷۲ء۔

○ خیر المجالس' حمید قلندر' کے۔ اے نظامی علی گڑھ' ۱۹۵۶ء۔

○ راحت القلوب' نظام الدین اولیاء' اللہ والے کی قومی دکان لاہور' ۱۹۷۳ء۔

○ راحت المحبین (ملفوظات) " " "

○ ریاض الانساب' سید مقصود نقوی' اظہار سنز لاہور' ۱۹۷۹ء۔

○ سفینتہ الاولیاء' شہزادہ داراشکوہ' ترجمہ: محمد علی لطفی' کراچی' ۱۹۵۹ء۔

○ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات' خلیق احمد نظامی' ندوۃ المصنفین دہلی' ۱۹۵۸ء۔

○ سیرالعارفین' حامد بن فضل اللہ جمالی' ترجمہ۔ محمد ایوب قادری' مرکزی اردو بورڈ لہور' ۱۹۷۶ء۔

○ سیر الاخیار المعروف تذکرہ ہفتاد اولیاء' علامہ شاہ مراد سہروردی' سنی دارالاشاعت فیصل آباد' (س۔ن)

○ سیر الاولیاء' سید محمد بن مبارک علوی کرمانی معروف میر خورد' مطبع محب ہند دہلی' ۱۳۰۰ھ۔

○ شیخ الاسلام حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ' رئیس بدایونی' فیروز سنز لاہور'

۱۹۷۳ء۔

- عرب و ہند کے تعلقات، سید سلیمان ندوی، کریم سنز جمشید روڈ کراچی ۵، ۱۹۷۶ء۔
- عجائب الاسفار (سفرنامہ ابن بطوطہ)، ترجمہ پیرزادہ محمد حسین، دہلی ۱۹۱۳ء۔
- عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، مصر، ۱۲۹۲ھ۔
- فتوح الغیب، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، اردو ترجمہ۔ مولانا زبیر افضل عثمانی، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۷۹ء۔
- فرقے اور مسالک، بلال زبیری، جھنگ ادبی اکیڈمی جھنگ، ۱۹۷۶ء۔
- فوائد الفواد، امیر حسن سجزی۔ اردو ترجمہ۔ پروفیسر محمد سرور، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، ۱۹۷۳ء۔
- قرآن اور تصوف، ڈاکٹر میر ولی الدین، مکتبہ خلیل لاہور۔
- کشف المحجوب، ابوالحسن علی ہجویری، علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش علیہ الرحمتہ بامقدمہ پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لاہور ۱۹۶۸ء۔
- " " " " اردو ترجمہ مولانا ابوالحسنات، رضوی کتب خانہ لاہور ۱۳۹۳ھ۔
- کتاب اللمع فی التصوف، ابونصر عبداللہ بن علی السراج الطوسی، لیڈن ۱۹۱۴ء۔
- کنز العباد فی شرح الاوراد، علی بن احمد غوری (قلمی مکتوبہ در سمرقند ۸۵۴ھ مملوکہ محمد اقبال مجددی لاہور)
- گلزار ابرار، محمد غوثی شطاری مانڈوی (اردو ترجمہ: اذکار ابرار) مطبع مفید عام آگرہ۔ ۱۳۲۶ھ۔
- مراۃ الاسرار، مولانا عبدالرحمٰن چشتی (قلمی مخطوطہ)
- مفتاح التواریخ، طامس ولیم بیل، نو لکشور لکھنؤ، ۱۸۶۷ء۔
- مقالات الشعراء، علی شیر قانع تتوی، مرتبہ حسام الدین راشدی، سندھی ادبی بورڈ کراچی، ۱۹۵۷ء۔
- مقالات (دینی و علمی) حصہ اول، پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، احمد ربانی لاہور، ۱۹۷۰ء۔

○ مقالات مولوی محمد شفیع جلد پنجم احمد ربانی مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۱ء۔
○ منبع البرکات، شیخ شرف الدین قریشی (قلمی)
○ مقدمہ ابن خلدون، مصر ۱۳۲۲ھ۔
○ ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ۔ ڈاکٹر روبینہ ترین، بیکن بکس ملتان ۱۹۸۹ء۔
○ نزہتہ الخواطر، جلد اول، حکیم عبدالحی حسنی، حیدر آباد دکن، ۱۹۴۷ء۔
○ نفحات الانس، مولانا نورالدین محمد عبدالرحمٰن جامی اردو ترجمہ مولانا حافظ سید احمد علی، اللہ والے کی قومی دکان لاہور ۱۹۷۷ء۔
○ وصایا شیخ شہاب الدین سہروردی، انتخاب و ترجمہ: مولانا نسیم احمد فریدی امروہی، المعارف گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۸۳ء۔
○ ہندی مسلم تہذیب۔ قاضی جاوید۔ وین گارڈ بکس لاہور ۱۹۸۳ء۔
○ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، مولوی ابوالحسنات ندوی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۳۶ء۔

(i) Gazetteer of the Multan District, Lahore 1902.

(ii) The Suhrawardi Silsilah and its influence on Medieval Indian Politics, KhaliQ Ahmad Nizami Delhi 1957.

(iii) A Glossary of the Trites and castes of Punjab and N W F P. Vol. I, II, III- 1892.

رسالے

○ اورنٹل کالج میگزین لاہور بابت نومبر ۱۹۲۷ء۔ (مخدوم بہاء الدین برناوی)
○ ماہنامہ "آستانہ زکریا" ملتان، ماہ جنوری ۱۹۵۶ء (تجلیات اولیائے سہرور")
○ " " ماہ ستمبر ۱۹۵۹ء (خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی")
○ رسالہ مولوی دہلی، اولیاء نمبر، ماہ جون ۱۹۳۸ء (حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا سہروردی")

○ صحیفہ لاہور، جنوری ۱۹۷۱ء (ملفوظات شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ)

○ پندرہ روزہ آہنگ کراچی، شمارہ ۱۶ (۱۶ سے ۳۱ اگست) ۱۹۸۰ء (حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ - کرامتیں)

اخبارات

۱۔ روزنامہ امروز لاہور، ۱۳ دسمبر ۱۹۸۰ء (اشاعت خصوصی عرس حضرت بہاء الحق زکریا)

۲۔ روزنامہ نوائے وقت ملتان، ۱۲ دسمبر ۱۹۸۰ء۔

○

اشاریہ

(اعلام)

(الف)

ب، پ

ن

ہ، و، ی

○

اشاریہ

(اماکن)

ا، ب، پ، ت، ٹ

ج، چ، ح، خ

د، ڈ، ر، ز

س، ش، ص

ع، غ، ف، ق

ک، ل

م

ن، ہ، و

○

مطبوعات تصوف فاؤنڈیشن

کلاسیک کُتب تصوّف کے مُستند اُردو تراجم

- طواسین — مصنف: ابن حلاج (۲۴۴ — ۳۰۹ھ) مترجم: عتیق الرحمٰن عثمانی — قیمت مجلد -/۱۰۰ روپے
- کتاب اللمع — مُصنف: ابونصر سراج (م — ۳۷۸ھ) مترجم: سید اسرار بخاری — قیمت مجلد -/۳۰۰ روپے
- تعرّف — مُصنف: امام ابوبکر کلاباذیؒ (م — ۳۸۵ھ) مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسنؒ — قیمت مجلد -/۱۲۵ روپے
- کشف المحجوب — مُصنف: سید علی ہجویریؒ (۴۰۰ — ۴۶۵ھ) مترجم: سید محمد فاروق القادری — قیمت مجلد -/۱۵۰ روپے
- صَد میدان — مصنف: خواجہ عبداللہ انصاریؒ (۳۹۶ — ۴۸۱ھ) مترجم: حافظ محمد افضل فقیرؒ — قیمت مجلد -/۱۰۰ روپے
- فتوح الغیب — مُصنف: غوث الاعظم عبدالقادر جیلانیؒ (۴۷۰ — ۵۶۲ھ) مترجم: سید محمد فاروق القادری — قیمت مجلد -/۷۵ روپے
- آداب المریدین — مصنف: ضیاء الدین سہروردیؒ (۴۹۰ — ۵۶۳ھ) مترجم: محمد عبدالباسط — قیمت مجلد -/۷۵ روپے
- فتوحاتِ مکیہ — مُصنف: شیخ اکبر ابنِ عربیؒ (۵۶۰ — ۶۳۸ھ) مترجم: مولوی محمد فضل خانؒ — قیمت مجلد -/۳۰۰ روپے
- فصوص الحکم — مُصنف: شیخ اکبر ابن عربیؒ (۵۶۰ — ۶۳۸ھ) مترجم: برکت اللہ فرنگی محلیؒ — قیمت مجلد -/۱۵۰ روپے
- الاوراد — مُصنف: بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (۵۶۶ — ۶۶۱ھ) مترجم: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی — قیمت مجلد -/۱۲۵ روپے
- لوائح — مُصنف: مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ (۸۱۷ — ۸۹۸ھ) مترجم: سید فیض الحسن فیضی — قیمت مجلد -/۷۵ روپے
- انفاس العارفین — مُصنف: شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۱۴ — ۱۱۷۶ھ) مترجم: سید محمد فاروق القادری — قیمت مجلد -/۱۵۰ روپے
- الطاف القدس — مُصنف: شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۱۴ — ۱۱۷۶ھ) مترجم: سید محمد فاروق القادری — قیمت مجلد -/۷۵ روپے
- رسائل تصوف — مصنف: شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۱۴ — ۱۱۷۶ھ) مترجم: سید محمد فاروق القادری — قیمت مجلد -/۱۵۰ روپے
- مرآت العاشقین — مصنف: سید محمد سعید نیجانیؒ (۱۲۵۱ — ۱۳۲۱ھ) مترجم: غلام نظام الدین مرولوی — قیمت مجلد -/۱۲۵ روپے

اہم کُتب تصوّف اَور تذکرے

- کشفُ المحجوب فارسی (نسخہ تہران) مُصنف: شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ تصیح و تحشیہ: علی قویم — قیمت مجلد -/۱۷۵ روپے
- کشفُ المحجوب انگریزی (نسخہ لاہور) مُصنف: شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ مترجم: آر اے نکلسن — قیمت مجلد -/۱۷۵ روپے
- کشف الاسرار (اردو ترجمہ) مُصنف: شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ مترجم: ملک شیر محمد اعوان — قیمت غیر مجلد -/۲۵ روپے
- ارمغان ابنِ عربیؒ ——— مُصنف: مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ ——— قیمت مجلد -/۱۵۰ روپے
- آئینہ تصوف ——— مُصنف: ضیاء الحسن فاروقی ——— قیمت مجلد -/۱۲۵ روپے
- حیاتِ جاوداں ——— مُصنف: ڈاکٹر پیر محمد حسن ——— قیمت مجلد -/۱۵۰ روپے
- شمائلِ رسولؐ (اردو ترجمہ) مُصنف: شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی مترجم: محمد میاں صدیقی — قیمت مجلد -/۷۵ روپے
- بیماری اَور اس کا روحانی علاج ——— مُصنف: ڈاکٹر میر ولی الدین — قیمت مجلد -/۱۰۰ روپے
- تذکرہ مشائخ قادریہ فاضلیہ ——— مُصنف: اِسرار الحسنین قادری فاضلی — قیمت مجلد -/۱۵۰ روپے
- سیرت فخر العارفینؒ تذکرہ: شاہ محمد عبدالحی چاٹگامیؒ مؤلف: سید سکندر شاہ — قیمت مجلد -/۲۵۰ روپے
- چراغ ابوالعلائی. تذکرہ: صوفی محمد حسنؒ و حضرت نقیب اللہ شاہؒ مؤلف: غلام آسی پیا — قیمت مجلد -/۷۵ روپے
- حدیقۃُ الاولیاء ——— مُصنف: مفتی غلام سرور لاہوری، حواشی: محمد اقبال مجددی — قیمت مجلد -/۱۵۰ روپے
- احوال و آثار حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ ——— مُصنف: حمید اللہ شاہ ہاشمی — قیمت مجلد -/۱۵۰ روپے
- اخص الخواص — تذکرہ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ — مُصنف: نواز رومانی — قیمت مجلد -/۱۲۵ روپے
- فاضلی انوار الٰہی — ملفوظات: حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ مرتب: حافظ نذر الاسلام — قیمت مجلد -/۱۰۰ روپے

ناشر: تصوف فاؤنڈیشن، ۳۴۹ ر-اے حسن آباد لاہور | واحد تقسیم کار: المعارف گنج بخش روڈ۔ لاہور پاکستان